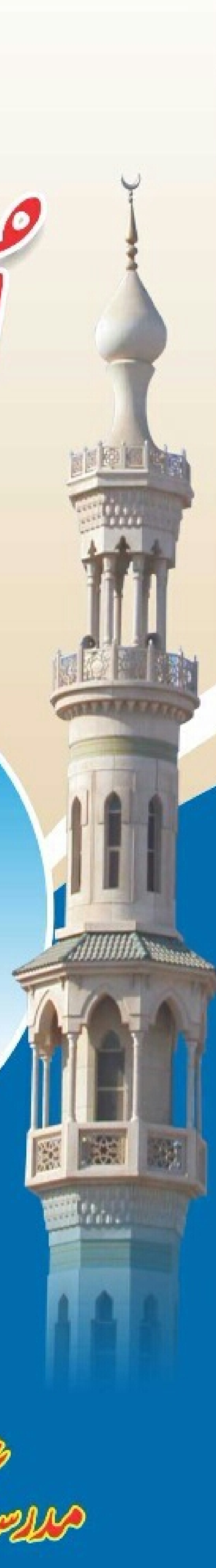
سہ ماہی

مجلہ

رُشد و ہدایت

اکتوبر تا دسمبر 2015





مدیر تحریر

مولانا ضیاء الحق خیر آبادی

مدیر مسئول

مولانا عبد العظیم قاسمی

مرکزِ اشاعت

مدرسہ تحفیظ القرآن، سکٹھی، مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

EMAIL: *zeyaulhaquekbd@gmail.com*

مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان

سہ ماہی

مجلّہ رُشد وہدایت

جلد نمبر:۱ | محرم، صفر، ربیع الاول ۱۴۳۷ھ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۵ء) | شمارہ نمبر:۱

مرکزِ اشاعت: **مدرسہ تحفیظ القرآن**
سکٹھی، شاہ محمد پور، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

زرِ تعاون

سالانہ: 100/= | فی شمارہ: 25/= | خصوصی: 1000/=

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

از: مدیر مسئول

رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ حق ہے کہ: **الدنیا سجن للمؤمن**، کہ دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے۔

موجودہ دور مسلمانان عالم کیلئے سخت ابتلاء وآزمائش کا دور ہے، یوں تو ہر زمانہ اور عہد میں مسلمانوں پر حوادث وآفات کی یورش ہوتی رہی ہے، اور اس سے پریشان ہونا ایک فطری امر بھی ہے، پھر کچھ عرصہ کے بعد حالات سازگار ہوجاتے ہیں، لیکن ادھر کچھ دنوں سے کچھ ایسی صورتحال بنتی جارہی ہے کہ مسلم ممالک کی آپس میں بڑھتی ہوئی کشمکش، باہمی ٹکراؤ، مسلکی تعصب، اور اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے بے دریغ مسلم ممالک کے نہتے عوام پر بمباری وغیرہ ایسے حالات وواقعات ہیں جو ایک نئے انقلاب کی خبر دے رہے ہیں۔

خود ہمارا ملک ہندوستان جہاں اسلام کے نام لیواؤں نے صدیوں تک حکمرانی کی ہے، پھر تخت حکومت کو ایک غیر قوم کے ہاتھوں میں جاتے ہوئے دیکھا، جس نے اہل اسلام کے خلاف ظلم وستم کی تمام حدیں پار کردیں، لیکن مسلمانوں نے ان تمام حالات کا نہایت پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا، اور اس ظالم قوم کو بوریا بستر لپیٹنے پر مجبور کردیا۔

آج پھر ملک کے حالات اسی ڈگر پر جارہے ہیں جیسا کہ اسلامی حکومت کے خاتمہ کے بعد تھے، اور ایک بار پھر مسلمانوں کے وجود کو مٹادینے کی خطرناک سازشیں جاری ہیں، جن کا مختلف شکلوں میں ظہور ہوتا رہتا ہے، جن سے ہر محبّ وطن شہری فکرمند ہے۔ اب اہل اسلام کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ان حالات کا مقابلہ قرآنی تعلیمات اور اسوۂ رسول کی روشنی میں کریں، اور برادران وطن کے دلوں میں جو نفرت وعداوت اور غم وغصہ ہے اسے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے دور کرنے کی کوشش کریں، سختی کا جواب سختی نہیں بلکہ نرمی ہے، ارشاد ربانی ہے: **اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ**۔

جب ہم قرآن وحدیث کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں گے تو انشاءاللہ ضرور حالات بدلیں گے۔

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز سخن

از:۔ مدیر تحریر

(۱)

مدرسہ تحفیظ القرآن (سکھٹی، مبارکپور) اس وقت اپنی عمر کی ساتویں منزل میں قدم رکھ رہا ہے، اور الحمد اللہ روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن ہے، آج سے سات سال پہلے ایک مکتب کی شکل میں اس کا قیام عمل میں آیا تھا اور چند بچوں کو لیکر اس کا آغاز کیا گیا تھا، اور دیکھتے ہی دیکھتے درجہ اطفال و پرائمری پانچ تک کے درجات قائم ہوگئے، اور اسی کے ساتھ ساتھ درجہ حفظ کا قیام عمل میں آیا اور اس وقت بحمد اللہ اس کے دو درجے قائم ہو چکے ہیں، یہ سب مدرسہ کے جواں سال و جواں ہمت ناظم مولانا عبد العظیم صاحب کی غیر معمولی استقامت و حوصلہ مندی کا نتیجہ ہے، انھوں نے مدرسہ کے قیام کے بعد اپنی تمامتر قوت و توانائی اس کی تعمیر و ترقی میں لگا اور کھپادی، اور محاورتاً نہیں حقیقتاً اس کیلئے تن من دھن کی بازی لگادی، جس کا نتیجہ اس حیرت انگیز ترقی کی شکل میں سامنے ہے۔ واقعی ایسے دور میں جبکہ دین اور امور دین سے دوری اور بُعد روز افزوں ہے اس طرح کے ادارے قائم کرنا اور اسے پروان چڑھانا بڑے حوصلے اور ہمت کی بات ہے، مولانا کے عزم جواں نے اتنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ انھوں نے امسال فارسی و عربی کے درجات بھی قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے انھوں نے مجھے دعوت دی، اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے اس وقت میرا گھر پر رہنا ضروری تھا، لیکن مولانا کے پُر خلوص اصرار کو دیکھتے ہوئے میں نے ہاں کر دی اور صورت یہ بنی کہ روزانہ صبح مدرسہ آؤں اور پڑھا کر گھر چلا جاؤں، اب تک اسی پر عمل ہو رہا ہے اور فارسی اور عربی اول کے درجے میں چند طلبا آ گئے ہیں اور تعلیم شروع ہوگئی ہے، انشاء اللہ آئندہ اس کو مزید وسعت دی جائے گی۔

میرے آنے کے بعد مولانا موصوف نے ایک اور کام کا ارادہ کیا، وہ یہ کہ ایک عام فہم دینی رسالہ مدرسہ سے نکالا جائے جس کے ذریعہ دینی واصلاحی باتیں لوگوں تک پہونچائی جائیں، اور مدرسہ کا دائرۂ فیض طلبا سے گزر کر عوام الناس تک بھی پہونچے، لیکن جاننے والے جانتے ہیں اس دور میں کوئی رسالہ یا میگزین نکالنا وہ بھی خالص دینی واصلاحی، کس قدر مشکل کام ہے، اگر کسی طرح آدمی محنت وکوشش اور جتن کر کے رسالہ نکال بھی لے تو اس کے لئے خریداروں کی فراہمی ایک دشوار اور مشکل مرحلہ بن جاتا ہے، قوم کے علمی ذوق کا عمومی حال یہ ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کو بھی کسی کتاب یا رسالے کو ہاتھ میں لئے ہوئے ایک مدت گزر جاتی ہے، مجھے دس بارہ سال تک ایک ماہانہ رسالہ نکال کر اس کا خوب تجربہ ہو چکا ہے۔ میں نے ان تجربات کو مولانا کے سامنے رکھا تو طے یہ پایا کہ جیسے مدرسہ دین اور علم دین کی نشر واشاعت کیلئے ہے اسی طرح یہ رسالہ بھی تبلیغ دین کے لئے ہے اس میں دنیاوی نفع ونقصان نہیں بلکہ اصل مقصود یعنی تبلیغ دین اور اشاعت علم پر نگاہ رہے کہ اس کے ذریعہ علم صحیح کو لوگوں تک پہونچایا جائے اور ان کے عقائد واعمال کی درستگی کی کوشش اس میدان سے بھی کی جائے، اسی نیت اور ارادے سے بنام خدا اس کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ پہلے ایک سال تک تو اسے سہ ماہی رکھنے کا ارادہ ہے اس کے بعد جیسے احوال ہوں گے اسی کے اعتبار سے، اسے دو ماہی یا ماہانہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں، اور مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

(۲)

ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں بہت سے مذاہب کے ماننے والے اور مختلف افکار ونظریات کے حامل افراد بستے ہیں، یہاں صدیوں سے باہمی اتحاد اور مذہبی رواداری کی روایت قائم تھی، یہاں کی دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان باہم شیر وشکر کی طرح تھے، تحریک آزادی میں بھی دونوں کا اتحاد مثالی اور غیر معمولی تھا، مگر اسی دوران ہندو مہاسبھا اور آر ایس ایس جیسی فرقہ پرست تنظیمیں منافرت کا زہر گھولنے میں مصروف تھیں، انگریز بھی اپنے مفاد کے پیش نظر اسے ہوا دیتے رہے، ادھر جب کاروانِ آزادی اپنی منزل پر پہونچا تو ملک کی آزادی تقسیم کی خوفناک صورت میں ظاہر ہوئی، جس نے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان بہت دوری پیدا کر دی، اور اس نے فرقہ پرست تنظیموں کو بہت

تقویت پہونچائی اوران کے مشن کی کامیابی کا ایک ذریعہ بن گئی۔ یہ تنظیمیں ایک منظم انداز اور پلان کے تحت پورے ملک پر چھاتی چلی گئیں، پھر وہ دور بھی آیا کہ مرکز میں ان کی حکومت قائم ہوگئی، پھر تو ان کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا، ایک طرف تو ملک کے جمہوری کردار اور سیکولر دستور کو ختم کرنے کی سازش اور تیاری شروع ہوگئی، تو دوسری جانب فرقہ وارانہ فسادات کے ذریعہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت وعداوت کی خلیج پیدا کرنے اور اس کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی کوشش اور محنت تیز تر ہوگئی ،جس کے نتیجہ میں ہندو مسلم اتحاد اور بین المذاہب رواداری کو سخت خطرہ ہے،صدیوں سے جس مثالی انداز میں تمام مذاہب کے لوگ آپس میں مل جل کر رہتے تھے وہ ہندوستان کی مایہ ناز تہذیب کا حصہ تھا مگر اس وقت جو صورتحال ہے اس میں باہمی منافرت دن بدن بڑھتی ہی جارہی ہے جو انتہائی تشویشناک بات ہے، اور متحدہ قومیت، ہندوستان کی سالمیت اور خود مسلمانوں کے تحفظ کے لئے خطرہ کی گھنٹی ہے، جس نے ملک کے تمام باشعور اشخاص اور دانشوروں کو تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔ فرقہ پرست لابی جسے مرکزی حکومت کی سرپرستی حاصل ہے اپنے ایجنڈے پر زور وشور سے کام کر رہی ہے، ہندو مسلم دونوں کی نئی نسل غلط فہمیوں کا شکار ہے اور ایک دوسرے سے دن بدن دور ہوتی جارہی ہے، جس کے اثرات ہر جگہ اور ہر سطح پر ظاہر ہو رہے ہیں۔

اس صورتحال نے ارباب فکر ونظر کو اس بات کی جانب متوجہ کیا کہ اس بڑھتی ہوئی دوری کو ختم کرنے کیلئے بھرپور کوشش کی جائے۔ اپنی، ملت اسلامیہ کی، اور آئندہ پیش آنے والے حالات کی فکر کرتے ہوئے مسلمانوں کی نئی نسل کی تعلیم وتربیت، ان کے ایمان وعقیدہ کے استحکام اور اخلاق وکردار کی آبیاری کے لئے متواتر جدوجہد کی جائے اور جہاں تک بن پڑے ان کو ملت اسلامیہ اور انسانیت کی خدمت کے لئے بہتر سے بہتر صورت میں تیار کرنے کی کوشش کی جائے۔ مدارس اسلامیہ اس سلسلہ میں ایک موثر اور بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں، لیکن ان پر بھی ایک جمود کی سی کیفیت طاری ہے، اکثر مدارس میں اس بنیادی کام کی کمی خاصی واضح طور پر نظر آرہی ہے، حالانکہ مدارس کا سلسلہ تو درحقیقت اسی لئے شروع ہوا تھا جیسا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے افکار وخیالات سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اچھے طالب علموں کی تیاری کی محنت اور ایسے علماء کو وجود میں لانے کی بھرپور جدوجہد، جو اپنے اپنے علاقوں اور ملت کی اجتماعی ضروریات اور تازہ ظاہر ہونے والے مسائل، فتنوں اور دین وعقیدہ کے لئے خطرہ بننے والے چیلنجوں کا اس طرح مقابلہ کرتے کہ ان سب کا رخ پھیر دیتے، اور

امت کے افراد کو صاف صاف نظر آتا کہ۔

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں زمانے میں

مگر افسوس! ایسے افراد کا وجود قصہ کہانی بنتا جارہا ہے، اب تو صورتحال یہ ہے کہ نہ اپنی فکر ہے نہ اپنے نوجوانوں اور نسلِ نو کی اور نہ ملت کے سر منڈلانے والے خطرات ونقصانات کی۔اس لئے ہم پر ضروری ہے کہ خوابِ غفلت سے اٹھیں اور اسلامی تعلیمات اور سیرت نبوی کی روشنی میں فرقہ پرست عناصر کے ذریعہ پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات کو دور کریں اور انھیں اعلیٰ اسلامی اخلاق وکردار اور مذہبی رواداری کے ذریعہ اپنے سے قریب کریں، اور انھیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرکے مشترکہ پُرسکون اور قومی اتحاد واتفاق والی زندگی گزارنے کا ماحول بنائیں۔غیر مسلم نئی نسل اور سیدھی سادی عوام کے سامنے تحریک آزادی کے مسلم وہندو لیڈران اور علماء کرام کے مثالی اتحاد کی تاریخ پیش کریں، اور ماضی کی تاریخ کے اوراق ان کے سامنے لائے جائیں جہاں یہ دونوں قومیں شیر وشکر کی طرح رہتی تھیں۔

ان حالات سے سب سے زیادہ نئی نسل متاثر ہے خصوصاً اسکول کالج کے اسٹوڈنٹس اور مدارس کے طلبا! تو ان کے درمیان تعلقات وروابط کو عام کیا جائے تاکہ یہ ایک دوسرے کے احوال سے واقف ہوسکیں، اس لئے بیشتر غلط فہمیاں ناواقفیت ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، اور ان کی فکری وجسمانی توانائیوں کو ملک وملت اور قوم کے اتحاد واتفاق کیلئے استعمال کرنے کا لائحۂ عمل تیار کیا جائے۔ اگر اس فکر کے ساتھ محنت کی گئی تو ان شاء اللہ عنقریب اس کے خوشگوار نتائج سامنے آئیں گے اور نفرت وعداوت کی بدلیاں چھٹیں گی اور انھیں سے اخوت ومحبت کا آفتاب طلوع ہوگا۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۲؍ربیع الاوّل کے ہنگامے

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

ان حروف کا لکھنے والا ایک ضرورت سے ہندوستان کے معروف شہر بمبئی گیا ہوا تھا، ۱۲؍ربیع الاول کو بمبئی کے مشہور محلّہ مدن پورہ، مولانا آزاد روڈ کے ایک مکان پر ٹھہرا ہوا تھا، اس نے دیکھا کہ یہاں مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنے پیغمبر ﷺ کی ولادت پر عید منا رہا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارکہ آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے ۱۲؍ربیع الاول کو ہوئی تھی، اس تاریخ میں آپ کی ولادت کا ہونا کوئی تحقیقی اور قطعی بات نہیں ہے، بہت سے محققین نے اس سے اختلاف کیا ہے، لیکن یہاں ہندوستان میں اسی مشکوک اور غیر یقینی تاریخ کو یقینی اور قطعی بنا کر ایک عجیب وغریب عید منائی جاتی ہے، اور اسے نام ''عید میلاد النبی'' کا دیا جاتا ہے۔ یہ عید ہندوستان و پاکستان کے بیشتر شہروں میں منائی جاتی ہے، اور اسے ایک خاص انتہا پسند اور جارحیت زدہ فرقہ کی سرپرستی حاصل ہے۔ بہت سی جگہوں پر اس عید میلاد النبی کے تماشے سڑک پر نظر آئے، لیکن بمبئی میں جو نقشہ دیکھا، وہ اور کہیں نظر نہ آیا، اس عید میں جو چیز قدر مشترک ہے وہ تو ہر جگہ ایک ہی ہے، یعنی جھنڈوں کے ساتھ سڑکوں پر جلوس نکالنا، لاؤڈ اسپیکر لگا کر نعت خوانی کرنا، شور وغل کرنا، بلند وبانگ نعرے لگانا، سڑکوں کو جام کرنا، راہ چلتے لوگوں کو پریشانی میں ڈالنا، امن وسکون کے ماحول کو پُر خطر اور مخدوش بنانا وغیرہ، لیکن بمبئی میں رنگ ہی کچھ اور تھا۔

بمبئی میں عید میلاد النبی کا جلوس سڑکوں پر نکالا گیا تھا، اور ٹرک ایک دو نہیں سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں کی تعداد میں رہے ہوں گے۔ ۳؍بجے دن سے مولانا آزاد روڈ پر یہ جلوس شروع ہوا، تو دس بجے رات تک مسلسل یہ جلوس چلتا رہا، یکے بعد دیگرے ٹرک نکلتے رہے، ہر ٹرک الگ الگ انداز سے سجایا گیا تھا، کوئی پھولوں سے آراستہ تھا، کسی کو پھلوں سے سجایا گیا تھا، کسی پر بڑے بڑے بینر لگے ہوئے تھے، الگ الگ جماعتوں، انجمنوں، برادریوں، پیشہ وروں اور محلوں کے الگ الگ ٹرک تھے،

ہر ٹرک پر اوباش اور لاخیرے قسم کے نوجوان اور لڑکے ہڑبونگ مچارہے تھے، سڑک پر اِترا اِترا کر ناچ رہے تھے، تھرک رہے تھے، ڈھول تاشے بجارہے تھے، نماز کا وقت ہے، مسجدوں میں نمازیں ہورہی ہیں، اور یہ عاشقانِ رسول نعرے لگارہے ہیں، ''علی کا دامن نہیں چھوڑیں گے'' ''غوث کا دامن نہیں چھوڑیں گے'' ''خواجہ کا دامن نہیں چھوڑیں گے'' ''آدھی روٹی کھائیں گے، اسلام کو بچائیں گے'' ''چوبیس نمبر ہائے ہائے'' انھیں نعروں کے شوروغل میں اسلام کو بچانے والے نمازوں کو برباد کررہے تھے، نمازیوں کو پریشان کررہے تھے، مسجدوں کی بے حرمتی کررہے تھے، ٹریفک جام، راہ رَو پریشان، پولیس کا عملہ دم بخود، عام لوگ سراسیمہ، اور اسلام کے یہ نام لیوا بہادر اچھل اچھل کر ''نہیں چھوڑیں گے، نہیں چھوڑیں گے'' کے نعرے لگاس رہے تھے۔

ایک شخص بیٹھا سوچ رہا تھا کہ قرآن سے، احادیث رسول سے، تاریخ کے مطالعہ سے، اور اپنے اساتذہ کے ذریعے واسطہ در واسطہ رسول اللہ ﷺ سے، مذہب اسلام کی جو حقیقت اور صورت سمجھ میں آتی ہے وہ اس موجودہ تصویر سے کتنی مختلف ہے۔

دین اسلام ایک سنجیدہ اور دانشمندانہ مذہب ہے، جس میں اللہ کی عبادت کا وہ عمدہ ترین طریقہ ہے جس سے بہتر تو کیا، اس کے برابر بھی سوچا نہیں جاسکتا، اس میں معاملات کی دیانت اور صفائی ہے، اس میں اخلاق کی بلندی ہے، اس کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان کی ذات سے بجز اذن الٰہی کے کسی کو ذرا بھی ایذاء نہ پہونچے، اس مذہب میں لہوولعب، خرافات، گانے بجانے، ناچنے تھرکنے، اچھلنے کودنے، اور لغویات کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اگر کسی کھیل کی اسلام نے اجازت دی ہے، تو اس میں بھی سنجیدگی اور مقصدیت کے پہلو کو برقرار رکھا ہے، اسلام ہر محل اور ہر زمان میں ایک نافع، بابرکت اور دل آویز دستورِ حیات ہے۔

سوچنے والا سوچے جارہا تھا کہ یہ اسلام جو بمبئی کی سڑکوں پر نظر آرہا ہے، یہ اسلام تو نہ قرآن کے تیس پاروں میں نظر آتا ہے، نہ حدیث کے ذخیروں میں ملتا ہے، نہ ائمہ کرام کی مدون کردہ فقہ میں ملتا ہے، نہ تاریخ اسلام کے صفحات میں ملتا ہے، یہ کون سا اسلام ہے جس کو یہ جیالے بچانے چلے ہیں، نہ جانے علی کا، غوث کا، اور خواجہ کا کون سا دامن ہے جسے یہ بہادر نہیں چھوڑیں گے۔ علی کا دامن ان کے ہاتھ میں ہوتا، تو یہ دن کو میدان جہاد میں صف آرا ہوتے، اور رات کو مصلوں پر مصروفِ مناجات ہوتے، غوث اور خواجہ کا دامن ہاتھ میں ہوتا، تو یہ مسجدوں اور خانقاہوں میں نظر آتے، لیکن یہ تو سڑک پر

اچھل کود رہے ہیں، راستہ بند کئے ہوئے ہیں، عوام الناس کو تنگی میں ڈال رہے ہیں، وہ اسلام جسے رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا ہے، جس کی تکمیل آپ کی حیات مبارکہ میں ہی کردی گئی تھی، جس میں اب کسی اضافہ وترمیم کی گنجائش نہیں ہے، اس کے دائرے میں یہ جلوس، جلوس کے یہ نعرے، یہ ہڑبونگ، اور ہڑبونگ کے یہ وحشت ناک تماشے تو قطعاً نہیں ہیں۔

پھر اسے کیا کہا جائے، یہ اسلام تو ہے نہیں، اور اگر کسی کو اصرار ہو کہ یہ اسلام ہے، تو یقیناً نیا اسلام ہے، وہ اسلام نہیں ہے جس کی تعلیم حضور اکرم ﷺ نے دی ہے، جس کو مان کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم علم وعمل اور تقویٰ وتدین کی بلندیوں سے سرفراز ہوئے تھے، جس کے پیرو تابعین، ائمہ اور تمام علمائے دین تھے، جس پر عمل پیرا ہونے والے حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی تھے۔ (علیہم الرحمہ)

☆☆☆☆☆

ہر مسلمان جانتا ہے کہ کبریائی اور بڑائی اللہ ہی کے لئے ہے، وہی سب کا حاجت روا اور مشکل کشا ہے، ساری کائنات کا بلاشرکت غیرے اکیلا مالک ومدبر ہے، وہی خالق ہے، وہی صاحب تصرف ہے، اسی کا حکم پورے نظام عالم میں نافذ ہے، اس کے ساتھ کسی تصرف میں کوئی شریک نہیں ہے، معبود وہی ہے، باقی سب محتاج اور غلام ہیں، وہ موت وحیات کا مالک ہے۔ تمام امور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اس کے اذن کے بغیر ایک پتہ بھی ہل نہیں سکتا، اور ہر مسلمان یہ بھی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قدم بہ قدم پیروی کی جائے، اگر کسی نے ان کا راستہ ذرا بھی چھوڑا، تو وہ جہاں بھی پہونچے، مگر اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کو نہیں پہونچ سکتا، معیار وہی ہیں، انھیں کی پیروی کرنے سے مرتبہ ملا، جس کو ملا۔ یہ بزرگانِ دین اور مشائخ کبار جن کی ولایت کی دنیا معترف ہے، انھیں یہ ولایت حضور اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چل کر ہی ملی ہے، ان کا اصل کمال اتباع واطاعت ہی میں مضمر ہے۔

لیکن اب دیکھئے کہ رسول اللہ اور اولیاء کرام ہی کا نام لے لے کر امت کن خرافات میں مبتلا ہوگئی ہے، دین کی اصل حقیقت رسوم ومظاہر میں گم ہوگئی ہے، فرائض سے کوئی واسطہ نہیں۔

سنتوں کا نور زندگیوں سے غائب ہے، حرام وحلال کی تمیز باقی نہیں رہی، مگر بزرگوں کا نام بیچ میں لاکر لوگوں نے توحید کی جگہ شرک کو، سنت کی جگہ بدعت کو جاری کر رکھا ہے، عید میلاد النبی ہو، یا

گیارہویں شریف، شب معراج ہو یا یوم عاشوراء، خواجہ اجمیری کی زیارت ہو یا کچھو چھہ کا مزار، اور اس کے علاوہ ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے مزارات، ہر موقع اور ہر جگہ پر دیکھ لیجئے کہ انھیں بزرگوں کا نام لے لے کر اور انھیں کی عقیدت ومحبت کا نعرہ لگا لگا کر کن کن خرافات کے مرتکب اسی اسلام کے نام لیوا ہوتے ہیں، جس کو جناب نبی کریم ﷺ لائے تھے، جس اسلام نے شرک کو اور شرک کے آثار کو یکسر ختم کر دیا تھا، اب اسی اسلام کا دم بھرنے والے گلے گلے تک شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں، لیکن پھر بھی مسلمان ہیں۔

پھر اتنے ہی پر بس نہیں، اسلام جو ایک نہایت سنجیدہ دین تھا، اس کے ماننے والے اسی کے نام پر خرافات کو ایجاد کر کے سڑک پر لے آئے، بازار میں لے آئے، ڈھول اور طبل کے ساتھ لے آئے، دنیا سمجھتی ہے کہ یہی اسلام ہے، حالانکہ اسے اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسے ہی مسلمان ہوتے ہیں، اور مسلمان یہی سب کرتے ہیں، حالانکہ یہ اعمال مسلمانوں کے نہیں ہیں۔

یہ شور یہ ہنگامے شرعی اعتبار سے تو غلط در غلط ہیں ہی، خاص ہندوستان کے ماحول ومزاج کے اعتبار سے ان کی صورت حال مزید سنگین ہے، ان مجمعوں میں کیسے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں، سب جانتے ہیں، کبھی کبھی یہ لا خیرے اور اوباش نوجوان وہ حرکتیں کر جاتے ہیں جن کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے، کوئی شرارت کر دی، اور فساد پھوٹ پڑا، پھر جان ومال اور جائداد واملاک کا ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے۔

یہ تجربہ بار بار ہوا ہے، اور ہوتا ہے، مگر آنکھیں نہیں کھلتیں، کاش اس پر وہ لوگ بھی غور کرتے، جو خود کو علماء کی صف میں رکھتے ہیں، اور وہ ان خرافات کی سرپرستی کرتے ہیں، انھیں عظمتِ رسول اور عقیدتِ اولیاء کی سند عطا فرماتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں، یہ نہ رسول کی تعظیم ہے اور نہ اولیاء کی عقیدت ہے، بلکہ یہ صرف نفس کی خواہشات کے کرشمے ہیں۔

شرکت وبدعات کی ان خرافات نے امت کو بے حد وحساب مصائب میں مبتلا کر رکھا ہے، ان کا احتساب اخلاص کے ساتھ کیا جانا چاہئے۔ یہ تمام علماء کی ذمہ داری ہے، جس کا جتنا دائرہ ہو، اس میں جدوجہد کرنا اس کا فریضہ ہے۔ **اَللّٰهم وفقنا لماتحب وترضىٰ من القول والعمل والفعل والنية والهدىٰ إنک علىٰ کل شئ قدير۔** (حدیث دردِل: ص:۶۹)

محبتِ دنیا اور موت کا خوف

حضرت مولانا بدرعالم صاحب میرٹھیؒ

عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُوْشَكُ الْاُمَمُ أنْ تَدَاعىٰ عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاٰكِلَةُ إلىٰ قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَآءٌ كَغُثَآءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ، قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَاالْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَّةُ الْمَوْتِ (رواه ابو داؤد والبيهقى فى دلائل النبوة. مشکوٰۃ ص:۴۵۹)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ وقت قریب ہے کہ تمہاری مثال اس پیالہ کی سی ہوگی، جس میں تیارشدہ کھانا موجود ہو اور لوگ اس کے اردگرد بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کو یہ کہہ کر دعوت دیں کہ آؤ بھائی! اس کو کھالو، اس پر ایک شخص نے تعجب سے کہا، کیا لوگوں کو یہ جرأت اس لئے ہوگی کہ ہماری تعداد اس زمانہ میں بہت کم ہوجائے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، نہیں! اس دن تم عدد کے لحاظ سے بہت ہوگے، لیکن تمہاری مثال اس خس وخاشاک کی سی ہوجائے گی جو بارش کے بہتے ہوئے پانی کے اوپر تیرتا نظر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے (تمہاری بداعمالی کی وجہ سے) تمہارا خوف اور رعب نکال دے گا۔ اور تمارے دلوں میں الوھن ڈال دے گا۔ ایک شخص نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ الوھن کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی محبت اور موت کا خوف۔

موجودہ دور میں مسلمان اپنے دشمنوں کے درمیان جس طرح گھرے ہوئے ہیں اور ہر طرف سے ان کو عالم سے نیست ونابود کرنے کے لئے جس طرح دشمنوں کی نظریں بڑی لاپروائی کے ساتھ ہماری طرف لگ رہی ہیں، ان کی سب سے زیادہ سچی تصویر ان الفاظ سے زیادہ بہتر طریقے سے کھینچی جاسکتی ہے جو حدیث بالا میں مذکور ہوئے؟ حیرت یہ کہ ہماری ذلت ونکبت کی یہ تصویر ایسی طاقت کے زمانے میں کھینچی جارہی تھی جب کہ اس بات کا سمجھنا مخاطبین کو اتنا بعید معلوم ہورہا تھا کہ اس کا سبب پوچھے بغیر آخر کار ایک شخص سے رہا نہ گیا۔ پھر جن کے سامنے امت کے عروج وزوال کے تمام دور وحی کے قطعی اور یقینی ذریعہ سے سب کے سب کھول کر رکھ دئے گئے تھے، انھوں نے ہمارے اس روگ کی کتنی صحیح تشخیص کی۔ پھر کتنی مختصر کہ صرف دولفظوں میں اس کا لب لباب نکال کر رکھ دیا۔

اگر آج ہم میں حدیث وقرآن پر یقین کی حقیقی روح موجود ہوتی تو ہم اسلام کے اسی ایک لفظ پر قربان ہو جاتے۔ کیا یہ بات نہیں کہ ہماری تعداد بحمد اللہ تعالیٰ اس وقت دنیا میں بہت بڑی تعداد ہے؟ لیکن اس کے ساتھ اگر آپ ہمارے اسلام کو کسوٹی پر کس کر دیکھیں تو آپ کو یہی ثابت ہوگا کہ ہمارا دعوائے اسلام گو بہت بلند آہنگی کے ساتھ ہو رہا ہے لیکن اس میں حقیقت اتنی بھی نہیں ہے جتنی حدیث کے لفظوں میں خس وخاشاک کی ہوتی ہے۔ کیا آج ہمارے دلوں میں بلکہ روئیں روئیں میں مال کی محبت گھسی ہوئی نہیں ہے؟ کیا ہم کبھی یہ احتیاط رکھتے ہیں کہ جس مال کی محبت میں فنا ہو رہے ہیں وہ حلال راستہ سے آتا ہے یا حرام راستہ سے؟ یا آنکھ میچ کر صرف اس کو سمیٹنے میں مشغول ہیں، خواہ اس میں ہمیں اپنے ملک وقوم کو کھودینا ہی کیوں نہ پڑے؟ پھر اسی کے ساتھ اپنے دلوں کی طرف غور کر کے دیکھئے کہ ان میں موت سے کتنا خوف پیدا ہو گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مال ودولت کی محبت کے ساتھ جاں فروشی کی روح کبھی پیدا ہو نہیں ہو سکتی، اس لئے اگرچہ یہاں ''موت کا خوف'' اور ''مال کی محبت'' یہ لفظ تو دو ہیں مگر ان کی حقیقت ایک ہی ہے۔ اور جب اس کا احساس دشمنوں کو ہو جاتا ہے کہ کسی قوم میں جاں فروشی کے بجائے عیش پرستی کی روح داخل ہو چکی ہے، تو پھر فطرتاً ان کے دلوں سے ایسی قوم کا رعب وخوف نکل جاتا ہے۔ اور یہی دشمنوں کی دلیری کا باعث بن جاتا ہے۔

مشترکہ ہند میں گذشتہ دور میں مسلمانوں کے ساتھ کتنے ہی معرکے پیش آئے جن میں مسلمان نہتے تھے اور مال ودولت کی نعمت سے بھی محروم تھے، لیکن جب جنگی سرگرمیوں نے ایک بار یہ ثابت کر دیا کہ مسلمانوں میں ابھی جاں فروشی کی روح باقی ہے تو ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ایسا طاری ہوا کہ وہ بتیس دانتوں کے درمیان ایک زبان ہو کر سالہا سال آرام کی نیند سویا کیے، کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنی کمزوریوں کا احساس کریں اور مرض وعلاج کی صحیح تشخیص وتجویز کے بعد بھی اس کے معالجہ کی طرف متوجہ نہ ہوں، **فاعتبروا یا أولی الأبصار** (سو عبرت پکڑو اے آنکھ والو) (پ:۲۸، رکوع:۴)

اس ضمن میں یہ تنبیہ کر دینی بھی موزوں معلوم ہوتی ہے کہ آج سے تیرہ سو سال پہلے قرآن کریم نے جو حکم دیا ہے وہ یہ ہے: **وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رّباط الخيل ترهبون به عدوّ الله و عدوّكم** ''اور تیاری کرو ان کے ساتھ لڑائی کے لئے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک بیٹھ جائے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں

پر'' (پ:۱۰، رکوع:۴) یعنی کفار کے لئے جو بھی قوت تم تیار کر سکتے ہو اس کی تیاری میں لگے رہو۔

ان میں سے اس وقت کے لحاظ سے ایک بات یہ ہے کہ جہاد کرنے کے لئے گھوڑے بھی پالو۔ یہ سب تیاری اس مقصد کے لئے ہے کہ دشمنوں پر رعب جمے اور تمہاری دھاک ان پر بیٹھی رہے۔ اس لحاظ سے ہر زمانہ میں جو آلاتِ جدیدہ ایجاد ہوں گے ان کو بھی زیادہ سے زیادہ جمع کرنا اسی آیت کے حکم میں داخل ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے إعلاء کلمة الله کا سب سے بڑا ذریعہ سپاہیانہ زندگی اور فوجی ٹریننگ ہے اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ عیش پرستی کی زندگی چھوڑ کر ایک فوجی جواں مرد بنے اور جتنا آج وہ مادی ترقیات کے پیچھے پڑا ہوا نظر آتا ہے اتنا ہی فوجی ٹریننگ حاصل کرنے کا شوقین نظر آئے، کیونکہ جو شخص خود اپنے گھر کی حفاظت نہیں کر سکتا وہ دین وملک کی حفاظت کیا کرے گا؟

دنیا میں ملٹری (MILITARY) اور سویلین (CIVILIAN) کی تقسیم علیحدہ علیحدہ ہے، لیکن اسلام میں ہر مسلمان جس طرح نماز روزے کا مخاطب ہے اسی طرح وہ جہاد کا بھی مخاطب ہے، لیکن آہ! اسلام سے غفلت کی بدولت ہماری ترقی کی راہیں اتنی مسدود ہیں کہ آج ہماری پبلک سب کی سب مسلح کر دی جائے جیسا کہ عہدِ سلف میں رہا کرتی تھی، تو شاید سب سے پہلے مسلمان کا ہتھیار مسلمان کے گھر گھر میں استعمال ہونے لگے کہ تعددِ ازدواج اور برتھ کنٹرول (BIRTH CONTROL) کے مسائل پر غور کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے یعنی مسلمانوں کی کثرت خود اپنے ہاتھوں اتنی قلت میں تبدیل ہو جائے کہ پانی اور غذا کی فراہمی کی جو مشکلات درپیش ہیں ہماری بدنصیبی سے ان کی حاجت باقی نہ رہے۔ کتنا افسوس ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم میں کا ایک ایک فرد بہادری اور طاقت میں رستم واسفندیار تھا، لیکن جب کبھی مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی نوبت آتی تو ہم ہی سب سے زیادہ نہتے اور سب سے زیادہ بزدل نظر آتے تھے، پھر جب عالم کے انقلابات نے نقشہ بدلا اور خونریزی کا بازار خود مسلمانوں کے درمیان گرم ہو گیا تو اسی دن سے ہمارا دورِ انحطاط شروع ہو گیا۔ اور بدقسمتی سے وہ انحطاط صرف ملکی نہ تھا بلکہ اس سے زیادہ دینی تھا اور آج نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہم جو کبھی مخلوقِ خدا کا بوجھ اٹھایا کرتے تھے، خود اپنا بوجھ بھی اٹھانے کے قابل نہ رہے اور اپنے دشمنوں سے بھیک مانگ مانگ کر بڑی ذلت کے ساتھ اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔

وقت اب بھی نہیں گیا ہے، اگر ہم آج بھی مل کر قرآن کریم کی آیتوں پر صحیح صحیح عمل کرنا شروع کر دیں تو ہمارے دن پھر جائیں اور ہم اسی عزت کی حیات کے مالک نظر آئیں۔

محرم کا پیغام؟

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ

چاند کی سالانہ گردش ایک بار پھر اپنا دورہ تمام کر چکی۔ اسلامی جنتری میں ''قربانی'' کا مبارک مہینہ اور مبارک دن گذر چکا۔ اور ''شہادت'' کا مبارک مہینہ اور مبارک دن آ پہنچا۔ عید قربان کا مہینہ اگر اس لیے تھا کہ آپ اپنا سب کچھ حق کی راہ میں لٹا دیں، تو محرم کا مہینہ یہ پیام لاتا ہے کہ آپ خود اپنے کو شہادت کے لئے پیش کر دیں۔ پچھلا مہینہ ''آپ سے'' مانگ رہا تھا۔ اگلا مہینہ ''آپ کو'' مانگ رہا ہے۔ دنیا کی ایک نہایت زبردست، متمدن وظالم حکومت کی کشتی حیات اسی مہینہ کی ۱۰ تاریخ کو دریائے نیل میں غرق ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام کی مظلوم قوم کو رب موسیٰ وہارون نے اسی مبارک تاریخ کو آزادی دلائی۔ اور اللہ کے کلیم نے اس ''یوم آزادی'' کی مستقل یادگار روزۂ عاشوراء کی شکل میں قائم کر دی۔ دنیا کے سب سے بڑے ہادی، سب سے بڑے معلم اور سب سے بڑے آزادی دلانے والے نے اس پاک دن کی پاک یادگار کو یہی نہیں کہ جائز رکھا ہو، بلکہ خود بھی پابندی کے ساتھ روزہ رکھا، اور اپنی امت کو بھی اس کی تاکید فرمائی۔

ہجرت نبویؐ کے نصف صدی بعد تاریخ نے پھر اپنے تئیں دوہرایا۔ اسی مہینہ کی اسی تاریخ کو، سرزمین کربلا پر، حق وباطل، ملکوتیت وحیوانیت، آزادی ملوکیت کے درمیان پھر معرکہ آرائی ہوئی۔ ایک طرف دولت تھی، حکومت تھی، سلطنت تھی، مادّی قوت تھی، شاہی خزانہ تھا، شاہی فوج تھی، ہزار سپاہیوں کا لشکر جرار تھا، قوت کا نشہ تھا، حکومت قائم کرانے کی دھن تھی، دوسری طرف غربت تھی، مسکینیت تھی، فقر وفاقہ تھا، ادائے فرض کا احساس تھا، حق پرستی کے جوش سے بھرے ہوئے چند دل تھے، دلوں کے اندر حق کی راہ میں مٹنے اور مٹ جانے کا بیتاب کر دینے والا ولولہ تھا۔ باطل کے آگے نہ جھکنے والی چند گردنیں تھیں۔ لاشیں تڑپیں اور جس خون کا ایک ایک قطرہ پروردگار عالم کی نظر میں، دونوں جہانوں کے موجودات سے زیادہ قدر وقیمت رکھتا تھا، اس کی ندیاں بہیں! اللہ کے کلیم کی امت نے سب کچھ جھیل کر عاشورۂ محرم کو اپنی آزادی حاصل کی تھی۔ اللہ کے حبیبؐ کے نواسہؓ نے خود اپنی جان نذر کر کے ابدی آزادی

وسرمستی حاصل کرلی۔

موسیٰ کلیم نے مع اپنی ساری امت کے، وطن سے بے وطن ہوکر عاشورۂ محرم کا استقبال کیا تھا۔ سرور عالم ﷺ روزہ کی عبادت کے ساتھ اس تقریب کو مناتے تھے۔ حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے عزیزوں اور فرزندوں کے ساتھ خود اپنی جان نذر کرکے اس روز سعید کی پیشوائی کی۔ اب ارشاد ہو کہ آپ کس طریقہ پر اس تاریخ کی پیشوائی کے لئے آمادہ ہیں؟ آپ آزادی کی خاطر جلاوطنی کے لئے تیار ہیں؟ آپ طاعت وعبادت، روزہ وریاضت کے خوگر ہیں؟ آپ فاسق حکومت کے ظلم وجبر کا مقابلہ اپنے گوشت اور پوست سے کرنے کی ہمت رکھتے ہیں؟ اگر خدانخواستہ یہ کچھ نہیں تو پھر یہ محرم کس کا ہے؟ بانس کی تیلیوں پر خوشنما کاغذ منڈھنا، ان کاغذی عمارتوں پر تیل بتی جلانا، ڈھول تاشہ بجانا، کیا یہی سامان، عاشورۂ محرم کے استقبال ومدارات کا ہے؟ یہ آپ کے دل کا گڑھا ہوا محرم آخر کس کا ہے؟ کیا ابراہیم خلیل کا؟ کیا موسیٰ کلیم کا؟ کیا خاتم النبیینؐ کا؟ کیا ابوبکرؓ وعمرؓ، عثمانؓ وعلیؓ کا؟ کیا حسنؓ وحسینؓ، زین العابدینؒ وجعفر صادقؒ کا؟ کیا ابوحنیفہؒ وشافعیؒ، مالکؒ واحمدؒ کا؟ کیا حسن بصریؒ وجنید بغدادیؒ، شیخ جیلانیؒ وخواجہ اجمیریؒ کا؟ آخر قرآن وحدیث، فقہ وتصوف، شریعت وطریقت، کہیں سے بھی آپ کو اس کی سند جواز ملتی ہے، کہ تاریخ اسلام کی اتنی اہم تاریخ کو آپ اس بے دردی کے ساتھ اپنی خواہش نفس کے پورا کرنے میں صرف کردیں؟

☆☆☆☆☆

(بقیہ ص:۱۹ کا)

اس لئے صحیح انداز میں دینی تعلیم وتربیت کے لئے پہلے پہل قرآنی مکاتب میں اپنے بچوں کو بھیجا جائے تاکہ تعلیم کے اعتبار سے جو سب سے پہلا نقش ان کے ذہنوں پر ابھرے وہ قرآنی آیات کا ہو، پھر اس کی روحانی برکات بچوں کی پوری زندگی پر اثر انداز ہوں گی، بزرگان دین اور امت کے مصلح حضرات کے حالات، اسلام اور دین کیلیے ان کی مجاہدانہ کوششوں کے واقعات سنائے جائیں تاکہ اسلام کی قدر و قیمت ان کے دلوں میں بیٹھے، اسلامی احکامات کی عملی مشق کرائی جائے، نمازوں کی تاکید، بڑوں کا ادب واحترام انہیں سکھایا جائے تاکہ وہ اسلامی آداب سے آگاہ ہوسکیں۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دینی تعلیم: اہمیت اور تقاضے

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی
مدیر ماہنامہ مظاہر علوم سہارن پور

علم ایک ایسا اعزاز ہے جس نے ابتدائے آفرینش ہی سے انسانیت کو معزز اور قابل صد احترام بنایا ہے، جب حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنایا گیا تو اس موقع پر ملائکہ اور رب کائنات کے درمیان مکالمہ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی برتری، اس سے علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

علم ایک زیور ہے جو انسانیت کو سجا سنوار کر حسن کائنات بناتا ہے، تہذیب وتمدن اور آداب معاشرت اور طرز معیشت کے ایسے انداز بتاتا ہے جس سے انسانیت کو معراج حاصل ہوتی ہے اور معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

علم سیکھنا اور اس کے حصول میں مسلسل کوشاں رہنا اسلامی تعلیمات کا ایک اہم جز ہے اس لیے کہ علم کے بغیر انسان اور چوپایوں میں فرق نہیں رہ جاتا، خود فراموشی کے ساتھ انسان خدا فراموشی کا مرتکب ہوتا ہے، اپنے مقصد تخلیق کی معرفت سے محروم رہتا ہے، علم آدمی کو اللہ کی معرفت عطا کرتا ہے اور اسے اس کی تخلیق کے مقصد حقیقی سے آگاہ کرتا ہے، احکام خداوندی کی مکمل پاسداری کرتا ہے تو دنیاوی فوز وفلاح اس کا مقدر بنتی ہے اور وہ زمانے میں سرخ رو ہوتا ہے، علم، تہذیب وتمدن سے آراستہ کر کے معاشرے کی تعمیر وترقی کا ذریعہ بنتا ہے، اسی لیے اسلامی تعلیمات میں حصول علم کے لئے بے شمار ترغیبی مضامین ملتے ہیں۔

خالق کائنات جل جلالہ نے انسان کو تمام مخلوقات پر شرف وفضیلت عطا کی ہے اور اسے اشرف المخلوقات بنایا ہے، ولقد کرمنا بنی آدم اور ہم نے بنی نوع انسان کو مکرم ومحترم بنایا یہ شرف وامتیاز اور یہ تکریم وتعظیم انسان کو زیور علم سے آراستہ ہونے کی بنا پر ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جس ماحول اور معاشرہ میں اسلام کی تعلیمات اور خدائی اصولوں کی مکمل

پاسداری کی گئی اور رسول اکرم ﷺ کے متعین کردہ خطوط وحدود کے اندر ہی رہ کر زندگی گذارنے کی کوشش کی گئی وہ ماحول اور معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بنا رہا، اس معاشرہ کے ہر ہر فرد کو اطمینان قلب اور ذہنی سکون میسر رہا ہے، نتیجہ میں وہ معاشرہ دنیاوی اور اخروی عروج وترقی کی مثال بنا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کا کوئی بھی عمل علم کے بغیر ناممکن ہے، کوئی قوم علم کے بغیر عزت حاصل نہیں کرسکتی، اس لیے کہ علم روشنی ہے اور جہالت اندھیرا ہے، علم ہی وہ ذریعہ ہے جس سے انسان کو عرفان الٰہی جیسی عظیم نعمت حاصل ہوسکتی ہے، علم ہی وہ چراغ ہے جس کی مدھم سے مدھم لو کو بھی دنیا بجھا نہیں سکتی، علم دین کی ضیا پاشیوں سے ہی شاہراہِ حیاتِ انسانی تابندہ و درخشاں ہوتی ہے اور انسانیت کو دنیا وآخرت کی فوز وفلاح حاصل ہوتی ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ آج اسلامی تعلیم سے منہ موڑ کر صرف اور صرف دنیوی تعلیم کے حصول میں انہماک واشتغال ہے، جو نہایت خطرناک وہلاکت خیز ہے، آج دنیوی تعلیم پر ہزاروں لاکھوں خرچ کئے جاتے ہیں، بچوں کو دنیا میں پیش آنے والے مصائب وآلام، آفت وبلیات سے بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے، اگر خدانخواستہ ذرا سی تکلیف ہو جائے تو بہتر سے بہتر ڈاکٹر اور ہسپتال کی تلاش کی جاتی ہے، بچوں کی آسائش اور ان کے آرام کے لئے نہایت مضبوط، مستحکم اور خوبصورت مکانات تعمیر کرائے جاتے ہیں، تا کہ کوئی پریشانی نہ ہو، قیمتی لباس، عمدہ بستر لذیذ کھانے اور ضروریات کی دیگر اشیا بھی بڑی فکر سے مہیا کی جاتی ہیں، لیکن صرف اس دنیائے فانی کے لیے اور آخرت کے لیے کچھ نہیں، آخر آخرت کے عذابوں سے خود کو اور انکو بچنے کے لیے کوئی فکر کیوں نہیں؟ کیا یہی اولاد سے محبت کا تقاضا ہے؟ کیا اسی کا نام پیار ہے؟ کہ دنیا میں پیش آنے والی پریشانیوں سے بچانے کی فکر تو جان جوکھم میں ڈال کر کی جائے اور لافانی اور ہمیشہ ہمیش کی زندگی میں راحت وآرام کا کوئی سامان نہ کیا جائے؟

اگر ہم نے اپنے بچوں کو دینی تعلیم نہ دی تو یاد رکھیں بارگاہ خداوندی میں جواب دینا پڑے گا حدیث پاک ہے کہ: **کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته** تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اسکی ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی) بخاری شریف

وہ اولاد جس کے لیے پریشانیاں برداشت کی گئیں، جس کی خاطر رات دن خون پسینہ ایک کیا گیا، مرنے کے بعد وہی اولاد بے عملی اور دینی تعلیم سے نابلد ہونے کی وجہ سے کام تو کیا آئے گی، بخشش ونجات کا ذریعہ کیا بنے گی، وبال جان اور باعث عذاب بن جائے گی۔

آج ہم دنیا کی فکر میں مبتلا ہو کر اپنی ذمہ داریوں سے دور ہوتے جا رہے ہیں کہ اولاد کس طرف جا رہی ہے۔ جب اولاد نافرمانی کرتی ہے تو اس وقت ہمیں احساس ہوتا ہے لیکن وقت جا چکا ہوتا ہے، اس کی دین و دنیا ہم خود تباہ کرتے ہیں۔

لہذا اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا چاہئے، وقت کی ضرورت واہمیت کے پیش نظر دنیوی تعلیم بھی دیں لیکن دنیوی تعلیم کے چکر میں اولاد کی آخرت تباہ نہ کریں. اللہ پاک ہم سب کو اپنی اولاد کو دین اور علم دین سکھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ اولاد سے محبت تو فطری ہوتی ہے، مگر اس سیہ کار کے ساتھ میرے والد محترم نور اللہ مرقدہ کی محبت، تادیب میں مستور ہو گئی تھی، یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد پر عمل تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کسی باپ نے اپنی اولاد کو حسن ادب سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دیا۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے: کوئی شخص اپنی اولاد کی تادیب کرے) حسن ادب سکھائے (یہ اس سے اچھا ہے کہ ایک صاع) یعنی ساڑھے تین سیر کھجور (صدقہ کرے۔ اس قسم کی روایات کی بنا پر ان کی نگاہ میں میری محبت، میری تادیب تھی، اس وقت تو فطری طور پر بچپن کی وجہ سے ناگواری ہی ہونی چاہئے تھی مگر اب بہت دعائیں دیتا ہوں کہ ان کی اس سختی اور شدائد کی وجہ سے آدمیوں کی صورت میں ہوں، ورنہ معلوم نہیں کن حالات میں ذلیل وخوار پھرتا۔

والدین کی سب سے پہلی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی بہترین دینی تعلیم کا انتظام کریں اور ان پر بھرپور نظر رکھیں اس لیے کہ اولاد، تربیت کے سلسلہ میں سب سے پہلا نقش والدین ہی کا قبول کرتی ہے اسی مضمون کی طرف حدیث پاک میں رہنمائی کی گئی ہے۔

کل مولود یولد علی الفطر فابواہ یھودانہ اوینصرانہ او یمجسانہ (بخاری شریف)

یعنی اولاد کی تعلیم وتربیت میں والدین کا کلیدی کردار ہوتا ہے، پیدائش سے لے کر سن شعور تک پہنچنے تک والدین کو بچوں کے سلسلہ میں اسلام نے جو تعلیمات فراہم کی ہیں ان سب سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر اولاد کی تربیت میں کوئی کمی رہ جائے گی تو مستقبل میں صرف والدین ہی نہیں بلکہ پورے معاشرے کے لیے بڑے نقصان وخسران کی بات ہوگی۔ (بقیہ ص:۱۶ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بجلی سے چلنے والی منشیات

پروفیسر ڈاکٹر گوہر مشتاق کنیکٹی کٹ (امریکہ)

حضورؐ نے اپنی احادیث میں قیامت کی جو نشانیاں بتائی تھیں ان میں یہ ذکر تھا کہ ''گھر گھر میں عورتیں ناچیں گی اور فتنہ ہر گھر میں گھس جائے گا۔'' آج ٹی وی سے زیادہ اس حدیث کا مصداق اور کوئی نہیں جس کے ذریعہ مسلمانوں میں غیر اسلامی باتیں انتہائی تیزی سے پھیلائی جارہی ہیں۔ غیر مسلموں بالخصوص یہودیوں کا ایک مخصوص ایجنڈا ہے کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلائی جائے تا کہ ان میں ایڈز کے مریض کی طرح ہر غلط چیز کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے۔

حدیث رسولؐ ہے، ''میں تمہیں دجال کے متعلق ایسی بات بتاؤں گا جو مجھ سے پہلے نبیوں نے نہیں بتائی۔ وہ یہ کہ دجال کی ایک آنکھ ہوگی۔''

غور سے دیکھیں تو ٹی وی، کیبل ٹی وی، ویڈیو کیمرہ، کمپیوٹر (انٹرنیٹ) وغیرہ اور دجال میں ایک چیز قدر مشترک ہے اور وہ ہے ایک آنکھ۔ ٹی وی اور کمپیوٹر ہی ایک آنکھ والے دجال کے ایجنٹ ہیں جو ہر مسلمان کے گھر میں گھس کر فساد پھیلا رہے ہیں۔ یہ کوئی اتفاق نہیں کہ Times Worner جو کہ فلمی کمپنی ہے اور CBS ان دونوں کا نشان ایک آنکھ ہے۔

قرآن میں شراب کے متعلق ذکر ہے کہ اس کے کچھ فائدے بھی ہیں لیکن اس کے نقصانات اس کے فائدوں سے زیادہ ہیں۔ (سورہ البقرہ۔ آیت 219) اسی لئے شراب حرام ٹھہرائی گئی۔ تو کچھ یہی حال ٹی وی کا بھی ہے۔ ہمیں یہ چیز سمجھ لینی چاہئے کہ انسانی دماغ میں باطل کو حق ثابت Retinlaize کرنے کی بے پناہ صلاحیت موجود ہوتی ہے۔

یہ درست ہے کہ ٹی وی پر تلاوت اور فہمِ قرآن کے پروگرام دکھائے جاتے ہیں۔ مگران کے

فوراً بعد بیہودہ اور لایعنی پروگرام پیش کر کے قرآن کے اثر کو فوراً زائل کر دیا جاتا ہے۔ پھر خود تلاوتِ قرآن کرنے اور ترجمۂ قرآن پڑھنے سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ ٹی وی کے پروگرام سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ آج ٹی وی دیکھنے کا ہی یہ کرشمہ ہے کہ جن مسلمانوں نے Mel Gibson کی ہالی وڈ کی حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے متعلق جھوٹی سچی فلم Passion of Christ دیکھی تو ان مسلمانوں نے فلم کے آخر میں حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر انتہائی تکلیف سے قتل ہوتے ہوئے دیکھ کر بہت آنسو بہائے بلکہ آنسو ضائع کئے حالانکہ انہی مسلمانوں نے اگر قرآن کا اردو ترجمہ پڑھا ہوتا تو وہ قرآن میں سورۃ النساء میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق پڑھتے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔ (آیۃ 157)

اور ان لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کو نہ تو قتل کیا اور نہ ہی صلیب پر چڑھایا بلکہ انہی کی صورت کے کسی دوسرے شخص کو۔

پھر اللہ نے فرمایا ''اور حضرت عیسیٰؑ کو قتل نہیں کیا گیا یقیناً بلکہ ان کو اٹھالیا اللہ نے اپنی طرف۔''

ٹی وی اور خبریں:

خبروں کے حصول کے لیے بھی ٹی وی کی افادیت محلِ نظر ہے۔ نیل پوسٹ مین Neil Postman امریکہ کا ایک بہت بڑا مفکر ہے اور یہاں کی نیویارک یونیورسٹی کے کمیونیکیشن ڈیپارٹمنٹ کا سربراہ ہے۔ اس نے اپنی کتاب How to watch TV News میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ٹی وی پر خبریں دینے کا اصل مقصد صرف لوگوں میں سنسنی پھیلانا اور اشتہارات Advertisements کا فروغ ہوتا ہے اور ریسرچ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ اخبارات پڑھتے ہیں وہ ان لوگوں کے مقابلے میں جو ٹی وی پر خبریں دیکھتے ہیں کہیں زیادہ ملکی حالات سے باخبر ہوتے ہیں۔ کیونکہ اخبار میں خبر زیادہ تفصیل سے ہوتی ہے اور صفحے پر لکھی تحریر ٹی وی کی اسکرین کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہوتی ہے۔

ٹی وی اور موسیقی:

ٹی وی پر ہر وقت موسیقی والے پروگرام دکھائے جاتے ہیں۔ حالانکہ حضورؐ نے احادیث میں

واضح طور پر موسیقی کو حرام قرار دیا مثلاً (مشکوٰۃ شریف باب الغناء) گانا بجانا دل میں منافقت کو اسی طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔

ٹی وی ڈرامے:

ٹی وی ڈرامے جن کے انتظار میں لوگ بے چین ہوتے ہیں اور اپنی روزمرہ کی خصوصاً شام کی مصروفیات کو ان ڈراموں کے اوقات کے مطابق ڈھالتے ہیں تا کہ کہیں ڈرامہ مس نہ ہو جائے، یہ ڈرامے معیارِ زندگی بلند کرنے کا درس دے کر لوگوں میں بے چینی پیدا کرتے ہیں (یعنی ہمارے پاس فلاں چیز نہیں) اور انہیں مادہ پرست بناتے ہیں، مرد اور عورت دونوں کو جاب کرتا دکھا کر گھر میں خوشحالی کا تاثر دیتے ہیں اور اپنی مذہبی روایات سے بغاوت سکھاتے ہیں۔

ٹی وی کے نقصانات......جدید سائنسی تجزیہ:

امریکہ کے ارباب فکر ونظر نے ٹی وی کے نقصانات کا سائنسی تجزیہ کر کے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ان میں نیل پوسٹ مین کی کتاب Amusing Overselves to Death، جیری مینڈر کی کتاب Four Arguments for Elimination of Television اور میری ون کی کتاب The Plug-in Drugs (یعنی بجلی سے چلنے والی منشیات) شامل ہیں۔ جیری مینڈر Jerry Mander کی تو اپنی اشتہارات کی کمپنی تھی جس کی اس نے 15 سال صدارت کی اور پھر ٹی وی کے بزنس سے توبہ کی اور گھر کا بھیدی ہونے کی حیثیت سے ٹی وی اور کمپیوٹر کی سیاہ کاریوں کے متعلق ایک تحریک شروع کی۔ اسی طرح Jane Healy ph.D ایک Educational Psychologist ہے اور اس کا اس میدان میں 35 سالہ تجربہ ہے۔ان تمام محققین کی ریسرچ کی بنیاد پر مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

ٹی وی اسکرین پر مناظر یا تصاویر Images سیکنڈ کے 30 ویں حصے سے زیادہ تیزی کیساتھ حرکت کرتے ہیں جس کی وجہ سے دماغ میں ان کو جانچنے اور پرکھنے Analyze کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور انسانی دماغ ان کی اچھائی برائی کی تمیز کئے بغیر ان کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔Passive Receptance

2. امریکہ میں اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ ایک عام امریکی شہری ہفتے میں 30 گھنٹے ٹی وی

دیکھتا ہے۔ جبکہ والدین اپنے بچوں کو روزانہ 15 منٹ سے بھی کم وقت دیتے ہیں۔ چونکہ مسلمان ممالک ہر چیز میں امریکہ کی اندھی تقلید کرتے ہیں اس لیے اس معاملے میں مسلمان والدین کا حال بھی یہی ہوگا۔

3. پچھلے 20 سالوں میں جیسے جیسے بچوں میں ٹی وی کا دیکھنا عام ہوا ہے اسی رفتار سے امتحانوں میں بچوں کی کارکردگی بد سے بدتر ہوئی ہے۔

4. ٹی وی دیکھنا چونکہ ایک Passive مشق ہے اس لئے اس کی وجہ سے لوگوں میں سستی کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے۔

5. ماہرین نفسیات کی کئی سالوں کی تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ لوگ جب ٹی وی پروگرام (ڈرامے اور فلمیں) دیکھتے ہیں تو وہ ان ڈراموں میں پیش کیے گئے حالات کو لاشعوری طور پر اپنی روزمرہ زندگی پر نافذ apply کرنے کی کوشش کرتے ہیں لوگوں میں جذباتیت کا رجحان، ایک دوسرے کیلئے غصہ اور حسد، سب کو بھڑکانے میں ٹی وی کا بہت دخل ہے۔

6. ٹی وی اور کمپیوٹر جب چلتے ہیں تو ان کی اسکرین میں سے شعاعیں Cathode, Rays نکلتی ہیں اور یہ شعاعیں ہمارے دماغوں میں پیدا ہونیوالی شعاعوں Gamma Rays پر غالب آجاتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں دماغ میں پیدا ہونے والی نیوروکیمیکلز Neuro Chemicals میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ اس کے سبب سے مہلک اثرات چھوٹے بچوں اور ماں بننے والی خواتین پر پڑتے ہیں۔ چھوٹے بچوں میں توجہ مرکوز کرنے میں کمی کی بیماری Attention Deficit Syndrome میں سب سے زیادہ دخل ٹی وی کا ہے۔ اگر بچہ والدین کو تنگ کر رہا ہو تو ٹی وی کے آگے بٹھانے سے بچہ وقتی طور پر تو چپ ہو جاتا ہے مگر اس کی قیمت بعد میں دینی پڑتی ہے۔

7. بیری سینڈر نے اپنی کتاب In the Abscence ofa Sacred میں بتایا ہے کہ کینیڈا کے ایک شہر میں ریڈ انڈین قبائل آباد تھے۔ جن کا رہن سہن مسلمان معاشرے جیسا تھا، یعنی بزرگوں کا احترام۔ وہاں کے سفید فام حکمرانوں نے ریڈ انڈین لوگوں کو اپنے جیسا بنانے کے لئے کوششیں کیں مگر ناکام رہے۔ آخر انہوں نے ان ریڈ انڈین قبائل کو مفت ٹی وی تقسیم کیے اور وہاں کے ٹی وی چینل پر اسی طرح کے پروگرام نشر کیے (جس طرح کے پروگرام

پاکستان اور دیگر ممالک میں دکھائے جاتے ہیں) پھر کیا تھا کہ 20 سالوں کے اندر اندر ریڈ انڈین قبائل کا معاشرتی نظام تباہ ہو کے رہ گیا۔ ان کے نوجوانوں میں بے راہ روی پھیلنا شروع ہوگئی اور نوجوانوں نے اپنے والدین کے خلاف بغاوت کردی۔ جو کام دوسرے ذرائع نہ کر سکے وہ ٹی وی نے بڑی کامیابی سے کر دیا۔

8. ٹی وی کی ماں یعنی کمپیوٹر کا بچوں کو سکھانا اور بچوں کا انٹرنیٹ پر Chatting کرنا ایک قابلیت سمجھی جاتی ہے حالانکہ اصل قابلیت تعلیم اور مطالعہ کتب سے آتی ہے۔ کمپیوٹر تو برطانیہ اور امریکہ میں بن مانس بھی چلا لیتے ہیں۔

ٹی وی چھوڑنا ممکن ہے؟

شروع شروع میں جب ٹی وی کو ایک بندہ چھوڑ دے تو سخت بے چینی ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا نشہ ہے جسے میری ون نے بجلی سے چلنے والی منشیات Plug-in Drug کہا ہے۔ جب کسی نشہ آور چیز کو چھوڑیں تو Withdrawl symptoms ضرور ہوتی ہیں۔ لیکن یقین جانئے کہ آپ ایک مہینہ ٹی وی چھوڑیں تو اس کے بعد آپ کا ٹی وی دیکھنے کو دل نہیں چاہے گا۔ اللہ اور حضورؐ سے آپ کو اگر محبت ہے تو ان کی خاطر اپنا وقت ٹی وی پر برباد کرنا چھوڑ دیں۔

حضورؐ نے فرمایا ہے:

من ترک شیئاللہ عوضه الله خیراً منه۔(الحدیث)

جو اللہ کی خاطر کوئی چیز چھوڑتا ہے تو اللہ اس کے بدلے میں اس سے بہتر چیز اس بندے کو عطا فرما دیتا ہے۔

ہم ٹی وی کو اپنی زندگی سے نکال دیں تو اس کے متبادل بہت سے مشغلے ہیں۔ مثلاً

1. میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلامی کتاب کو پڑھے اور دوسرا اس کو سنے۔
2. خود اسلامی کتاب یا اسلامی رسالہ پڑھنا اور جب دوسری بہنوں سے ملاقات ہو تو اس کتاب کے متعلق گفتگو Discussion کرنا۔
3. بچوں کو اسلامی کہانیاں سنانا۔ یہ بات بہت چھوٹی معلوم ہوتی ہے مگر بیسویں صدی کے عظیم سائنسدان آئن اسٹائن نے ایک مرتبہ کہا تھا: ''اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا بچہ ذہین بنے تو آپ

اسے کہانیاں سنائیں۔''

کثرت، حق کا معیار نہیں ہوتی۔ قرآن پاک میں ہے: ''ان سے کہہ دو کہ پاک اور ناپاک بہر حال یکساں نہیں ہیں خواہ ناپاک کی بہتات تمہیں کتنی کشش والی کیوں نہ معلوم ہو۔ پس اے لوگو جو عقل رکھتے ہو، اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو۔'' (المائدہ)

جب ۱۲۵۱ء میں تاتاریوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا تو اس وقت لگتا تھا کہ اب اسلام نہیں اٹھ سکے گا لیکن اس حادثے میں جو خواتین زندہ بچ گئیں انہی کی کوششوں سے وحشی تاتاریوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آج پھر اسلام کو ایسی خواتین کی ضرورت ہے۔

مسلم خواتین کو چاہئے کہ وہ ٹی وی پر وقت ضائع کرنے کی بجائے گھر میں درسِ قرآن کا اہتمام کریں۔ اپنے بچوں کو صحابہ کرامؓ اور مسلمان علماء (مثلاً امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابن تیمیہؒ، امام غزالیؒ) کی سوانح عمریاں سنائیں۔ یہ بات ہمیں بہت چھوٹی نظر آتی ہے لیکن سوانح عمریوں کے بچوں اور نوجوانوں کے ذہنوں پر بہت گہرے نقوش پڑتے ہیں۔ مشہور امریکی سائیکالوجسٹ Scott Peck نے اپنی کتاب The Road Less Travelled میں لکھا ہے کہ بچوں اور نوجوانوں پر سوانح عمریوں کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے کیونکہ وہ غیر شعوری طور پر کسی نہ کسی Role Model کو ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں۔ جب ہم اپنے بچوں کو اسلامی رول ماڈل مہیا نہ کریں تو بچے اپنی ذہنی ضرورت کی وجہ سے ٹی وی یا فلموں سے کسی ایکٹر کو یا کسی کھلاڑی کو اپنا رول ماڈل بنا لیتے ہیں اور پھر اسی کی طرح بننے میں اپنی صلاحیتیں لگا دیتے ہیں۔ اللہ ہم سب کو ایک آنکھ والے دجالی فتنے سے بچائے یعنی ٹی وی، ڈش، کیمرہ، کمپیوٹر، انٹرنیٹ وغیرہ سے۔ آمین

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''احسان'' کا وسیع مفہوم

مولانا ضیاءالدین صاحب قاسمی ندوی مدظلہ

فلاں کا مجھ پر بڑا احسان ہے، میں آپ کا احسان مند ہوں، فلاں احسان فراموش ہے، یہ وہ مروجہ جملے ہیں جو روزمرہ کی زندگی میں ہم آپ سنتے ہیں، بولتے ہیں، مگر احسان کا جو مفہوم ہمارے ذہن ودماغ میں رچابسا ہے وہ بہت ہی محدود ہے۔ مثال کے طور پر کسی نے مصیبت کے وقت کسی مصیبت زدہ شخص کی مالی مدد کردی یا کسی مشکل معاملہ میں معاونت کردی اور اس کا کام بنادیا تو عام طور پر مذکورہ بالا جملے استعمال کئے جاتے ہیں، اسی طرح احسان فراموش ایسے شخص کے بارے میں بولا جاتا ہے جو اپنے محسن کا بدلہ ناقدری اور برائی سے دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے احسان اور محسن کے لفظ کو قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر ذکر فرمایا ہے اور آیات کریمہ کے سیاق وسباق سے ان الفاظ کی اہمیت وعظمت اور وسعت وگہرائی کا اندازہ اہل علم کو خوب اچھی طرح سے ہوتا ہے خاص کر جو حضرات قرآن کریم کے معانی ومطالب پر غور وفکر کرتے ہیں اور عربی زبان سے واقفیت رکھتے ہیں۔

ضرورت ہے کہ ہم احسان کے مفہوم کی وسعت وگہرائی کو جانیں اور اس کے ہمہ جہت معانی کو عملی شکل میں برتنے کی فکر کریں، کیونکہ اعمال صالحہ میں احسان کا سب سے بلند درجہ ہے، بغیر احسان کے ہماری زندگی کا کوئی چھوٹا بڑا عمل بارگاہ رب العلیٰ میں شرف قبولیت سے محروم رہے گا، اللہ رب العزت کے دربار میں محسنین کا ہی سب سے اونچا مقام ہے اور قرآن اسی کی ہم کو تاکید کرتا ہے، اس لئے کہ احسان کا تعلق زندگی کے ہر گوشے اور ہر شعبے سے ہے، خالص اللہ کی رضا جوئی کے جذبہ سے کسی عمل کو انجام دینا اس یقین کامل کے ساتھ کہ اللہ ہمارے عمل کو دیکھ رہا ہے اور اس کی رحمت کا سایہ محسنین پر ہمہ دم رہتا ہے۔ سورہ یوسف میں ہے:

نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَآءُ وَلَا نُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (آیت:۵۶)

اپنی رحمت سے ہم جسے چاہیں نوازتے ہیں اور محسنین کا اجر کبھی ضائع نہیں کریں گے۔

اور ذرا درج ذیل آیت میں محسنین پر ہونے والی نوازش کا وعدہ اور بشارت کا پیار بھرا انداز ملاحظہ فرمائیں:

وَاَقِمِ الصَّلاَةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذٰلِکَ ذِکْرَی لِلذَّاکِرِيْنَ (سورہ ہود:۱۱۴)

دن کے دونوں طرف اور رات کے ایک حصہ میں نماز قائم کیجئے ، بے شک اچھائیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں ۔ یہ نصیحت ہے یاد رکھنے والوں کیلئے ، بے شک اللہ احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔

قرآن کریم کے علاوہ احادیث میں بھی اس کا ذکر بار بار آیا ہے، اسلام، ایمان اور احسان کا جامع تعارف حدیث جبریل میں آیا ہے جس میں حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک سائل بن کر سوال کیا اور آپ ﷺ نے جواب دیا۔

فأخبرني عن الاحسان؟ قال: أن تعبد الله كأنک تراه فان لم تکن تراه فانه يراک ۔ مجھے احسان کے بارے میں بتایئے، آپؐ نے فرمایا تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ حالت نہ ہو سکے تو یہ کیفیت ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اخلاص نیت اور ہر حال میں اللہ کا استحضار یہی عبادت کی اصل روح بلکہ زندگی کا ہر لمحہ اسی سے عبارت ہو، اسی کا نام بندگی ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جبریل امین اور رسول امین کے درمیان سوال وجواب کے ذریعہ اللہ نے جو سبق پڑھایا تھا، صحابہ کرام نے اپنی زندگی کو اسی سانچے میں ڈھال لیا تھا، اسی کا نام کمالِ ایمان ہے، وہ صرف اور صرف اللہ کے لئے زندگی گزارتے تھے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اخلاص نیت اور احسان واستحضار کی کن بلندیوں پر تھے اس کو سمجھنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہوگا۔

حضرت ابوطلحہ انصاریؓ مدینہ کے مالدار و خوش حال صحابہ میں سے تھے، ان کا کھجور کا ایک بڑا باغ تھا، انتہائی گھنا اور سرسبز و شاداب، جس میں چھ سو پھل دار درخت تھے، یہ حضرت ابوطلحہ کو بہت محبوب تھا، ایک روز اپنے اسی باغ میں نفل نماز پڑھ رہے تھے، اسی دوران ایک پرندہ اندر آ گیا، اب باغ سے باہر نکلنے کے لئے چکر لگانے لگا، درختوں کی شاخیں اور پتے آپس میں اس قدر ایک دوسرے میں ملے

ہوئے تھے کہ اس کو گھبراہٹ میں راستہ نہیں مل رہا تھا، چند لمحوں کے لئے حضرت ابوطلحہ کا دھیان اللہ کی طرف سے ہٹ گیا اور پرندہ کی حالت پر غور کرنے لگے کہ واہ میرا باغ اتنا گھنا ہے کہ پرندے کو راستہ نہیں مل رہا ہے، اچانک ان کو اپنی غفلت کا احساس ہو گیا، حالت غیر ہو گئی کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں اور باغ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ نماز پوری کر کے سیدھے دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے، پورا واقعہ حضور ﷺ سے بیان کر کے فرمایا حضور میرے باغ نے مجھ کو اللہ سے غافل کر دیا، لہٰذا اس کا کفارہ یہی ہے کہ میں باغ کو اللہ کے لئے صدقہ کر دوں۔

یہ تھی أن تعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه ۔ والی صحابہ کرام کی عملی زندگی، کہ جو چیز راہِ خدا میں رکاوٹ بن جاتی تھی اس سے فوراً چھٹکارا حاصل کرنے میں ہی خیر سمجھتے تھے اور احسان کی یہی کیفیت کم وبیش حسب مرتبہ تمام صحابہ کے اندر کارفرما تھی، کیونکہ وہ امام کائنات، معلم انسانیت ﷺ کے تربیت کردہ تھے، لہٰذا احسان واخلاص ان کا شعار تھا۔

احسان ،احسن یحسن سے مصدر ہے، جس کا مطلب ہے کسی کام کو اس کے تمام ضابطوں اور قاعدوں کا لحاظ کرتے ہوئے عمدہ سے عمدہ طریقہ پر پورا کرنا، کھوٹ، ملاوٹ اور کمی کا کوئی تصور اس میں نہ پایا جائے، اس اعتبار سے احسان کا مفہوم ہر دُنیوی واُخروی کام میں پایا جاتا ہے، مثلاً اگر آپ تاجر یا کاریگر ہیں تو تجارت میں دھوکہ دینا، عیب کو چھپانا، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، یہ سب حرکتیں تجارت کے اصول کے خلاف ہیں، ایسی تجارت پر کسی اجر وثواب کا کوئی خیال دل میں نہ لائیں اگرچہ دنیاوی ومادی فائدہ آپ کو وقتی طور پر ضرور محسوس ہوگا لیکن انجام کار یہ مادی نفع بھی ایک زبردست خسارے میں تبدیل ہو جائے گا، جب امانت دار سچے تاجر کا درجہ اتنا بلند ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: **التاجر الامين الصدوق مع النبيين والصديقين والشهداء** (ترمذی وابن ماجہ) سچ بولنے والا ایمان دار تاجر انبیاء وصدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ ایک بہت بڑے تاجر بھی تھے اور دور دراز تک ان کی تجارت پھیلی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ انھوں نے کپڑے کا ایک تھان اپنے ایک کارندے کو فروخت کرنے کیلئے دیا اور فرمایا کہ دیکھو اس تھان میں فلاں عیب ہے جس کو فروخت کرنا اس کو عیب پر مطلع کر کے معاملہ کرنا تاکہ دھوکہ نہ ہو، اتفاق ایسا کہ فروخت کے وقت وہ عیب بتانا بھول گیا، خریدار بھی کوئی اجنبی آدمی تھا وہ تھان لیکر چلا گیا، ایجنٹ نے جب تھان کی رقم حوالے کی تو امام صاحب نے اس سے پوچھا کہ عیب کے بارے میں

خریدار کو بتایا تھا یا نہیں؟ اس نے کہا کہ میں تو بھول گیا تھا، امام صاحب نے پوری رقم صدقہ کر دی، یہ تھا احسان کا وہ بلند مقام اور احتیاط کا عظیم پہلو جس نے امام ابوحنیفہ کو امام اعظم بنا دیا۔

کیا آج ہم کسی مسلمان تاجر سے اس قسم کی امانت داری وراست بازی کا تصور کر سکتے ہیں؟ انھیں محسنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَهُمْ مَا يَشَآءُ وْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ (سورۃ الزمر:۳۴)

ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہ چیز ہے جسے وہ چاہیں، یہی نیکوکاروں کا بدلہ ہے۔

محسنین صرف اللہ کیلئے جیتے اور مرتے ہیں، اللہ کی ذات ہی ان کا مقصود ومطلوب ہے، وہ جنت کے طالب بن کر عبادت نہیں کرتے بلکہ اللہ کے طالب ہوتے ہیں، جب اللہ ان کو مل گیا تو سب نعمتیں ان کو مل گئیں۔ ان کے پیش نظر صرف اور صرف اللہ کی ذات ہوتی ہے۔

اللہ کا استحضار اور اسی کیلئے زندگی کی ہر عبادت احسان کا حقیقی مفہوم ہے پھر ہمارے عمل میں عبدیت کی شان پیدا ہوگی جو اللہ کو مطلوب ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: **هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ** (سورہ رحمٰن: ٦٠) احسان کا بدلہ احسان ہے۔ ہم کو یہ آیت غور وفکر کی دعوت دیتی ہے جس رحمٰن ورحیم اللہ نے ہم پر بے شمار احسانات فرمائے، ہماری ولادت سے لیکر وفات تک اس کے انعامات واحسانات کی بارش ہم پر ہوتی رہتی ہے، اس محسن حقیقی کا ہم پر کیا حق ہے، جب انسان کسی انسان پر معمولی سا احسان کر دیتا ہے تو امید لگائے رہتا ہے کہ وہ ہمارے احسان کی قدر کرے اور احسان فراموش نہ بنے، اور اللہ تعالیٰ بھی یہی فرما رہے ہیں محسن کے احسان کا بدلہ احسان سے دو، تو پھر ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی عبادات وطاعات میں احسان کی وہی کیفیت پیدا کریں جس کی طرف حدیث شریف میں رسول اکرم ﷺ نے فرمائی ہے۔ لہٰذا ہماری نماز، ہمارا روزہ، ہمارا حج اور ہماری ہر قسم کی جانی ومالی عبادت ہمارا سارا نیک عمل صرف رضائے الٰہی کیلئے ہونا چاہئے، اور ہم احسان کے وسیع تر معانی ومطالب کو اپنے ذہن میں تازہ رکھیں، اسے صرف مالی تعاون اور مصائب ومشکلات میں مدد تک محدود نہ کریں بلکہ اس کی روح پر غور وفکر کریں اور عمل کریں، اللہ تعالیٰ نے محسنین کے اجر کے بارے میں فرمایا ہے: **وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْن** (سورۃ الزمر: ۳۵) ہم ان کو ان کے بہترین عمل کا ثواب عطا کریں گے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کریمانہ

مولانا عبدالعظیم صاحب قاسمی (ناظم مدرسہ ہذا)

خالق کائنات نے جب انسانوں کی تخلیق کی تو اسے عقل وشعور اور فہم وفراست کی دولت بے بہا سے بھی نوازا تاکہ وہ حق وناحق کے درمیان تمیز کر سکے اور ہدایت وضلالت کو سمجھ سکے، اور ایسی راہ کو اختیار کرے جو اس کے خالق ومالک کی مرضی ومنشا کے مطابق ہو۔ پھر مزید کرم یہ فرمایا کہ انسانوں کی رہنمائی کے لئے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ یہ انبیائے کرام اللہ کے خاص اور منتخب بندے تھے جن پر اللہ نے وحی نازل فرمائی، عمدہ تعلیم وتربیت اور اخلاقِ فاضلہ سے نوازا۔ اور سب سے اخیر میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو سارے جہاں کے لئے رسول ونبی بنا کر مبعوث فرمایا، سب سے اعلیٰ اخلاق کا حامل بنایا اور تمام عمدہ خصائل کا جامع بنا کر آپ کو وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (سورۃ القلم:۴) کی سند عطا فرمائی، اور آپ کی زندگی کو انسانیت کے لئے نمونہ بنایا۔ ارشاد ربانی ہے: لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (سورۃ الاحزاب:۲۱)

آپ ﷺ نے دنیا والوں کے سامنے وہ اخلاق کریمانہ پیش کئے ہیں کہ تاریخ انسانیت اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، یہاں اختصار کے ساتھ آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ اور صفات حمیدہ کو پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

قرآن کریم کی آیات اور ذخیرۂ احادیث آپ کے فضائل وشمائل اور خصائل حمیدہ سے بھرے پڑے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنوں، غیروں، مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں، غلاموں، باندیوں، غریبوں، امیروں ہر ایک سے کس بلند اخلاق سے پیش آتے تھے۔

بچوں کے ساتھ حسن اخلاق:

دیکھئے آپ ﷺ نے بچوں کے ساتھ کیسی شفقت کا معاملہ اور پیار ومحبت کا نمونہ پیش کیا ہے:

آپ ﷺ بچوں کے ساتھ بے انتہا شفقت فرماتے تھے، جو بچے قریب آتے آپ ان کو گود میں لیتے اور بڑی محبت سے کھلاتے، کبھی بچے کے سامنے اپنی زبان مبارک نکالتے جس سے بچہ خوش ہو جاتا، کبھی لیٹے ہوتے تو اپنے قدموں کے تلووں پر بچے کو بٹھا لیتے اور کبھی سینہ اطہر پر بٹھا لیتے خصوصاً یتیموں کے ساتھ اور بھی محبت کا معاملہ فرماتے۔'' یہ تھی آپ کے اخلاق کی بلندی۔

خادموں کے ساتھ حسن سلوک:

دنیا کی کسی بھی قوم کی تاریخ پڑھ جایئے اور اس قوم کے رؤسا، امراء اور دولت مندوں کی سوانح حیات کا مطالعہ کر جایئے آپ کو یہی ملے گا کہ امراء نے ہمیشہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ ظلم وزیادتی اور ناانصافی کا معاملہ کیا ہے حتیٰ کہ جبر وتشدد سے کام لیا ہے، آج بھی بہت ساری قوموں کے حالات کچھ ایسے ہی ملیں گے، مگر دیکھئے کہ محمد عربی ﷺ نے غلاموں، کمزوروں اور ماتحتوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''میں آٹھ برس کا تھا جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور برابر دس برس تک خدمت نبوی میں رہا مگر اس طویل مدت میں کبھی ایک مرتبہ بھی آپ ﷺ نے اُف تک نہیں کہا اور نہ یہ فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا؟ اور وہ کام کیوں نہ کیا۔'' (تاریخ اسلام اکبر شاہ)

یتیموں کے ساتھ حسن سلوک:

اسلام کی آمد سے قبل روئے زمین پر یتیموں اور بے کسوں کا کوئی حامی ومددگار نہ تھا، ان بیچاروں کو اپنی زندگی جینے کا کوئی حق نہ تھا، مگر جب آپ رحمت عالم بن کر اس دار فانی میں تشریف لائے اور نبوت کے بلند مرتبہ منصب ومقام پر فائز ہوئے تو آپ نے جہالت کی رسموں کا خاتمہ فرمایا، اور سماج کے ان دبے کچلے لوگوں کو ان کا حق دلایا اور ان کے ساتھ بہترین اخلاق کا نمونہ پیش کیا۔

مدینہ کی گلیوں میں چھوٹے چھوٹے بچے نئے کپڑے پہنے عید کی خوشیاں منا رہے تھے، بچوں کے جھرمٹ میں ایک بچہ بے حد غمگین اور اداس بیٹھا تھا، حسرت ویاس کے آثار اس کے معصوم چہرے پر نمودار تھے، آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے، میلے کچیلے کپڑے پہنے نہ جانے وہ کیا سوچ رہا تھا، تاجدارِ مدینہ یہ منظر دیکھ کر بے قرار ہو گئے، اس بچے کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: پیارے! ننھے منے بچے کھیل کود رہے ہیں اور عید کی خوشیاں منا رہے ہیں آخر تجھ کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ تو بتا تو کون ہے؟ بچے نے کہا یا رسول اللہ ''أنـا يتيم'' میرے ماں باپ زندہ نہیں ہیں، اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے، کس پر ناز

کروں پھر عید کی خوشیاں مناؤں، رحمت عالم ﷺ کا دل یہ سن کر پارہ پارہ ہوگیا، آپ بے چین ہوگئے، بچے کا ہاتھ پکڑا اور گھر لے گئے، حضرت عائشہ سے فرمایا اسے نہلاؤ اور نئے کپڑے پہنا کر عطر لگا دو اور فرمایا: پیارے! آج سے محمد تیرا باپ اور عائشہ تیری ماں اور فاطمہ تیری بہن اور حسن تمہارے بھائی ہیں۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ حسن سلوک:

مرد اور عورت دونوں کی تخلیق اللہ رب العزت نے فرمائی، پھر ان دونوں کے ذریعے ابن آدم کا سلسلہ چلایا، اللہ کے نزدیک مرد و عورت دونوں برابر ہیں، ان کے اعمال ہی اللہ کے تقرب اور دوری کا باعث بنتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت عطا فرمائی، انھیں نگراں اور قوام بنایا اور عورتوں کو مردوں کے تابع بنایا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنایا ہوا قانون ہے اس کی طرف سے مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، جب تک مرد عورت حدود کے اندر رہتے ہیں معاشرے کا اعتدال اور توازن برقرار رہتا ہے اور جب مرد و عورت میں سے کوئی ایک صنف بھی اپنی حد سے تجاوز کرتی ہے تو معاشرے کے اندر بگاڑ شروع ہوجاتا ہے، بے حیائی و فحاشی، ظلم و ستم اور حق تلفی کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، جو معاشرے کی تباہی و بربادی کا سبب بنتا ہے۔

اسلام کی آمد سے پہلے عورتوں کو سماج کا سب سے کمزور و کمتر عنصر سمجھا جاتا تھا، اور ان کو جانوروں سے بھی بدتر خیال کیا جاتا تھا اور ان پر ہر ظلم کو روا سمجھا جاتا تھا اسلام نے اس ظلم و ستم پر روک لگائی اور انھیں ان کے حقوق عطا کئے اور جس عزت و احترام کی یہ مستحق تھیں وہ سب عطا کیا۔ جناب نبی کریم ﷺ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی، خود بھی اس کو عملاً برت کر دنیا کو دکھایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں عورتوں کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہوں۔'' نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ''حضور ﷺ کا معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد اپنی سب ازواج کے گھروں میں جاتے اور ان کی خیریت اور دیگر احوال دریافت فرماتے، اور رات کو اسی کے گھر رہتے جس کی باری کا دن ہوتا۔''

ازواج مطہرات کسی چیز کی خواہش کرتیں اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہ ہوتی تو آپ ﷺ اس کو پورا فرماتے، ہر حالت میں ان کی خیر خواہی اور دلجوئی فرماتے۔ حضرت عائشہ سے آپ کو بہت تعلق خاطر تھا، وہ پانی پیتیں تو آپ برتن لے لیتے اور ان کے لب کی جگہ اپنا لب مبارک رکھتے، وہ

ہڈی سے گوشت کھاتیں تو آپ ہڈی لے لیتے اور ان کے لب کی جگہ اپنا لب مبارک رکھتے ، ان کی گود کو تکیہ بناتے اور گود میں سر رکھ کر قرآن پڑھتے ۔

مسلمانوں کے درمیان جب تک یہ تعلیم نبوی اور اسوۂ رسول کا اثر رہا معاشرہ عدم توازن کا شکار نہیں ہوا، جب یہ تعلیمات محو ہوگئیں اور مسلمانوں نے غیروں کی روش اپنانی شروع کر دی ، روشن خیالی ، آزادی نسواں اور مساوات کے کھوکھلے نعروں نے مسلمانوں کے ذہنوں کو الٹ پلٹ دیا اور دجال کے پجاریوں نے انسانوں کو ایسے ایسے حسین خواب دکھائے جس کی تعبیر ہی بے حیائی و بے غیرتی اور عدم مساوات سے عبارت تھی ، جس کا ادراک اب خود نعرہ لگانے والوں کو بھی ہونے لگا۔ مغرب کی اس اندھی تقلید نے معاشرے کا سکون غارت کر دیا ہے، موجودہ صورتحال کو دیکھتے ہوئے یہ احساس ہونے لگا ہے کہ جاہلیت اپنی تمام تر خرابیوں کے ساتھ جدید لبادے میں نمودار ہوگئی ہے۔قدیم ہندو میں جو چیزیں رائج تھیں وہ سب نئی نئی صورتوں میں مزید خرابیوں کے ساتھ ظاہر ہو رہی ہیں ، انتہائی افسوس کا مقام یہ ہے کہ مسلمان جو حامل قرآن وسنت کہلاتے ہیں ، وہ بھی سیلاب مغرب میں بہے جا رہے ہیں اور جو زیادہ روشن خیال اور دانش مند سمجھے جاتے ہیں وہ تو اس بے دانشی پر فخر بھی کرتے ہیں ۔**یا للعجب ویا أسفا** جب کہ اس کا علاج جیسے پہلے اسوۂ نبوی میں تھا اب بھی اسی میں ہے، کاش یہ لوگ عقل وشعور سے کام لیتے ۔**فاعتبروا یا أولی الابصار**

☆☆☆☆☆

بقیہ ص: ۳۵ کا

اسی طرح سے مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنے بچپن کے حالات ذکر کرتے ہوئے کتابوں سے وابستگی کی داستان رقم کرتے ہیں:

''لوگ لڑکپن کا زمانہ کھیل کود میں بسر کرتے ہیں مگر بارہ تیرہ برس کی عمر میں میرا یہ حال تھا کتاب لے کر کسی گوشہ میں جا بیٹھتا اور کوشش کرتا کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہوں۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس شخصیت نے بھی صفحۂ عالم پر اپنے گہرے نقوش ثبت کئے ہیں ، عزت وشہرت کی بلندیوں کو طے کیا ہے، اور آج ایک عالم ان سے مستفید ہو رہا ہے، ان میں سے ہر ایک انھیں کتابوں کی زلف گرہ گیر کا اسیر رہا ہے، اور اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتابوں کی اہمیت وافادیت

مولانا شفیع اللہ قاسمی، پھر یہا، اعظم گڈھ

کتابوں کی اہمیت وافادیت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے، یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے جسے ہر دوراور ہر زمانے میں تسلیم کیا جاتا رہا۔کتابیں ایک ایسا بحر بیکراں ہوتی ہیں جس کی تہہ میں بے شمار لعل وجواہر اور درِ بے بہا پوشیدہ ہوتے ہیں،جس کے ذریعہ اپنی حیاتِ مستعار کو آراستہ وپیراستہ کیا جاتا ہے،تہذیب وتمدن اور ثقافت وحضارت کا بیشتر حصہ سر کیا جاتا ہے،اسی سے انسان کا شعور بالیدہ اور اس کی عقل وفہم میں پختگی پیدا ہوتی ہے،اسی لئے ارسطو سے جب پوچھا گیا کہ وہ کسی انسان کے بارے میں کیسے کسی نتیجے پر پہونچتے ہیں،تو جواب سنئے جو ہے تو بڑا سادہ لیکن بہت ہی معنی خیز اور وسیع مفہوم کا حامل ہے۔وہ کہتے ہیں کہ پہلے میں پوچھتا ہوں کہ کتنی کتابیں پڑھی ہیں اور کن کن موضوعات پر پڑھا ہے؟ کیا ہی سچا پیمانہ بتایا کہ جس کے پاس کتابیں نہیں ہیں جو کتابوں کی دنیا سے الگ تھلگ ہے وہ ثقافت سے بھی خالی ہے، ذہانت وذکاوت سے بھی خالی ہے لذت فکر اور سامان عقل سے بھی عاری ہے،اسی پر بس نہیں بلکہ کتابیں ایک بہترین اور باوفا دوست ہیں،عربی کا مشہور شاعر متنبّی کہتا ہے

خیر الجلیس فی الزمان کتاب (زمانے میں سب سے بہترین دوست کتاب ہے)

یہ ایسی باوفا ہیں کہ حسرت وغم، رنج والم اور خوشی ومسرت ہر حال میں آپ کے پاس رہتی ہیں، یہ کتابیں علم کا ذریعہ ہیں، مینارہ علم ونور ہیں، جس کا سرا آسمان سے زمین تک جڑا ہوا ہے، یہ جہاں بابِ رزق ہیں وہیں قلوب کی صفائی اور گداز گی کا سبب بھی ہیں، یہ ایسی شان کی حامل ہیں ان کے نزدیک امیری،غریبی کوئی معنی نہیں رکھتی، یہ ہر ایک کیلئے مفید اور نفع بخش ہیں ہر عمر کے لوگوں کے ذہن وعقل اور طبائع کے لئے دلچسپی کا سامان ہیں، اگر اس سے لوگ دنیا میں عبرت ونصیحت حاصل کرتے ہیں، اور یہ قصص وواقعات کے ذریعہ ماضی کا آئینہ دکھا کر مستقبل کی راہ ہموار کرتی ہیں اور اپنے ظاہر

وباطن کو درست اور مصفّٰی ومجلّٰی کرنے کا موقع بھی فراہم کرتی ہیں۔تو دوسری طرف اس کا سرا آسمانوں سے بھی جاملتا ہے اور وہ مخلوق کا اس کے خالق سے بہت مضبوط رشتہ فراہم کرتی ہیں۔انسان کے اخلاق وکردار کو پختہ اور مضبوط بناتی ہیں، یہ علم وحکمت کے گل بوٹے کھلاتی ہیں، ادب جیسے زیور سے سجاتی ہیں، تنہائی کی بہترین رفیق ہیں، روح کی بہترین غذا ہیں۔کیا آپ کو معلوم ہے کہ معروف اسکالر البیرونی نے اپنا رشتہ کتابوں سے ایسا جوڑا تھا کہ زندگی میں سوائے دوراتوں کے کبھی بھی یہ کتابیں اس سے جدا نہ ہوئیں، ارسطو ہوں یا افلاطون، یحیٰی اندلسی ہوں یا بقی بن مخلد، بوعلی سینا ہوں یا فارابی، کارل مارکس ہوں یا میکالے یا اور بھی دوسرے نامور مصنفین ومورخین چاہے وہ عہدِ قدیم سے تعلق رکھتے ہوں یا دورِ جدید سے، جس کسی کا بھی نام اس جہاں میں روشن وتابندہ ہوا اور شہرت وناموری اور عزت ورفعت کی بلندیوں پر پہونچے وہ انھیں کتابوں کی دین ہے۔

کتابیں کیا ہیں؟ یہ دوسروں کے تجربات سے مستفید ہونے اور کارآمد معلومات اخذ کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں، یہ تخلیق وایجادات کی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتی ہیں، افکار وخیالات کی بالیدگی اور شعور کی پختگی میں مدومعاون ثابت ہوتی ہیں، دل ودماغ پر ضرب لگاتی ہیں، خوابیدہ جذبے میں لرزش، سوئی ہوئی امنگوں میں جنبش اور انسان کے اندر دبی ہوئی چنگاری کو شمع فروزاں میں بدل دیتی ہیں۔ یہ کتابیں گھر بیٹھے دور دراز ملکوں کا سفر کراتی ہیں، مثلاً اگر آپ کو اندلس کے متعلق کسی بھی طرح کی معلومات چاہئے تو مولانا محمد تقی عثمانی کا سفرنامہ ''اندلس میں چندروز'' پڑھئے، عالم اسلام سے متعلق کچھ معلوم کرنا ہوتو ''جہانِ دیدہ'' پڑھئے۔مورخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوریؒ جو ایک معمولی قصبے میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے جیسے ایک عام قصباتی اور دیہاتی لڑکا ہوتا ہے لیکن جب انھوں نے کتابوں سے اپنا رشتہ استوار کیا تو دنیائے علم وتحقیق میں اپنی ایک مثال چھوڑ گئے، اور ساری دنیا نے ان کو تسلیم کیا اور مختلف اعزازات کے ذریعہ ان کہ عزت افزائی کی گئی۔ انھوں نے ان کتابوں کی بدولت اپنے گھر جامع ازہر، جامع زیتون، جامع قرطبہ اور مدرسہ نظامیہ ومدرسہ مستنصریہ بنادیا۔تنگی وعسرت کے باوجود کتابوں کے غیر معمولی ذوق وشوق کی وجہ سے ''**ہروقت بغداد وبخارا، اندلس وغرناطہ، اور عالم اسلام کی قدیم مشہور درسگاہیں اور ان کے اساتذہ وتلامذہ کے مناظر سامنے رہتے تھے اور میں ان کے حسنات وبرکات سے مستفیض ہوتا رہتا تھا۔**'' (ماہنامہ ضیاء الاسلام قاضی اطہر مبارکپوری نمبر)

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا   روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد

بقیہ ص: ۳۳ پر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسانیت وہمدردی اور حسن سلوک
اسلام کی نظر میں

مولانا محمد احمد قاسمی، مدرسہ تعلیم الاسلام جامع مسجد اعظم گڈھ

حسن خلق، صلہ رحمی اور انسانیت ومروت کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے، انسان ہونے کی حیثیت سے ایک انسان کے دوسرے انسان پر کچھ حقوق وفرائض ہیں جن کی بجا آوری کے بغیر ایمان کے اندر کمال نہیں حاصل ہوسکتا، مومن کامل بننے کیلئے ضروری ہے کہ سارے انسانوں کی بھلائی اور خیر خواہی کا جذبہ دل میں موجود ہو۔ ان حقوق وفرائض سے عہدہ برآ ہونا ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔

قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے:

وقولوا للناس حسناً اور لوگوں سے اچھی بات کہو

لوگوں سے اچھی بات کہنا اور اچھائی سے پیش آنا انسانیت کا فرض ہے جس میں کسی دین ومذہب کی تخصیص نہیں، دین ومذہب اور نسل وقومیت کا اختلاف اس منصفانہ برتاؤ سے باز نہ رکھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

لاتباغضوا ولاتحاسدوا ولاتدابروا وکونوا عباد اللہ اخواناً (بخاری)

آپس میں ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو اور سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

اس حدیث مبارک میں انسانی برادری کا وہ نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اگر اس پر سچائی سے عمل کیا جائے تو یہ شر وفساد سے بھری ہوئی دنیا دفعۃً جنت نشان بن جائے۔

عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ أنہ سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن افضل الایمان قال أن تُحِبَّ لِلّٰہ وتبغض للّٰہ وتعمل لسانک فی ذکر اللہ وماذا یارسول؟ قا؛ وأن تُحِبَّ للناس

ماتحب لنفسک وتکرہ لھم ماتکرہ لنفسک۔(معارف الحدیث، ج:۶،ص:۱۳۹)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ ایمان کا افضل درجہ کیا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: یہ کہ تمہاری محبت ومؤدت اور تمہاری نفرت وعداوت بس اللہ کے واسطے ہواور تمہاری زبان اللہ کے ذکر میں استعمال ہو۔معاذؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ: اس کے علاوہ اور کیا یارسول اللہ؟ تو آپؐ نے فرمایا: اور یہ کہ سب لوگوں کے لئے وہی چاہو اور وہی پسند کرو جو اپنے لئے چاہتے ہو اور پسند کرتے ہو، اور اس چیز اور اس حالت کو سب لوگوں کے لئے ناپسند کرو جس کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔

حدیث پاک کے اندر''ناس'' کا لفظ آیا ہے جو عام ہے، اس میں تمام انسان داخل ہیں، مسلم وغیر مسلم ہر ایک کو شامل ہے، ہر ایک کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا اسلامی فریضہ ہے، اس حدیث کی تعلیمات پر عمل کرنا کمالِ ایمان کی دلیل ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا:

لایؤمن أحدکم حتیٰ یحب للناس مایحب لنفسہ وحتیٰ یحب المرء لایحبہ الا للہ عزوجل (مسند احمد ج:۶،ص:۲۷۲)

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اور لوگوں کے لئے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور جب تک وہ آدمی سے صرف خدا تعالیٰ کے واسطے پیار ومحبت نہ کرے۔

اس فرمان نبوی سے معلوم ہوا کہ یہ تمام انسانی برادری کو شامل ہے، اس کا تعلق صرف مسلمانوں سے نہیں ہے بلکہ اس میں مسلم وغیر مسلم سب شامل ہیں، اس کے بغیر ایمان میں کمال نہیں پیدا ہوسکتا، اس کی پابندی نہ کرنے والا شخص مومن کامل نہیں ہوسکتا۔

قرآن وحدیث میں پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم ہے، پڑوسی میں کوئی قید اور تخصیص نہیں ہے، پڑوسی چاہے جیسا بھی ہو، جس مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اس کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کرنا ہے، اس کے دکھ سکھ میں شریک ہونا ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ واللہ لایؤمن واللہ لایؤمن واللہ لایؤمن قیل من یارسول اللہ؟ قال الذی لایأمن جارہ بوائقہ (متفق علیہ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، صحابہ کرامؓ نے دریافت فرمایا کہ کون یارسول اللہ؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ و مامون نہیں۔

ایک دوسری حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو خطاب فرمایا:

عن انسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ما آمن بی من بات شبعان وجارہ جائع الیٰ جنبہ وھو یعلم ۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں رکھتا جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کے رات کو سو جائے کہ اس کے برابر رہنے والا پڑوسی بھوکا ہو اور اس کو اس کے بھوکے ہونے کی خبر نہ ہو

پڑوسی کے حقوق کے متعلق حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرام اپنے پڑوسیوں کے بھائی اور خدمت گزار بن گئے تھے، ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بکری ذبح کی، ان کے پڑوس میں ایک یہودی بھی رہتا تھا، انھوں نے گھر کے لوگوں سے دریافت کیا کہ تم نے میرے یہودی پڑوسی کو بھیجا، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ مجھے جبرئیل نے پڑوسی کے متعلق نیکی و بھلائی کرنے کی اتنی تاکید کرتے رہے کہ میں نے سمجھا کہ وہ اس کو پڑوسی کے حقدار بنا دیں گے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی خاندان کو صدقہ دیا، ام المومنین حضرت صفیہ نے اپنے دو یہودی رشتہ داروں کو تیس ہزار کی مالیت کا صدقہ کیا۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے مشرک بھائی کو تحفہ بھیجا اور خود رسول اللہ ﷺ نے بعضوں کو ان کے مشرک والدین کے ساتھ صلہ رحمی کی اجازت مرحمت فرمائی۔

تفسیر کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے جب مذہبی اختلاف کی بنا پر غریب مشرکوں کی مدد سے کنارہ کشی اختیار کرنے لگے تو مندرجہ ذیل آیت اتری:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَشَآءُ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ (آل عمران:۲۷۲) ان کو راہ پر لے آنا تمہارے اختیار میں نہیں، لیکن اللہ جس کو چاہتے ہیں راہ پر لے آتے ہیں اور جو کچھ خیر یعنی مال تم خرچ کروگے وہ تمہارے ہی لئے ہے۔

ہمیں اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے تمام انسانوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا چاہئے، اور بدخلقی و بدسلوکی سے مکمل احتراز کرنا چاہئے۔ **واللہ والموفق وھو المعین**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمانوں کے حقوق کے متعلق
مومن کامل ﷺ کی تعلیمات

مولانا عظیم الرحمٰن قاسمی مدرس جامعہ حسینیہ جون پور

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ (ﷺ) قَالَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْس رَدُّ السَّلامِ وَ عِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَ اِتِّبَاعُ الْجَنَازَةِ وَ اِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَ تَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ. (متفق علیه)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا جنازہ کے پیچھے جانا دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنا اور چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا۔

اس روایت کو امام بخاریؒ نے ’’کتاب الجنائز‘‘، ’’باب الامر باتباع الجنائز‘‘ میں ذکر کیا ہے جبکہ امام مسلمؒ نے اس روایت کو ’’کتاب السلام‘‘ ’’باب حق المسلم علی المسلم ردالسلام ‘‘میں ذکر کیا ہے۔ صاحب مشکوۃ نے اس روایت کے علاوہ اسی مضمون کی دوسری روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے جس میں پانچ کے بجائے چھ چیزوں کا بیان ہے اور اس میں ردسلام کی جگہ سلام کا ذکر ہے اور ایسے ہی حضرت علیؓ کی اسی مضمون کی ایک روایت ترمذی کے حوالہ سے نقل کی ہے اس میں بھی پانچ کے بجائے چھ چیزوں کا تذکرہ ہے اور اس میں بھی ردسلام کے بجائے سلام کا بیان ہے۔

مذکورہ بالا حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر شریعت کی جانب سے نافذ ہونے والے حقوق اور ذمہ داریاں خواہ وہ واجب ہوں کہ سنت، وہ پانچ ہیں: مسلمان کے سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازہ کے پیچھے جانا، دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنا اور چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا۔

سلام کا بیان

ان پانچ حقوق میں سے پہلا حق مسلمان کے سلام کا جواب دینا ہے، سلام کرنا گو کہ سنت ہے

لیکن سلام کا جواب دینا واجب اور ضروری ہے، سلام کرنے کیلئے ''**السلام علیکم**'' الف لام کے ساتھ اور ''**سلام علیکم**'' بغیر الف لام کے دونوں طرح کہنا صحیح ہے، البتہ روایات میں عموماً الف لام کے ساتھ مذکور ہے اس لئے وہی اولی ہے، قرآن کریم نے جنتیوں کے لیے بغیر الف لام کے ''**سلام علیکم طبتم فادخلو ھا**'' (سورہ زمر) اور ''**سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار**'' (سورہ رعد) استعمال کیا ہے، لہذا اہل جنت کا سلام بغیر الف لام کے ہی ہوگا۔ (شرح کتاب الادب من ابی داؤد ص ۴۶۷)

سلام کا مستحب طریقہ

سلام کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ ابتدا کرنے والا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہے یعنی جمع کے الفاظ کے ساتھ سلام کرے، اگر چہ جسے سلام کیا ہے وہ ایک ہی ہو اور جواب دینے والا کہے ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' یعنی علیکم سے پہلے واؤ کا اضافہ کرے۔ (طریق السالکین ج ۲ ص ۳۲۹)

سلام الفت ومحبت کا ذریعہ

عن ابی ھریرۃ ؓ قال قال رسول اللہ (ﷺ) لا تدخلوا الجنۃ حتی تومنوا و لا تومنوا حتی تحابوا اولا ادلکم علی شی اذا فعلتموہ تحاببتم ؟افشوا السلام بینکم .(مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم جنت میں نہیں جاؤ گے جب تک تم ایمان نہ لاؤ اور تم اس وقت تک ایمان والے نہ ہو گے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتلاؤں کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو تمہارے درمیان محبت پیدا ہو جائے ؟ آپس میں سلام کو رواج دو۔

جنت میں داخل ہونے کے لیے ایمان لانا ضروری ہے اور ایمان میں کمال پیدا کرنے کے لیے مسلمانوں کا آپس میں اخوت و بھائی چارگی اور الفت ومحبت کے ساتھ رہنا ضروری ہے، اور سلام کرنا آپس میں پیار، محبت، اتحاد و اتفاق اور انسیت کا ذریعہ ہے اس لیے ہمیں ایک دوسرے سے خوب سلام کرنا چاہیے۔

سلام کرنے میں پہل کون کرے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھوٹی عمر والا بڑی عمر والے کو، گذرنے والا بیٹھنے والے کو اور تھوڑے لوگ زیادہ کو سلام کریں۔ (مشکوۃ بحوالہ بخاری ص ۳۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ سوار چلنے والے کو اور چلنے والے بیٹھنے والے کو سلام کریں۔ (مشکوۃ بحوالہ بخاری ومسلم ص ۳۹۷)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بچوں کے پاس سے گذرے تو آپ ﷺ نے ان کو سلام کیا۔ (مشکوۃ بحوالہ بخاری ومسلم ص ۳۹۷)

ایک شبہہ اور اس کا ازالہ

پہلی اور تیسری روایت میں یک گونہ تعارض معلوم ہوتا ہے مثلاً فرمایا کہ چھوٹی عمر والا بڑی عمر والے کو سلام کرے اور آپ ﷺ نے خود بچوں کو سلام کیا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اصل حکم تو یہی ہے کہ چھوٹے بڑوں کو سلام کریں تا کہ آدمی اپنے بڑے اور اشراف کی قدر پہچانے، ان کی توقیر کرے اور بڑھ کر ان سے سلام کرے تو اس سے معاشرہ کی شیرازہ بندی ہوتی ہے ورنہ بڑوں اور چھوٹوں میں رشتہ ٹوٹ جاتا ہے البتہ نبی کریم ﷺ یہ بات بھی جانتے تھے کہ سلام لینے میں ایک قسم کی خود پسندی ہے، چھوٹا جب بڑے کو سلام کرتا ہے تو اس کو وہ فخر محسوس کرتا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل سے بڑوں کو تواضع اور خاکساری کی تلقین کی کہ ان کو سلام کرنے میں پیش قدمی کرنی چاہیے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ ج ۵ ص ۵۴۶)

سلام کے جواب کی کیفیت

اللہ سبحانہ وتعالی سورہ نساء میں سلام کے جواب کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب تم سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر سلام کرو یا انہی لفظوں سے جواب دو (سورہ نساء ۸۶)

اس آیت کریمہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب ہم سے سلام کیا جائے تو ہمیں اس سے بہتر یا اسی کے مثل جواب دینا چاہیے مثلاً اگر ہم سے کوئی صرف السلام علیکم کہے تو ہم اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہیں یا وعلیکم السلام پر اکتفاء کریں، اور اگر کوئی سلام میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو ہم جواب میں رحمۃ اللہ کے بعد وبرکاتہ کا بھی اضافہ کریں یا ورحمۃ اللہ سے جواب دیں اور اگر کوئی شخص السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے تو ہم بھی اسی کے مثل جواب دیں اس سے زیادہ کلمات کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

عیادت مریض کا بیان

مریض کی عیادت ومزاج پرسی اور اس کی خدمت وہمدردی مسلمان کے حقوق میں سے ہے،

یہ ایک اعلی درجہ کا عمل صالح اور مقبول ترین عبادت ہے، رسول اللہ ﷺ نے جہاں مختلف احادیث میں عودالمریض (مریض کی عیادت کرو) جیسے کلمات سے اِس کا حکم دیا ہے وہیں مریض کی عیادت کر کے امت کو اس عمل کی جانب متوجہ کیا ہے۔

عیادت کرنے والا جنت کے باغ میں ہوتا ہے

عیادتِ مریض کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضرت ثوبانؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ بندہ مومن جب اپنے صاحب ایمان بندے کی عیادت کرتا ہے تو واپس آنے تک گویا وہ جنت کے باغ میں ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

عیادت کرنے والے کے لیے ستر ہزار فرشتوں کی دعائیں

امام ترمذیؒ مریض کی مزاج پرسی کرنے والے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضرت علیؓ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان کسی مسلمان کی صبح کو مزاج پرسی کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس کیلئے دعا کرتے رہتے ہیں اور جس نے اس کی شام کو عیادت کی تو ستر ہزار فرشتے صبح تک اس کے لیے دعاء کرتے رہتے ہیں اور جنت میں اس کے لیے چنیدہ پھل ہوتے ہیں۔ (ترمذی ابواب الجنائز)

عیادت کرنے والا جنت میں گھر بناتا ہے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس بندے نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ کا منادی آسمان سے پکارتا ہے کہ تو مبارک تیرا عیادت کے لیے چلنا مبارک تو نے یہ عمل کر کے اپنا گھر جنت میں بنالیا۔ (معارف الحدیث بحوالہ ابن ماجہ)

عیادت کرنے والا جہنم سے دور کر دیا جاتا ہے

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا اور اخلاص کے ساتھ اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی اس کو ساٹھ سال تک چلنے کی مقدار کے برابر جہنم سے دور کر دیا گیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

عیادت کرنے کا مسنون طریقہ

حضرت اقدس ﷺ نے مختلف احادیث میں عیادت کیسے کرنی چاہیے؟ عیادت میں

مریض کے ساتھ کیسے پیش آنا چاہیے؟ وغیرہ امور کی وضاحت فرمائی ہے، ذیل میں اس کے متعلق بعض اہم روایتوں کو نقل کیا جاتا ہے۔

مریض سے تسلی اور ہمدردی کی باتیں کریں

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بارے میں اس کے دل کو خوش کرو، (یعنی اس کی عمر اور زندگی کے بارے میں خوش کن اور اطمینان بخش باتیں کرو، مثلاً تمہاری حالت بہتر ہے ان شاء اللہ تم جلد ہی تندرست ہو جاؤ گے) اس قسم کی باتیں کسی ہونے والی چیز کو روک تو نہ سکیں گی (جو ہونے والا ہے وہی ہوگا) لیکن اس سے اس کا دل خوش ہوگا (اور یہی عیادت کا مقصد ہے)

(معارف الحدیث بحوالہ ترمذی)

مریض کیلئے دعاء

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے گھر والوں میں سے کسی کی عیادت فرماتے تو (اس کے سر پر) دایاں ہاتھ پھیرتے اور فرماتے: **اللھم رب الناس اذھب الباس و اشف انت الشافی لا شفاء الا شفاء ک شفاء لا یغادر سقما**، اے اللہ لوگوں کے رب اس (مریض) سے تکلیف دور فرما دے اور شفاء دے دے تو ہی شفاء دینے والا ہے تیرے سوا کوئی اور شفاء دینے والا نہیں ہے، ایسی شفاء دے کہ یہ بیماری باقی نہ رہے۔

(ریاض الصالحین بحوالہ بخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص کسی ایسے مریض کی عیادت کرے جس کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ہے، اس کے پاس سات مرتبہ یہ کلمات کہے، اَسْأَ لُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَن یَشْفِیَکَ ، میں اللہ رب عرش عظیم سے سوال کرتا ہوں کہ تجھے شفاء عطا فرما دے، تو اللہ تعالی اسے اس بیماری سے شفاء عطا فرمائیں گے۔

(ریاض الصالحین بحوالہ ترمذی)

رسول ﷺ کا یہودی لڑکے کی عیادت فرمانا

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ اس کے پاس اس کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے،

اس کے سرہانے بیٹھ گئے اوراس سے فرمایا کہ اسلام قبول کرلو،اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جواس کے پاس تھا،اس کے باپ نے کہا ابوالقاسم کی اطاعت کرواور وہ اسلام لایا رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے باہر نکلے اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے اسے آگ سے بچالیا۔

(ریاض الصالحین بحوالہ بخاری)

بیمار کے اہل خانہ سے مریض کا حال دریافت کرنا مستحب ہے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ علیؓ بن ابی طالب رسول اللہ ﷺ کے پاس سے باہر آئے جبکہ آپ مرض وفات میں تھے،ان سے لوگوں نے پوچھا اے ابوالحسن !رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟انہوں نے کہا بحمد اللہ اب آپ بہتر ہیں۔(ریاض الصالحین بحوالہ بخاری)

جنازہ میں شرکت کا بیان

یہ اسلام کی خوبیوں میں سے ہے کہ جب کسی مسلمان کا انتقال ہوتا ہے تو اس کو اچھی طرح غسل دیا جاتا ہے، پاک صاف کپڑا پہنایا جاتا ہے،اس کے حق میں دعائے مغفرت کرکے عزت کے ساتھ زمین میں دفن کردیا جاتا ہے۔جب کسی مسلمان کی وفات ہوجائے تو اس کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا یہ ایک مسلمان کا اخلاقی فریضہ ہے۔

جنازہ میں شرکت کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جوآدمی ایمان کی صفت کے ساتھ اورثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اوراس وقت تک جنازے کے ساتھ رہے جب تک کہ اس پرنماز پڑھی جائے اوراس کے دفن سے فراغت ہوتو وہ ثواب کے دو قیراط لیکر واپس ہوگا جن میں سے ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جوآدمی صرف نماز جنازہ پڑھ کر واپس آجائے تو وہ ثواب کا ایک قیراط لے کر واپس آئے گا۔

(مشکوۃ بحوالہ بخاری ومسلم ص۱۴۴)

میت کے حق میں دعاء

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھوتو پورے اخلاص کے ساتھ اس کے حق میں دعاء کرو۔

(مشکوۃ بحوالہ ابوداودوابن ماجہ ص۱۴۶)

رسول اللہ ﷺ کا میت کیلئے دعاء کرنا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی جنازے پر نماز پڑھتے تھے تو اس میں یوں دعاء کرتے تھے'' اللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا وَ شَاھِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِیْرِنَا وَ کَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَ اُنْثَانَا ،اَللّٰھُمَّ مَن اَحْیَیْتَہ مِنَّا فَاَحْیِہ عَلَی الاسْلَامِ وَ مَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی اِلایْمَانِ ،اے اللہ ہمارے زندوں کی اور مردوں کی ،حاضروں کی اور غائبوں کی ،چھوٹوں کی اور بڑوں کی مردوں کی اور عورتوں کی ، سب کی مغفرت فرما،اے اللہ جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے اس کو اسلام پر قائم رکھتے ہوئے زندہ رکھ،اور جس کو تو اس عالم سے اٹھائے اس کو ایمان کی حالت میں اٹھا!

(معارف الحدیث بحوالہ مسند احمد،ابوداود،ترمذی،ابن ماجہ ج۳ص۴۷۸)

نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ

نمازِ جنازہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت کو آگے رکھ کر امام اس کے سینے کے مقابل کھڑا ہو جائے اور سب لوگ یہ نیت کریں ، میں نے یہ ارادہ کیا کہ نماز جنازہ پڑھوں جو اللہ کیلئے نماز ہے اور میت کیلئے دعاء ہے ، یہ نیت کر کے دونوں ہاتھ تکبیر تحریمہ کی طرح کانوں تک اٹھا کر ایک مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ باندھ لیں ، پھر ثنا پڑھیں ، پھر اس کے بعد ایک مرتبہ اللہ اکبر کہیں ،مگر اس مرتبہ ہاتھ نہ اٹھائیں اس کے بعد درود شریف پڑھیں ،افضل یہی ہے کہ وہی درود شریف پڑھا جائے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے، پھر ایک مرتبہ اللہ اکبر کہیں ،اس مرتبہ بھی ہاتھ نہ اٹھائیں اس تکبیر کے بعد میت کیلئے دعاء کریں ، جب دعاء سے فارغ ہو جائیں تو پھر ایک مرتبہ اللہ اکبر کہیں اور اس مرتبہ بھی ہاتھ نہ اٹھائیں اور اس تکبیر کے بعد سلام پھیر دیں۔

(انوار القدوری بحوالہ عالمگیری ص۲۲۹)

دعوت قبول کرنے کا بیان

کسی کے خوشی وغم کے مواقع میں شرکت کر کے اس کی خوشی اور غم کو بانٹنا بھی ایک مسلمان کا اخلاقی فریضہ ہے، کسی کے یہاں مہمانی میں جائیں تو اپنی حیثیت کے مطابق میزبان یا اس کے بچوں کیلئے کچھ ہدیے اور تحائف لے کر جائیں اس سے محبت اور تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔

میزبان کو پریشانی میں نہ ڈالیں

جس کے یہاں بھی مہمان بن کر جائیں تو کوشش کریں کہ تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں الا یہ

کہ خصوصی حالات ہوں اور میز بان ہی شدید اصرار کرے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ مہمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ میز بان کے یہاں اتنا ٹھہرے کہ اس کو پریشانی میں مبتلا کر دے۔ (الادب المفرد)

میزبان کے حق میں دعاء کریں

جب دعوت میں کھانے پینے سے فارغ ہو جائیں تو میز بان کیلئے فراخیٔ رزق، خیر و برکت اور مغفرت و رحمت کی دعاء کریں، حضرت ابوالہیثم بن تیہانؓ نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے کچھ اصحابؓ کی دعوت کی، جب آپ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کو صلہ دو، صحابہؓ نے پوچھا: صلہ کیا دیں؟ یا رسول اللہ! فرمایا: جب آدمی اپنے بھائی کے یہاں جائے اور وہاں کھائے پیے تو اس کے حق میں خیر و برکت کی دعاء کرے، یہ اس کا صلہ ہے۔ (ابوداود)

رسول اللہ ﷺ کا میزبان کے لیے دعاء کرنا

نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ حضرت سعد بن عبادہؓ کے یہاں تشریف لے گئے، حضرت سعدؓ نے روٹی اور زیتون پیش کیا آپ ﷺ نے تناول فرمایا اور یہ دعاء فرمائی: **افطر عندکم الصائمون و اکل طعامکم الابرار و صلت علیکم الملائکة** (ابوداود)

''تمہارے یہاں روزے دار افطار کریں، نیک لوگ تمہارا کھانا کھائیں اور فرشتے تمہارے لئے رحمت و مغفرت کی دعاء کریں''۔ (آداب زندگی ص ۲۰۴)

چھینکنے کا بیان

مذہب اسلام ایسا جامع اور کامل و مکمل ضابطۂ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کی ہر شعبہ اور ہر موقع کے لیے صحیح اور مفید رہنمائی کرتا ہے، مسلمان کے حقوق میں سے چھینکنے والا ہے (جب وہ الحمدللہ سے فارغ ہو جائے) تو **یرحمک اللہ** کے ذریعہ دعاء دینا بھی ہے۔

چھینکنے والا کیا کرے؟

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے الحمدللہ کہنا چاہیے۔ (مشکوۃ بحوالہ بخاری ص ۴۰۵)

حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب چھینک آتی تو آپ اپنے ہاتھ یا کپڑے سے چہرۂ مبارک کو ڈھک لیتے تھے اور پست آواز سے چھینکتے تھے۔

(مشکوۃ بحوالہ ترمذی ص ۴۰۶)

چھینک آنے پر حمد کرنے کی حکمت

چھینک آنے پر حمد کرنا دو وجہ سے مشروع ہے:

(۱) چھینک آنا ایک قسم کی شفاء ہے، اس کے ذریعہ ایسی رطوبت اور جراثیم دماغ سے نکل جاتے ہیں کہ اگر وہ نہ نکلیں تو کسی تکلیف یا بیماری کا اندیشہ ہے، پس صحت کی حالت میں چھینک آنا اللہ کا فضل ہے جس پر حمد ضروری ہے۔

(۲) چھینک آنے پر حمد کرنا آدم علیہ السلام کی سنت ہے، صحیح ابن حبان میں مرفوع روایت ہے کہ جب آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی اور روح ان کے سر میں پہونچی تو آپ کو چھینک آئی، پس آپ نے الحمد للہ رب العالمین کہا، جس کے جواب میں اللہ تبارک وتعالی نے یرحمک اللہ فرمایا۔

(رحمۃ اللہ الواسعہ بحوالہ البدایہ والنہایہ ص ۵۶۲)

چھینکنے والے کے لیے دعاء

جب چھینکنے والا حمد سے فارغ ہو جائے تو سننے والے کو اس کے حق میں دعاء کرنی چاہیئے حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے چاہیے کہ الحمد للہ کہے اور اس کے بھائی کو چاہیئے کہ یرحمک اللہ کہے اور پھر چھینکنے والا ''**یھدیکم الله** اور **یصلح بالکم** '' کہے۔ (مشکوۃ بحوالہ بخاری ص ۴۰۵)

چھینکنے والے کو دعاء دینے کی حکمت

چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کے ذریعہ جواب دینا بھی دو وجہ سے مشروع ہے:

(۱) یہ اللہ تعالی کے اخلاق کو اپنانا ہے، کہ اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کی تحمید کے جواب میں یرحمک اللہ فرمایا ہے۔

(۲) تحمید کرنے والے کی دین پر اور سنن انبیاء پر استقامت کا یہ حق ہے کہ اس کو یہ دعاء دی جائے چنانچہ اس کو حقوق اسلام میں شمار کیا گیا ہے۔

(رحمۃ اللہ الواسعہ ج۵ ص ۵۶۳)

☆☆☆☆☆

وفیات

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب علیہ الرحمہ

(وفات: ۱۰؍محرم ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۴؍اکتوبر ۲۰۱۵ء شنبہ)

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

۲۴؍اکتوبر ۲۰۱۵ء شنبہ کو یہ خبر ملی کہ آج عصر مغرب کے درمیان استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کے شیخ ومرشد عارف باللہ شیخ طریقت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب علیہ الرحمہ کا انتقال ہوگیا، خبرسن کر بے ساختہ اناللہ وانا الیہ راجعون کی ربانی تسلی زبان پر جاری ہوئی۔

حضرت مولانا ۱۹۲۸ء میں غازی پور کے ایک گاؤں شیخ پور میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن مدرسہ دینیہ غازی پور میں مکمل کیا، اس کے بعد وہیں عربی تعلیم مولانا قاری عبیداللہ صاحب الہ آبادی سے حاصل کی، قاری صاحب کچھ عرصہ کے بعد مدرسہ دینیہ چھوڑ کر یوسف پور چلے گئے تو مولانا بھی ان کے ساتھ وہیں چلے گئے، اور مشکوۃ شریف تک ان سے پڑھ کر پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے، جہاں شوال ۱۳۶۸ھ میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا، اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے بخاری شریف پڑھی، شعبان ۱۳۶۹ھ میں فراغت حاصل کی۔ دس کتابوں کے ۵۰۰ نمبرات میں سے ۴۹۱ نمبر حاصل کر کے امتیازی پوزیشن سے کامیاب ہوئے۔ ایک بار میں نے عرض کیا کہ آپ کے نمبرات بہت اچھے ہیں تو فرمایا کہ میں امتحان کے زمانہ میں پورے ایک ماہ تک متواتر جاگ کر تیاری کی تھی، میرے پاس حضرت مدنیؒ کے درس بخاری کی چار کاپیاں موجود ہیں۔

۱۹۵۴ء میں ہجرت کر کے کراچی چلے گئے وہاں سلسلہ قادریہ کے نامور شیخ مولانا تاج محمود امروٹی کے خلیفہ حضرت مولانا حماداللہ صاحب ہالیجوی سے بیعت ہوئے اور خلعت خلافت سے نوازے گئے، حضرت مولانا مرحوم نے کراچی میں ایک ادارہ جامعہ حمادیہ سے قائم کیا، جو ایک مکتب سے شروع ہوا اور آج پاکستان کے ممتاز علمی اداروں میں سے ایک ہے، جہاں دورۂ حدیث تک تعلیم ہوتی ہے۔ اس دور قحط الرجال میں حضرت مولانا جیسی شخصیت کا اٹھ جانا ایک زبردست خسارہ ہے، قارئین کرام حضرت مولانا کی مغفرت وترقئ درجات اور پس ماندگان کیلئے صبر جمیل کی دعا فرمائیں۔ آمین

انشاءاللہ اگلے شمارہ میں حضرت مولانا پر تفصیلی مضمون لکھنے کا ارادہ ہے۔

سہ ماہی

مجلہ

رشد و ہدایت

جنوری تا مارچ ۲۰۱۶ء





مدیر تحریر

مولانا ضیاء الحق خیر آبادی

9235327576

مدیر مسئول

مولانا عبد العظیم قاسمی

9559999984

مرکزِ اشاعت

مدرسہ تحفیظ القرآن، سکٹھی، مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ (یوپی) 276405

EMAIL: zeyaulhaquekbd@gmail.com

مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان

سہ ماہی

مجلّہ رُشد وہدایت

جلد نمبر:۱ | ربیع الثانی تا جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ (جنوری تا مارچ ۲۰۱۶ء) | شمارہ نمبر:۲

مرکزِ اشاعت: **مدرسہ تحفیظ القرآن**

سکٹھی، شاہ محمد پور، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

زرِ تعاون

سالانہ: 100/= | فی شمارہ: 25/= | خصوصی: 1000/=

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغازِ سخن

از:۔مدیر تحریر

اللہ کا بے انتہا شکر اور فضل ہے کہ اس نے مدرسہ تحفیظ القرآن سکھٹی مبارکپور کے ترجمان سہ ماہی مجلّہ ''رُشد وہدایت'' کو شرف قبولیت سے نوازا۔اس رسالے کا دینی وعلمی حلقوں میں جس طرح خیر مقدم کیا گیا اور اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا وہ ہمارے حوصلوں میں بلندی اور عزائم میں قوت وتوانائی کا باعث ہے۔اس پر ہم بارگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر بجالاتے ہیں۔اس دور میں جبکہ فیس بک، واٹس اپ اور انٹرنیٹ کے پروگراموں نے کتابوں، رسالوں اور مجلّات سے رغبت افسوسناک حد تک کم کردی ہے۔گذشتہ شمارے میں ڈاکٹر گوہر مشتاق صاحب کے مضمون ''بجلی سے چلنے والے منشیات'' سے قارئین کو کچھ اندازہ ہوا ہوگا کہ اس وقت لوگوں کا اشتغال مذکورہ چیزوں سے کس قدر ہے۔ایسے حالات میں کسی دینی رسالہ کا نکالنا دنیاوی نقطۂ نظر سے سراسر گھاٹے کا سودا ہے،لیکن ادارہ نے محض دین حنیف کی اشاعت وترویج کی غرض سے اشاعت کا قدم اٹھایا ہے،سود وزیاں سے قطع نظر ہمارا مطمحِ نظر صرف یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دین اسلام کی تعلیمات اور شریعت کے احکامات کو لوگوں تک پہونچایا جائے۔جیسا کہ ہم نے گزشتہ شمارے میں لکھا تھا کہ

'' جیسے مدرسہ دین اور علم دین کی نشر واشاعت کیلئے ہے اسی طرح یہ رسالہ بھی تبلیغ دین کے لئے ہے اس میں دنیاوی نفع ونقصان نہیں بلکہ اصل مقصود یعنی تبلیغ دین اور اشاعت علم پر نگاہ رہے کہ اس کے ذریعہ علم صحیح کو لوگوں تک پہونچایا جائے اور ان کے عقائد واعمال کی درستگی کی کوشش اس میدان سے بھی کی جائے،اسی نیت اور ارادے سے بنام خدا اس کا آغاز کیا جارہا ہے۔''

اللہ کا شکر ہے ہمیں اپنے مقصد میں توقع سے زیادہ کامیابی مل رہی ہے **فللّٰہ الحمد والشکر**
اب دوسرا شمارہ قارئین کی نذر کرتے ہوئے مسرت ہورہی ہے کہ کہ اگر اسی طرح لوگوں کی

توجہات اوران کی حوصلہ افزائی شامل حال رہی تو انشاء اللہ مجلّہ اپنی افادیت کی شہادت فراہم کرے گا اور اسے خوب سے خوب تر بنانے میں ہم اپنی تمامتر توانائی بھی صرف کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔

اس پُر آشوب دور میں جبکہ پوری دنیا میں اسلام اور مسلمان مطعون کئے جا رہے ہیں، عالم اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر خطے اور ہر گوشے میں اسلامی معالم وآثار کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، خود اپنے وطن عزیز میں مسلمانوں کو ہر سطح پر ہراساں کیا جا رہا ہے، گاؤکشی، لوجہاد اور اہانت رسول وغیرہ کے شوشے آئے دن چھوڑے جا رہے ہیں،، اب تو بعض انتہا پسند تنظیموں کی جانب سے یہ مطالبہ بھی ہونے لگا ہے کہ اسلامی مدارس میں عربی اور اردو میں تعلیم دینے پر پابندی لگائی جائے اور قومی زبان ہندی کو مدارس میں ذریعۂ تعلیم بنانے کا قانون بنایا جائے، اس طرح کے مطالبات آئے دن سامنے آرہے ہیں جو مسلمانان ہند کے لئے ایک لمحۂ فکریہ ہیں۔

عالمی اور ملکی سطح پر ان بدلتے ہوئے حالات میں ہر مسلمان خاندان پر لازم ہے کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے اپنی نئی نسل کو اسلامی تعلیمات سے آراستہ کریں تاکہ ان کے دلوں میں یہ بات پیوست ہوجائے کہ اسلام دشمن طاقتوں کی تدبیروں اور سازشوں کے اوپر ایک ہستی ایسی بھی ہے جس کے تصرف میں ساری کائنات ہے، ساری دنیا مل کر بھی مسلمانوں کو مٹانے اور انھیں زیر کرنے کا منصوبہ بنالے مگر اس کی کامیابی کا انحصار اسی ہستی کی مشیت پر ہے، ورنہ اس کی مشیت کے بغیر ہر سازش ناکام اور ہر منصوبہ بےکار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ". (سورہ آل عمران: ۱۲۰) یعنی اگر تمہارے اندر صبر اور تقویٰ کی صفت پیدا ہوجائے تو مخالفین کی سازشیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہیں۔ صبر کہتے ہیں ثابت قدمی اور جماؤ کو یعنی انسان مخالفتوں سے نہ گھبرائے اور نہ ہراساں ہو، اور تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہنا، اس کے احکام کو بجالانا اور ظاہر وباطن ہر اعتبار سے اس کی اطاعت کرنا۔ اگر یہ دونوں صفات ہمارے اندر اجتماعی طور پر پیدا ہوجائیں تو دشمن کی سازشیں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، یہ وعدۂ خداوندی ہے۔

مجلّہ رشد وہدایت کا یہی مشن ہے کہ مضامین ومقالات کے ذریعہ ایمان ویقین اور اسلامی فکر وشعور میں پختگی پیدا کی جائے اور ہر فرد تک دین کا پیغام پہونچانے کا فریضہ انجام دیا جائے۔ امید ہے کہ اس جذبہ کی قارئین کرام عملی طور پر تائید کریں گے اور ہر گھر میں ''رُشد وہدایت'' کا چراغ روشن کرنے میں ہمارا بھرپور تعاون کریں گے۔ **والاجر عنداللہ**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور ان کی تعلیمات

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

پچھلے شمارے میں ''عید میلا دالنبی'' کے رسوم وبدعات کا تذکرہ کیا تھا۔ ربیع الاول کے بعد ربیع الآخر کا مہینہ ہے، اس مہینے کو ستم ظریفوں نے امت کی ایک بزرگ ہستی سے منسوب کرر کھا ہے، اور محض اپنی رائے سے، اللہ ورسول کی ہدایت وتلقین کے بغیر اسے اہمیت دے رکھی ہے۔ دین اسلام کی تعلیمات کی تکمیل زمانۂ رسالت میں ہی ہوچکی ہے، اب اس میں کسی طرح کے اضافے کی گنجائش نہیں، کوئی ایسی چیز یا کوئی ایسا کام جس کی اصل زمانۂ نبوت میں نہ ہو، اسے دین سمجھ کر اور دینی عمل بنا کر دین اسلام میں شامل کرنا درست نہیں ہے، اس طریقۂ عمل کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک حکم الٰہی کو چھپالیا تھا، اس کو آپ کے بعد کسی نے ظاہر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ کی جناب میں کس درجہ سنگین گستاخی ہے، دین کی ہر بات وحی الٰہی پر موقوف ہے، اور وحی الٰہی کا خاتمہ حضرت خاتم النبیین ﷺ پر ہو چکا ہے، آپ کے بعد اگر کوئی شخص دین کی کوئی ایسی بات بتانے یا ظاہر کرنے کا مدعی ہے، تو اول تو وہ حضرت پر کتمانِ شریعت کی تہمت لگاتا ہے، دوسرے وہ در پردہ وحی الٰہی کے اپنے اوپر نزول کا دعویٰ کرتا ہے، یعنی یہ کہ وہ بھی سرکار رسالتمآب ﷺ کی نبوت ورسالت میں شریک ہے، یہ شرک فی النبوۃ ہے! اسی لئے بدعت کا گناہ شرک کے قریب تر ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ علماء ومشائخ ہی سے دین کے باب میں رہنمائی ملتی ہے، ان کی اقتداء وپیروی سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے، دینی علوم اور دینی اعمال کے تحفظ وبقاء کے لئے سب سے بڑا ذریعہ انھیں علماء ومشائخ کا وجود مسعود ہوتا ہے۔ کسی بھی مذہب وملت کے علماء اگر ناپید ہوجائیں، تو اس مذہب کا وجود ہی مٹ جاتا ہے، لیکن انسانی طبیعت کی پیچیدگی، اور اس کی کجروی دیکھئے، انھیں علماء اور انھیں مشائخ کا نام لے کر، انھیں سے عقیدت ومحبت کا اظہار کرکے، انھیں کے دامن سے

وابستگی کا نعرہ لگا کر بر خود غلط افراد بدعات وخرافات کو ایجاد کرتے ہیں، ان بزرگوں نے شرک سے سختی سے منع کیا ہوتا ہے، مگر ستم ظریفی دیکھئے کہ انھیں بزرگوں کو خدا کا شریک قرار دے دیا جاتا ہے، ان حضرات نے توحید واتباع سنت کی ندا پوری قوت سے لگائی ہوتی ہے، مگر انھیں کا نام لے کر توحید کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اور بجائے سنت کے بدعات کو معیار محبت قرار دیا جاتا ہے۔

امت کے متعدد بزرگوں کے حق میں یہ کجروی اختیار کی گئی ہے، بلکہ خود توحید کے سب سے عظیم منادی، حضور سرور عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی کو بھی ظالموں نے شرک وبدعت کے لئے تختۂ مشق بنالیا ہے، چنانچہ کتنے لوگ ہیں جو حق تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ کو حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر کے شرک کے عقائد واعمال میں گرفتار ہیں۔

آپ کے بعد حضراتِ صحابہ میں سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ اور نواسۂ رسول سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کا نام لے کر کتنے گمراہی کی دلدل میں پھنس رہے ہیں، اسی طرح اولیاء امت میں متعدد حضرات کو لوگوں نے عبدیت کے مرتبۂ بلند سے ہٹا کر ربوبیت والوہیت کے حدودِ ممنوعہ میں لے جانے کی کوشش کی ہے۔

ان اولیاءِ الٰہی میں سب سے زیادہ جن پر ستم ڈھایا گیا ہے، وہ ہیں سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ! جنھیں ''بڑے پیر صاحب'' اور ''غوث الاعظم'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ربیع الاول کے معاً بعد آنے والا مہینہ ربیع الآخر ان کے نام کے ساتھ موسوم ہے، میں نے اپنے بچپن میں بڑی بوڑھی عورتوں سے بارہا عربی مہینوں کے نام اس طرح سنے ہیں۔ محرم کے بجائے داہا، صفر کے بجائے تیرہ تیزی، ربیع الاول کے بجائے بارہ وفات، ربیع الآخر کے بجائے بڑے بڑے پیر صاحب، اس کے بعد دو ماہ جمادی الاولیٰ وجمادی الاخریٰ کے بجائے مدار اور خ مدّین (یعنی خواجہ معین الدین) ترتیب یاد نہیں، اس طرح اصل ناموں کے بجائے انھیں بزرگوں کے ساتھ منسوب کر دیا گیا تھا۔

ربیع الآخر کو بڑے پیر حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر کے ساتھ منسوب کرتے ہیں، اور اس ماہ کی جو خصوصی رسم ہے وہ گیارہویں شریف ہے، ربیع الآخر کی گیارہ تاریخ کو زردہ پکا کر اس پر بڑے پیر صاحب کی نیاز دی جاتی ہے، اور اس رسم کا بڑا اہتمام ہوتا ہے، خیال ہوتا ہے کہ ۱۱؍ربیع الآخر کو حضرت کا انتقال ہوا ہے، لیکن مشہور مورخ ومحدث علامہ شمس الدین ذہبی نے **تاریخ الاسلام** اور **سیر اعلام النبلاء** میں ان کی تاریخ وفات ۱۰؍ربیع الآخر لکھی ہے۔

لیکن گیارہ کی اہمیت اتنی بڑھی کہ وہ ایک خاص نماز کا جز بن گئی ہے، بعض لوگوں نے

عقیدت کے غلو میں ایک نماز ایجاد کرڈالی ہے، جس کا نام ''صلوٰۃ غوثیہ'' ہے، اس کا طریقہ اس طرح دیکھنے میں آیا ہے کہ دو رکعت قبلہ رو پڑھتے ہیں، پھر بغداد کی طرف جہاں حضرت شیخ کی قبر ہے رخ کرکے اس طرف گیارہ قدم چلتے ہیں، اور پھر نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوکر اللہ جانے کیا پڑھتے ہیں۔ایک وظیفہ بھی ان کے نام پر ایجاد کررکھا ہے، وہ ہے **یاشیخ عبد القادر شیئاً للہ**، اے شیخ عبدالقادر اللہ کے واسطے کچھ عطا ہو، یہ وظیفہ خالص شرک ہے، جو ان کے نام پر گڑھا گیا ہے، اوراس کے علاوہ ان کی طرف ایسے ایسے واقعات وحالات منسوب کرر کھے ہیں جن کو نہ عقل روا رکھتی ہے اور نہ شریعت!

یہ بدعات وشرکیات اس ذات کے ساتھ منسوب ہیں جو علم وعمل کا مظہر اور بندگی وتواضع کا خوبصورت پیکر تھا، وہ ایک زبردست عالم اور فقیہ تھے، توحید میں ان کا قدم نہایت راسخ تھا، اتباع سنت ان کا خاص شعار تھا، علامہ ذہبی نے انھیں **الشیخ الامام، العالم، الزاھد، العارف، القدوۃ، شیخ الاسلام، علم الاولیاء** کے القاب سے یاد کیا ہے۔

ان کے مواعظ اور ان کے مقالات پڑھئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ علم وفضل اور دین ودیانت کے کس مقام بلند پر وہ فائز تھے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت وجلال اور مخلوق کی کمزوری اور بے بسی ان کے سامنے کتنی واضح ہے، لیکن یہ کس قدر ستم ہے کہ وہی جو مخلوق کی بے بسی اور بے چارگی کو اس شدومد کے ساتھ بیان کرتے ہیں، انھیں کے اختیار وقدرت کو لوگ حق تعالیٰ کی قدرت وطاقت کے مرتبہ تک پہونچا دیتے ہیں، ذرا حضرت شیخ کا یہ کلام ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

> ''کل مخلوقات کو اس طرح سمجھو کہ بادشاہ نے، جس کا ملک بہت بڑا اور حکم سخت اور رعب داب دل کو ہلا دینے والا ہے، ایک شخص کو گرفتار کرکے اس کے گلے میں طوق اور پیروں میں کڑا ڈال کر ایک صنوبر کے درخت میں، ایک دریا کے کنارے جس کی موجیں زبردست، پاٹ بہت بڑا، گہرائی بہت زیادہ، بہاؤ بہت زوروں پر ہے، لٹکا دیا ہے اور خود ایک نفیس اور بلند کرسی پر کہ اس تک پہونچنا مشکل ہے، تشریف فرما ہے اور اس کے پہلو میں تیر و پیکان، نیزۂ وکمان اور ہر طرح کے اسلحوں کا انبار ہے، جن کی مقدار خود بادشاہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور ان میں جو چاہتا ہے اٹھا کر اس لٹکے ہوئے قیدی پر چلاتا ہے، تو کیا دیکھنے والے کیلئے جائز ہوگا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے نظر ہٹالے، اور اس سے خوف وامید ترک کردے، اور لٹکے ہوئے قیدی سے امید اور خوف

رکھے، کیا جو شخص ایسا کرے عقل کے نزدیک بے عقل، بے وقوف، دیوانہ، چوپایہ اور انسانیت سے گرا ہوا نہیں ہے، خدا کی پناہ، بینائی کے بعد نابینائی، اور وصول کے بعد جدائی اور قرب و ترقی کے بعد تنزل، ہدایت کے بعد گمراہی اور ایمان کے بعد کفر سے۔ (فتوح الغیب، مقالہ: ۱۷)

جس مخلوق کو لوگ حق تعالیٰ کی قدرت و تصرف میں شریک و دخیل قرار دیتے ہیں، اس کی حیثیت حضرت شیخ کے اس کلام میں بغور ملاحظہ فرمایئے، اور دیکھئے کہ غیر اللہ کی بے چارگی کا کیا عالم ہے؟ اور اس کو مرکز نگاہ بنانے والا کس پستی میں گرا ہوا ہے۔

اپنے ایک وعظ میں توحید کے مضمون کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''ساری مخلوق عاجز ہے، نہ کوئی تجھے نفع پہونچا سکتا ہے نہ نقصان، بس صرف اتنا ہے کہ حق تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھوں کرا دیتا ہے، اسی کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے اندر تصرف فرماتا ہے، جو کچھ تیرے لئے مفید ہے یا مضر ہے، اس کے متعلق اللہ کا قلم چل چکا ہے، اس کے خلاف نہیں ہوسکتا، جو موحد اور نیکوکار ہیں، وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں، بعض ان میں سے ایسے ہیں جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے دنیا سے برہنہ ہیں، گو دولت مند ہیں، مگر ان کے اندرون پر دنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا۔ یہی قلوب ہیں جو صاف ہیں، جو شخص اس پر قادر ہوا، اس کو مخلوقات کی بادشاہت مل گئی، وہی بہادر پہلوان ہے، جس نے اپنے قلب کو ماسوی اللہ سے پاک بنایا اور قلب کے دروازہ پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہوگیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو بھی اس میں داخل نہیں ہونے دیتا، اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہے، شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے، اور توحید و معرفت باطن کو مہذب بناتی ہے۔ (فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی مجلس:۱۳)

ایک دوسرے موقع پر خدا کی غیرت، شرکا سے نفرت اور انسان کی محبوب چیزوں کے سلب اور ضائع ہونے کی حکمت اس طرح بیان کرتے ہیں:

''تم اکثر کہتے ہوگے کہ میں جس سے محبت کرتا ہوں، اس سے میری محبت رہنے نہیں پاتی اور رخنہ پڑ جاتا ہے، یا تو جدائی ہوجاتی ہے، یا وہ مر جاتا ہے، یا رنجش ہوجاتی ہے، اور مال سے اگر محبت کرتا ہوں تو وہ ضائع ہوجاتا ہے اور ہاتھ سے نکل جاتا ہے، تب تم سے کہا جائے گا کہ اے خدا کے محبوب! اے وہ کہ جس پر خدا کی عنایت ہے! اے وہ جو خدا کا منظور نظر ہے، اے وہ جس پر خدا کی غیرت آتی ہے! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ غیور ہے، اس نے تم کو اپنے لئے پیدا کیا اور تم غیر کے ہو رہنا چاہتے ہو، کیا تم نے خدا کا یہ ارشاد نہیں سنا! يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ، وہ ان لوگوں کو دوست

رکھتا ہے، اور وہ اسے۔ اور یہ ارشاد ہے کہ **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ،** (الذاریات:۵۶) میں نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ خدا جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو اسے مبتلا کرتا ہے، پھر اگر وہ صبر کرتا ہے تو اسے رکھ چھوڑتا ہے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! رکھ چھوڑنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اس کے مال اور اولاد کو باقی نہیں رکھتا، اور یہ معاملہ اس لئے ہے کہ جب مال واولاد ہوں گے تو اس کو ان سے بھی محبت رہے گی اور خدا سے اسے جو محبت ہے متفرق اور ناقص ہوجائے گی، اور تقسیم ہوکر حق اور غیر حق کے درمیان مشترک ہوجائے گی، اور خدا شریک کو قبول نہیں کرتا، وہ غیور ہے اور ہر چیز پر غالب وزبردست ہے، تو وہ اپنے شریک کو ہلاک ومعدوم کردیتا ہے، تاکہ وہ بندہ کے دل کو خالص کرلے خاص اپنے لئے، بغیر شریک کے، اس وقت اس کا یہ ارشاد صادق آجاتا ہے کہ **يحبهم ويحبونه** ، وہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ اسے، یہاں تک کہ دل جب شریکوں اور برابری کرنے والوں سے، جو اہل وعیال، دولت ولذت اور خواہشیں ہیں، نیز ولایت وریاست، کرامات وحالات، منازل ومقامات، جنتوں اور درجات اور قرب ونزدیکی کی طلب سے پاک وصاف ہوجاتا ہے، تو اس میں کوئی ارادہ باقی نہیں رہتا، اور نہ کوئی آرزو رہتی، اور مثل سوراخ دار برتن کے ہوجاتا ہے، جس میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی، کیونکہ وہ خدا کے فضل سے ٹوٹ چکا ہوتا ہے، جب اس میں کوئی ارادہ پیدا ہوتا ہے خدا کا فعل اور اس کی غیرت اسے توڑ دیتی ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ کے دل میں دنیا کی کوئی مخلوق مقصودیت اور محبوبیت کا درجہ نہ حاصل کرلے، دل کا مرکز نگاہ محض ذات خداوندی اور رضاء الٰہی رہے، جو لوگ خدا کے قریب ہیں، ان کے دل میں بجز حق تعالیٰ کے کسی اور کی گنجائش نہیں ہوتی، اگر ان کا دل کسی اور میں اٹکتا ہے تو حق تعالیٰ اسے دور کردیتے ہیں، تاکہ بندے کا دل خالص حق تعالیٰ کے لئے ہوجائے۔

حضرت شیخ کا یہ کلام دیکھئے، اور اس کا زور دیکھئے، کیا انھیں منظور ہوگا کہ لوگ حق تعالیٰ کو چھوڑ کر انھیں کو معبود ومقصود اور شریک الوہیت وربوبیت بنالیں، حاشا وکلا

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (سورہ آل عمران:۷۹)

کسی آدمی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت عطا فرمائیں، پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ تم لوگ اللہ والے بن کر رہو، کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے رہے ہو اور اسے خود بھی پڑھتے رہے ہو۔

جس بزرگ کے سامنے اللہ کا یہ فرمان ہو، بھلا وہ اپنی جانب اُلوہیت وربوبیت کے انتساب کو کبھی گوارا کرسکتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ سیّدنا عبدالقادر جیلانی نوراللہ مرقدہٗ امت کے بڑے مصلحین اور اصحاب تجدید میں ہیں، حق تعالیٰ کی توفیق سے بے شمار لوگ حضرت کے ہاتھوں پر کفر وشرک اور بدعت ومعاصی سے تائب ہوئے ہیں۔

تصوف وسلوک کے چار سلسلے معروف ہیں، ان میں سب سے قدیم طریقہ وہ ہے، جو سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی تعلیمات پر مبنی ہے اور ان کی طرف منسوب ہوکر ''قادریہ'' کہلاتا ہے، مگر مقامِ حیرت ہے کہ ہمارے ملک میں جو لوگ اپنے آپ کو قادری کہتے اور لکھتے ہیں، وہ سب سے زیادہ ان کی تعلیمات سے دور اور شرک وبدعت کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ پاکستان میں البتہ اس سلسلے کے مشائخ حقہ موجود ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کی تعلیمات اور ان کے مطابق عقیدۂ وعمل کو عام فرمائیں۔

(حدیث در دِل، ص:۵۲۱)

☆☆☆☆☆

بقیہ ص: ۲۰ کا

آپ ﷺ کی زندگی کا بیشتر حصہ تکلیفوں میں گزرا، مگر آپ ﷺ نے کبھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا، آپ ﷺ رسالت کی اہم ذمہ داری کو استقامت کے ساتھ بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ آپ ﷺ کی عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت سارے انسانوں کے لئے نمونہ ہے۔ ہمیں حضور اکرم ﷺ کے اسوہ سے یہ سبق لینا چاہئے کہ گھریلو یا ملکی یا عالمی سطح پر جیسے بھی حالات ہمارے اوپر آئیں، ہم ان پر صبر کریں اور اپنے نبی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط کریں۔ ہم اپنے نبی کے طریقہ پر اسی وقت زندگی گزار سکتے ہیں جب ہمیں اپنے نبی کی سیرت معلوم ہو، لہٰذا ہم خود بھی سیرت کی کتابوں کو پڑھیں اور اپنے بچوں کو بھی سیرت نبوی پڑھانے کا اہتمام کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش قدم پر زندگی گزارنے والا بنائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمۃ للعالمین ﷺ کی سیرت

رب العالمین کی زبانی

مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی (ریاض، سعودی عرب)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلام عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم

وَعَلیٰ آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن.

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ عظیم الشان کلام ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لئے خالق کائنات نے اپنے آخری رسول حضور اکرم ﷺ پر نازل فرمایا۔قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم کتاب ہے جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ قرآن کریم میں موجود ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ (سورۃ الحجر آیت ۹) یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

قرآن کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں حضور اکرم ﷺ پر غار حرا میں نازل ہوئیں وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہیں: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ پڑھو اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔جس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا۔پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کریم ہے۔اس پہلی وحی کے نزول کے بعد تقریباً تین سال تک وحی کے نزول کا سلسلہ بند رہا۔تین سال کے بعد وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا آپ ﷺ کے پاس آیا اور سورۃ المدثر کی ابتدائی چند آیات آپ ﷺ پر نازل فرمائیں: یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَاَنْذِرْ. وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ. وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ. وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ. اے کپڑے میں لپٹنے والے۔اٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو۔اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو۔اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔اور گندگی سے کنارہ کرلو۔اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کی وفات تک وحی کے نزول کا تدریجی سلسلہ جاری رہا۔

خالق کائنات نے اپنے حبیب حضور اکرم ﷺ کو قرآن کریم میں عمومی طور پر یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ، یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ، یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِر اوریَا اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ جیسی صفات سے خطاب فرمایا ہے، حالانکہ دیگر انبیاء کرام کو ان کے نام سے بھی خطاب فرمایا ہے۔ صرف چار جگہوں پر اسم مبارک محمد اور ایک جگہ اسم مبارک احمد قرآن کریم میں آیا ہے۔

قرآن کریم میں چار جگہ حضور اکرم ﷺ کے نام (محمد) کا ذکر:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اور محمد ایک رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ (سورۃ آل عمران:۱۴۴)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (مسلمانو!) محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔ (سورۃ الاحزاب: ۴۰)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اور ہر اُس بات کو دل سے مانا ہے جو محمد پر نازل کی گئی ہے، اور وہی حق ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آیا ہے، اللہ نے ان کی برائیوں کو معاف کر دیا ہے اور ان کی حالت سنوار دی ہے۔ (سورۃ محمد: ۲)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحم دل ہیں۔ (سورۃ الفتح: ۲۹)

قرآن کریم میں ایک جگہ حضور اکرم ﷺ کے نام (احمد) کا ذکر:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ اور وہ وقت یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا کہ: اے بنو اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا ایسا پیغمبر بن کر آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اُس رسول کی

خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہے۔(سورۃ الصّف: ۶) معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ ہی میں حضورا کرم ﷺ کے نبی ہونے کی تصدیق فرمادی تھی۔

حضور اکرم ﷺ کا عالی مقام ومرتبہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ایسا عظیم الشان مقام عطا فرمایا ہے کہ کوئی بشر حتی کہ نبی یا رسول بھی اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتا ہے: اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ. وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ. الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ. وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (اے پیغمبر!) کیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ اور ہم نے تم سے تمہارا وہ بوجھ اتار دیا ہے، جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی۔ اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے تذکرے کو اونچا مقام عطا کر دیا ہے۔(سورۃ الشرح: ۱۔۴) دنیا میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جس میں ہزاروں مسجدوں کے مناروں سے اللہ کی وحدانیت کی شہادت کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے نبی ہونے کی شہادت ہر وقت نہ دی جاتی ہو اور لاکھوں مسلمان نبی اکرم ﷺ پر درود نہ بھیجتے ہوں۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ حضور اکرم ﷺ کا نام نامی اس دنیا میں لکھا، بولا، پڑھا اور سنا جاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ صاحب حوض کوثر

خالق کائنات نے صرف دنیا ہی میں نہیں بلکہ آپ ﷺ کو حوض کوثر عطا فرما کر قیامت کے روز بھی ایسے بلند واعلیٰ مقام سے سرفراز فرمایا ہے جو صرف اور صرف حضور اکرم ﷺ کو حاصل ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ (اے پیغمبر!) یقین جانو ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دی ہے۔ لہٰذا تم اپنے پروردگار (کی خوشنودی) کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ یقین جانو تمہارا دشمن ہی وہ ہے جس کی جڑ کٹی ہوئی ہے یعنی جس کی نسل آگے نہ چلے گی۔(سورۃ الکوثر: ۱۔۳) کوثر جنت کے اُس حوض کا نام ہے جو حضور اکرم ﷺ کے تصرف میں دی جائے گی اور آپ کی امت کے لوگ قیامت کے دن اس سے سیراب ہوں گے۔ حوض پر رکھے ہوئے برتن آسمان کے ستاروں کے مانند کثرت سے ہوں گے۔

حضور اکرم ﷺ پر درود وسلام

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف زمین میں بلکہ آسمانوں پر بھی اپنے نبی کو بلند مقام سے نوازا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا

عَلَیۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا اللہ تعالیٰ نبی پر رحمتیں نازل فرماتا ہے۔اور فرشتے نبی کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں۔اے ایمان والو! تم بھی نبی پر درود وسلام بھیجا کرو۔(سورۃ الاحزاب: ۵۶) اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کے اس مقام کا بیان ہے جو آسمانوں میں آپ ﷺ کو حاصل ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں آپ ﷺ کا ذکر فرماتا ہے اور آپ ﷺ پر رحمتیں بھیجتا ہے۔اور فرشتے بھی آپ ﷺ کی بلندی درجات کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجا کریں۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا، اللہ تعالیٰ اس پر ۱۰ مرتبہ رحمتیں نازل فرمائے گا۔ (مسلم)

حضور اکرم ﷺ کا فرمان اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

کیسا عالی شان مقام حضور اکرم ﷺ کو ملا کہ آپ کا کلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوتا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے: وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی. اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے ، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔(سورۃ النجم: ۳۔۴)

حضور اکرم ﷺ کو لوگوں کی ہدایت کی فکر

حضور اکرم ﷺ لوگوں کی ہدایت کی اس قدر فکر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ (اے پیغمبر!) شاید تم اس غم میں اپنی جان ہلاک کئے جارہے ہو کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے! (سورۃ الشعراء:۳)۔ ہمارے نبی کافروں اور مشرکوں کو ایمان میں داخل کرنے کی دن رات فکر فرماتے اور اس کے لئے ہر ممکن کوشش فرماتے ،لیکن آج بعض مسلمان اپنے ہی بھائیوں کو ان کی بعض غلطیوں کی وجہ سے ان کو کافر اور مشرک قرار دینے میں بڑی عجلت سے کام لیتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نبی رحمت بناکر بھیجے گئے

رب العالمین نے اپنے نبی کو رحمۃ للمسلمین یا رحمۃ للعرب نہیں بنایا بلکہ رحمۃ للعالمین بنایا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لئے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔(سورۃ الانبیاء: ۱۰۷) جس نبی کو سارے جہاں کے لئے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا گیا ہو، اس نبی کی تعلیمات میں دہشت گردی کیسے مل سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے ہمیشہ امن وامان کو قائم کرنے کی ہی تعلیمات دی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ خاتم النبیین ھیں

آپ ﷺ نبی ہونے کے ساتھ خاتم النبیین بھی ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے جاری نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہوگیا، یعنی اب کوئی نئی شریعت نہیں آئے گی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (مسلمانو!) محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔ (سورۃ الاحزاب: ۴۰) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

حضور اکرم ﷺ کو عالمی رسالت سے نوازا گیا

جیسا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا کہ حضور اکرم ﷺ آخری نبی ہیں، یعنی آپ کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے نبی بنایا گیا، غرضیکہ آپ ﷺ کو عالمی رسالت سے نوازا گیا، متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی عالمی رسالت کو بیان کیا ہے، یہاں صرف دو آیات پیش ہیں: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاِ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اے رسول! ان سے) کہو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ (سورۃ الاعراف: ۱۵۸) اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں سارے ہی انسانوں کے لئے ایسا رسول بنا کر بھیجا ہے جو خوشخبری بھی سنائے اور خبردار بھی کرے۔ (سورۃ سبا: ۲۸)

حضور اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ بنی نوع انسان کے لئے

چونکہ آپ ﷺ کو عالمی رسالت سے نوازا گیا ہے، اس لئے آپ کی زندگی قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے نمونہ بنائی گئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے امید رکھتا ہو۔ اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔ (سورۃ الاحزاب ۲۱) حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے نمونہ ہے، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کی سنتوں پر عمل کریں۔ آج ہم سنتوں پر یہ کہہ کر عمل نہیں کرتے کہ وہ فرض نہیں

ہیں۔سنت کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم اس پر عمل نہ کریں بلکہ ہمیں اپنے نبی کی سنتوں پر قربان ہوجانا چاہئے۔مگر افسوس وفکر کی بات ہے کہ آج ہمارے بعض بھائی سنت پر عمل کرنا تو درکنار بسا اوقات سنت کا مذاق بھی اڑاتے ہیں۔یاد رکھیں کہ حضور اکرم ﷺ کی سنت کے متعلق مذاق کرنا انسان کی ہلاکت وبربادی کا سبب ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کی تمام سنتوں کو آج بھی زندہ کر رکھا ہے، اگر اجتماعی طور پر نہیں تو انفرادی طور پر ضرور عمل ہو رہا ہے۔داڑھی رکھنا نہ صرف ہمارے نبی کی سنت ہے بلکہ نبی کے اقوال وافعال کی روشنی میں پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ داڑھی رکھنا ضروری ہے مگر آج بعض ہمارے بھائی داڑھی رکھنا تو درکنار بعض مرتبہ داڑھی کا مذاق اڑا کر اپنی ہلاکت وبربادی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی اتباع

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے اسوہ میں دونوں جہاں کی کامیابی وکامرانی مضمر رکھی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اتباع کو لازم قرار دیا، فرمان الٰہی ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ (سورۃ آل عمران: ۳۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سینکڑوں آیات میں اپنی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔کہیں فرمایا: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾، کہیں فرمایا: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَه﴾، کسی جگہ ارشاد ہے: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ اور کسی آیت میں ارشاد ہے: ﴿اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾۔ان سب جگہوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں سے ایک ہی مطالبہ ہے کہ فرمانِ الٰہی کی تعمیل کرو اور ارشاد نبوی ﷺ کی اطاعت کرو۔غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر یہ بات واضح طور پر بیان کردی کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

قرآن کے مفسر اول: حضور اکرم ﷺ

اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے: وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ لوگوں کی جانب جو حکم نازل

فرمایا گیا ہے، آپ اسے کھول کھول کر بیان کردیں، شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔ (سورۃ النحل: ۴۴) اسی طرح فرمان الٰہی ہے: وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِیْ اخْتَلَفُوا فِیْهِ (سورۃ النحل ۶۴) یہ کتاب ہم نے آپ ﷺ پر اس لئے اتاری ہے تا کہ آپ ﷺ ان کے لئے ہر اس چیز کو واضح کردیں جس میں وہ اختلاف کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیات میں واضح طور پر بیان فرمادیا کہ قرآن کریم کے مفسر اول حضور اکرم ﷺ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ آپ ﷺ امت مسلمہ کے سامنے قرآن کریم کے احکام ومسائل کھول کھول کر بیان کریں۔ اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے اقوال وافعال کے ذریعہ قرآن کریم کے احکام ومسائل بیان کرنے کی ذمہ داری بحسن خوبی انجام دی۔ صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے ذریعہ حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال یعنی حدیث نبوی کے ذخیرہ سے قرآن کریم کی پہلی اہم اور بنیادی تفسیر انتہائی قابل اعتماد ذرائع سے امت مسلمہ کو پہونچی ہے، لہذا قرآن فہمی حدیث کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

تاریخ کا سب سے لمبا سفر حضور اکرم ﷺ کے نام

تاریخ کے سب سے لمبے سفر (اسراء ومعراج) کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں بیان فرمایا ہے جس میں آپ ﷺ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ مسجد حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ کے سفر ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی﴾ کو اسراء کہتے ہیں۔ اور یہاں سے جو سفر آسمانوں کی طرف ہوا اس کا نام معراج ہے۔ اس واقعہ کا ذکر سورۂ نجم کی آیات میں بھی ہے: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی، فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی، فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی﴾۔ سورۃ النجم کی آیات ۱۳۔۱۸ میں وضاحت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے (اس موقع پر) بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی، عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی، عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی، اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی، مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی، لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیَاتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی﴾۔

حضور اکرم ﷺ کی نماز

اللہ تعالیٰ کا پیار بھرا خطاب حضور اکرم ﷺ سے ہے کہ آپ رات کے بڑے حصہ میں نماز تہجد پڑھا کریں: یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ. قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً. نِّصْفَهٗٓ اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلاً. اَوْزِدْ عَلَیْهِ

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً اے چادر میں لپٹنے والے! رات کا تھوڑا حصہ چھوڑ کر باقی رات میں (عبادت کے لئے) کھڑے ہو جایا کرو۔ رات کا آدھا حصہ یا آدھے سے کچھ کم، یا اُس سے کچھ زیادہ۔ اور قرآن کی تلاوت اطمینان سے صاف صاف کیا کرو۔ (سورۃ المزمل: ۱-۴) اسی طرح سورۃ المزمل کی آخری آیت میں اللہ رب العزت فرماتا ہے: اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ (اے پیغمبر!) تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات (تہجد کی نماز کے لئے) کھڑے ہوتے ہو اور تمہارے ساتھیوں (صحابۂ کرام) میں سے بھی ایک جماعت (ایسا ہی کرتی ہے)۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ رات کو قیام فرماتے یعنی نماز تہجد ادا کرتے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں مبارک میں ورم آجاتا۔ (بخاری) صرف ایک دو گھنٹے نماز پڑھنے سے پیروں میں ورم نہیں آتا ہے بلکہ رات کے ایک بڑے حصہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے، طویل رکوع اور سجدہ کرنے کی وجہ سے ورم آتا ہے، چنانچہ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران جیسی لمبی لمبی سورتیں آپ ﷺ ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے اور وہ بھی بہت اطمینان وسکون کے ساتھ۔ نماز تہجد کے علاوہ آپ ﷺ پانچ فرض نمازیں بھی خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ آپ ﷺ سنن ونوافل، نماز اشراق، نماز چاشت، تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کا بھی اہتمام فرماتے اور پھر خاص خاص مواقع پر نماز ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے رجوع فرماتے۔ سورج گرہن یا چاند گرہن ہوتا تو مسجد تشریف لے جاکر نماز میں مشغول ہوجاتے۔ کوئی پریشانی یا تکلیف پہنچتی تو مسجد کا رخ کرتے۔ سفر سے واپسی ہوتی تو پہلے مسجد تشریف لے جاکر نماز ادا کرتے۔ اور آپ ﷺ اطمینان وسکون کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ کے اخلاق

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنے نبی کے اخلاق کے متعلق فرماتا ہے: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہو۔ (سورۃ القلم: ۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ ﷺ کے اخلاق کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ یعنی آپ ﷺ کا اخلاق قرآنی تعلیمات کے عین مطابق تھا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الاَخْلَاقِ مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

(مسند احمد) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس حضور اکرم ﷺ کی خدمت کی، مجھے کبھی کسی بات پر اف تک بھی نہیں فرمایا، نہ کسی کام کے کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں کیا؟ اور اسی طرح نہ کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا؟ حضور اکرم ﷺ اخلاق میں تمام دنیا سے بہتر تھے، نیز خلقت کے اعتبار سے بھی آپ بہت خوبصورت تھے۔ میں نے کبھی کوئی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو حضور اکرم ﷺ کی بابرکت ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ اور میں نے کبھی کسی قسم کا مشک یا کوئی عطر حضور اکرم ﷺ کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔ (ترمذی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اللہ کے راستہ میں جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا، نہ کبھی کسی خادم کو نہ کسی عورت (بیوی باندی وغیرہ) کو۔ (ترمذی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نہ تو طبعاً فحش گو تھے نہ بتکلف فحش بات فرماتے تھے، نہ بازاروں میں خلافِ وقار باتیں کرتے تھے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معاف فرمادیتے تھے اور اس کا تذکرہ بھی نہیں فرماتے تھے۔ (ترمذی) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تین باتوں سے اپنے آپ کو بالکل علیحدہ فرما رکھا تھا: جھگڑے سے، تکبر سے اور بیکار باتوں سے۔ اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا۔ نہ کسی کی مذمت کرتے، نہ کسی کو عیب لگاتے اور نہ ہی کسی کے عیوب تلاش کرتے تھے۔ (ترمذی) ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے نبی اکرم ﷺ کے اخلاق حمیدہ کو پڑھیں اور ان کو اپنی زندگی میں لانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

حضور اکرم ﷺ کی گھریلو زندگی

قرآن کریم روز قیامت تک کے لئے لوگوں سے مخاطب ہے: ﴿وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا﴾ (سورۃ الاحزاب: ۵۳) اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد ان کی ازواج مطہرات میں سے کسی سے نکاح کرو۔ یعنی ازواج مطہرات (نبی اکرم ﷺ کی بیویاں) تمام ایمان والوں کے لئے ماں (ام المؤمنین) کا درجہ رکھتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے چند نکاح فرمائے۔ ان میں سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کنواری تھیں، باقی سب بیوہ یا مطلقہ تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلا نکاح ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا۔ حضرت خدیجہ کی عمر نکاح کے وقت ۴۰ سال تھی، یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے عمر میں ۱۵ سال بڑی تھیں۔ نیز وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے دو شادیاں کرچکی

تھیں اور ان کے پہلے شوہروں سے بچے بھی تھے۔
جب نبی اکرم ﷺ کی عمر ۵۰ سال کی ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ اس طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنی پوری جوانی (۲۵ سے ۵۰ سال کی عمر) صرف ایک بیوہ عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گزار دی۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جو اپنے شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئی تھیں، ان کی ماں بھی مسلمان ہو گئی تھیں، ماں اور شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلی گئیں تھیں۔ وہاں ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ جب اُن کا کوئی بظاہر دنیاوی سہارا نہ رہا تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نبوت کے دسویں سال ان سے نکاح کر لیا۔ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۰ سال اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۵۵ سال تھی۔ اور یہ اسلام میں سب سے پہلی بیوہ عورت تھیں۔ حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد تقریباً تین چار سال تک صرف حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہی آپ ﷺ کے ساتھ رہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی نکاح کے تین یا چار سال بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔ غرض تقریباً ۵۵ سال کی عمر تک آپ ﷺ کے ساتھ صرف ایک ہی عورت رہی اور وہ بھی بیوہ۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے چند نکاح کئے۔ یہ نکاح کسی شہوت کو پوری کرنے کے لئے نہیں کئے کہ شہوت ۵۰۔۵۵ سال کی عمر کے بعد اچانک ظاہر ہو گئی ہو۔ بلکہ چند سیاسی و دینی و اجتماعی اسباب کو سامنے رکھ کر آپ ﷺ نے یہ نکاح کئے۔ اگر شہوت پوری کرنے کے لئے آپ ﷺ نکاح فرماتے تو کنواری لڑکیوں سے شادی کرتے۔ نیز حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی عورت سے شادی نہیں کی اور نہ کسی بیٹی کا نکاح کرایا مگر اللہ کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے۔

خلاصۂ کلام:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے اوصاف حمیدہ بیان فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ نہ صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے بلکہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے نبی ورسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، اور نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم کر دیا گیا ہے، یعنی اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، یہی شریعت محمدیہ (یعنی علوم قرآن وحدیث) کل قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ غرضیکہ آپ ﷺ کو عالمی رسالت سے نوازا گیا ہے۔ اتنے عظیم وبلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپ کو مختلف طریقوں سے ستایا گیا۔ (بقیہ ص: ۱۰۱ پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقوش مبارک پور

مولانا ڈاکٹر محامد ہلال صاحب، حیدرآباد

مغل بادشاہ شاہ جہاں نے کہا تھا: مملکتِ پورب شیرازِ ماست۔ اس علم پرور بادشاہ نے جو بات کہی ہے، اس کی روشنی میں جب ہم مشرقی یوپی کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں، تو ان میں نمایاں طور پر اعظم گڑھ کا نام شیشۂ ذہن پر ابھرتا ہے، بقول اقبال سہیل:

اس خطۂ اعظم گڑھ پہ مگر فیضان تجلی ہے یکسر
جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیر اعظم ہوتا ہے

''ہندو تاریخوں اور پرانوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سرزمین قدیم زمانہ ہی سے بڑی اہمیت کی حامل رہی ہے اور اس کو رشیوں، منیوں اور سادھوسنتوں کی عبادت گاہ اور دیوی دیوتاؤں کا مسکن ہونے کا فخر حاصل ہے''۔

قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں:

''اعظم گڑھ کی مٹی میں زرخیزی اور شادابی کی شان جداگانہ ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ آج اس کے قریات وقصبات میں علم وعلما کی جو رونق اور کثرت پائی جاتی ہے، اس کی مثال پڑوسی اضلاع میں نہیں ملتی ہے''۔

اعظم گڑھ کے بیشتر قریہ وقصبات علم وفن سے مالا مال ہیں، ان ہی میں ایک علمی ودینی اور صنعتی قصبہ مبارکپور ہے، جو شہر اعظم گڑھ سے مشرق میں ۱۵ ر کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، اس وقت مردم شماری کی بنا پر اس کی آبادی تقریباً ایک لاکھ پینتیس ہزار (۱۳۵۰۰۰) پر مشتمل ہے، جس میں مختلف مذاہب، مسلک وفکر کے لوگ بستے ہیں، بیشتر حصہ مسلم آبادی پر مشتمل ہے، مبارک پور کا رقبہ ۹ ر مربع کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے، اس قصبہ کے اثرات، اطراف واکناف کے دیہاتوں پر علمی وتہذیبی طور پر پڑتے ہیں، اس قصبہ کا نام پہلے پہل قاسم آباد تھا، مبارکپور نام پڑنے کی وجہ یہاں اسلام کی شعائیں

کب نمودار ہوئیں؟ مسلمانوں کا عمل دخل کب سے شروع ہوا؟ تو اس ضمن میں یہ ہے کہ سلطان محمود غزنوی متوفی ۱۰۳۰ء کے ہمراہ ہندوستان میں جو فوج آئی، اس میں سید مسعود سالار غازی بھی تھے، غازی نے کچھ لشکر لے کر مشرقی یوپی کا رخ کیا، وہ خود بہرائچ چلے گئے اور ان کے کچھ سپاہیوں نے اعظم گڑھ کا رخ کیا، ان سپاہیوں میں ملک شدنی نام کے ایک سپاہی تھے۔

قاضی اطہر مبارکپوری رقم طراز ہیں:

''ہماری تحقیق میں ملک شدنیؒ یہاں کے قدیم ترین بزرگوں میں سے ہیں، جو پانچویں صدی میں مسعود سالار غازیؒ کے زمانے میں بسلسلۂ جہاد شہید ہوئے، آپ کا مزار مبارکپور کے شمال مشرق میں چند فرلانگ پر ''سریاں'' نامی بستی سے متصل شمال میں ایک پُر فضا باغ میں تالاب کے پاس واقع ہے اور اسی سے متصل مغرب میں ملک شدنی موضع آباد ہے''۔

ملک شدنی کے مزار کے علاوہ اس قصبہ میں اور اطراف واکناف میں کئی مزارات اور شہید واڑے ہیں، مگر ان کی تاریخ مجہول ہے، نیز نوابانِ اودھ کا عمل دخل ہونے کی وجہ سے اس قصبہ میں اور باہر روضے اور امام باڑے بھی خال خال مل جائیں گے۔

یہ قصبہ عہد غزنوی سے عہد ہمایوں تک زوال وانحطاط سے کافی دوچار ہونے کے بعد سلطان محمد نصیرالدین ہمایوں کے زمانے میں از سرنو حضرت راجہ سید مبارک شاہ قصبہ مانک پوری دسویں صدی ہجری میں یہاں آ کر قاسم آباد کے کھنڈروں پر اپنے نام سے مبارکپور قصبہ کی نئی تعمیر کی، انھوں نے اپنے ہمراہ مانک پور سے ایک علمی، دینی اور روحانی خانوادہ لا کر مبارک پور میں بسایا اور ان پر قصبہ اور اطراف کی نیابت قضا، دینی امور کا معتمد ومتولی جیسے اہم ذمہ داری سونپ کر ۲؍شوال ۹۶۵ھ میں وہ مانک پور واپس جا کر جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

اسی خانوادہ کے چشم وچراغ مؤرخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوریؒ ہیں، معاشی اور اقتصادی اعتبار سے قصبہ مبارکپور خدا کے فضل سے مستحکم ہے، یہاں کی خاص صنعت پارچہ بافی ہے، ریشمی ساڑیاں عمدہ بیل بوٹے کے ساتھ، بنارسی ساڑی کے نام سے تیار کی جاتی ہیں، ملک اور بیرونِ ملک بھیجی جاتی ہیں، جو دنیا بھر کی شادیوں میں مسرت وشادمانی کا خصوصی لباس بنتی ہیں، اس کی تیاریوں میں گھر کا ہر فرد کسی نہ کسی طرح شریک ہوتا ہے، یہ بھی اللہ کا قصبہ مبارکپور پر کس قدر احسان ہے کہ روزی اس کے آنگن میں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس صنعت سے بلا امتیاز مذہب وملت لوگ وابستہ

ہیں، قصبہ مبارک پور میں یا اطراف قصبہ سے ہندو، مسلم دونوں مل کر ساڑیاں بناتے ہیں اور فروخت بھی کرتے ہیں، یہ ایک قومی یک جہتی کا بہترین نمونہ ہے اور ہر ایک دوسرے سے اپنے اپنے چراغ روشن کرتے ہیں، جس سے آپس میں وہ خوش وخرم نظر آتے ہیں۔ ملک کی معاشی وسیاسی صورت حال کی وجہ سے اس اہم صنعت پر خاصا اثر پڑا ہے، کاش کہ حکومت اس صنعت پر خاص توجہ دیتی، تو قصبہ مبارکپور اور اس جیسی صنعت والوں کو راحت اور ملک کی نیک نامی ہوتی اور کچھ اس صنعت کی وجہ سے ملک کا معاشی نظام بھی مستحکم ہوتا۔

اس قصبہ کے افراد اپنی معاشی فکر کے ساتھ علم وفضل، سیاست وحکومت اور شعر وادب کے میدان میں ہند اور بیرونِ ہند میں نمایاں مقام رکھتے ہیں؛ کیوں کہ وہ علم وفضل اور قرآن وحدیث کی تعلیم کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور یہی مذہب اسلام کی تعلیم اور پیغام ہے۔ علی میاں ندویؒ ''ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں'' میں ص:۱۱ پر لکھتے ہیں:

''وہ جس وقت عرب سے نکلے، ان کے ہاتھ میں فتح ونصرت کی تلوار اور دوسرے علم وفن کا چراغ تھا، جو ملک ان کے زیرنگیں آیا، وہاں انھوں نے فضل وکمال کی بزم چراغاں برپا کردی''۔

قصبہ مبارکپور میں شروع شروع میں گھروں پر ہی تعلیم کا عام رواج تھا، پھر مساجد میں اس کا اہتمام آیا، موجودہ دور میں شعبۂ قراءت حفص وحدر کی تعلیم پورے قصبہ کے لیے رحمت وسعادت ہے اور ملک اور بیرون ملک کے لیے قابل مثال ہے، جو آج بھی مساجد میں جاری ہے۔ قصبہ مبارکپور میں مساجد کی کثرت کے ساتھ مدارس اور مکاتب کا جال بچھا ہوا ہے، جو مختلف مشرب ومسلک کی نمائندگی کرتے ہیں، اور اپنی دینی، ملی، تبلیغی خدمات سے نہ صرف اطراف واکناف بلکہ پورے ہندوستان میں ایک نمایاں اور امتیازی مقام کے حامل ہیں، شب کی تاریکی میں، دن کے اجالے میں قصبہ کا تہذیب وتمدن اسلامی تعلیمات کی کسی نہ کسی طرح عکاسی کرتا ہے اور اس کے کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ یہ مدارس اسلامیہ کی برکت اور خدا کا خاص فضل وکرم ہے۔

اس قصبہ سے مؤرخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوری، مولانا ظفرحسن عینی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبیداللہ رحمانی، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری وغیرہ کا تعلق ہے، جن کی شناخت اہل علم کے عالمی منظرنامے میں ہوتی ہے۔ یہ قصبہ قدیم وجدید تعلیم کے معاملے میں بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ عربی مدارس کے علاوہ انگریزی ادارے چھوٹے بڑے، قدیم وجدید خاصی تعداد

میں موجود ہیں، لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ لڑکیوں کی بھی تعلیم کا انتظام ہے، کئی نسواں ادارے قائم ہیں، جو دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم سے آراستہ کرتے ہیں۔ دور حاضر میں متعدد پبلک اسکول قائم ہوئے ہیں اور اس وقت نسواں ڈگری کالج قائم ہو چکا ہے، اس قصبہ میں کئی عربی مدارس ہیں جو مختلف مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں: جامعہ عربیہ احیاء العلوم، باب العلم، دارالعلوم اشرفیہ، دارالتعلیم وغیرہ ہیں، اول الذکر جامعہ عربیہ احیاء العلوم فقہ حنفی اور دیوبندی مکتب فکر کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔

احیاء العلوم کا قیام اس وجہ سے ہوا تھا کہ مبارکپور سے بدعات وخرافات اور جاہلانہ رسم ورواج کا خاتمہ کیا جائے، چنانچہ ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم کا قیام عمل میں آیا اور ابتدائی مرحلے ہی سے احیاء سنت کا نعرۂ حق بلند کیا اور اس کے اثرات بھی ظاہر ہوتے ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ جامعہ کے پہلے مہتمم مولانا حکیم الٰہی بخشؒ ہیں، اس وقت یہ مدرسہ مکتب کی شکل میں تھا، اس کی اپنی ذاتی کوئی عمارت نہ تھی، محلّہ پورہ رانی میں ایک جگہ درس وتدریس کا نظام تھا، پھر مدرسہ ''مسجد دینا بابا'' میں منتقل ہوا، جامعہ کے پہلے مدرس حضرت مولانا حکیم محمد محمود صاحب معروفیؒ ہیں: فتاویٰ احیاء العلوم کے مرتب مفتی جمیل احمد نذیری ص:۱۶ کے حاشیہ پر لکھتے ہی:

''یہ حسنِ اتفاق بھی کتنا مبارک ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے استاذ بھی مولانا محمودؒ ہیں اور احیاء العلوم کے پہلے استاذ بھی ان ہی کے ہم نام یعنی مولانا محمود، ظاہر ہے کہ اس حسن توافق کا کچھ اثر تو جامعہ عربیہ احیاء العلوم پر آنا ہی چاہئے تھا اور الحمدللہ آیا بھی''۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جامعہ کے دوسرے مہتمم حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مبارکپوریؒ ہیں، خدا نے انھیں دین کی خدمت کا ملکہ عطا فرمایا تھا، آپ کی زندگی صلاحیت وصالحیت کا حسین مرقع تھی اور آپ ہی کے زمانے میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم نے ترقی کے منازل طے کئے، آپ نے اپنی شب وروز کی محنت اور انتھک کوششوں سے قصبہ مبارکپور مین ایک عظیم الشان جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کی تکمیل کے لیے تاحیات کوشاں رہے۔ آپ ہی کے زمانے میں جامعہ کے فرزندوں نے تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وخطابت کے ذریعہ جامعہ کو ملکی طور پر ہی نہیں، بلکہ عالمی پیمانے پر اس کی شناخت بنائی، جس کے نتیجے میں جامعہ کو مشرقی یوپی کا دینی وعلمی مرکز قرار دیا گیا تھا۔

قصبہ کی عوام اور علما نے مولانا شکر اللہ صاحب کے ساتھ اوران کی ایماء پر جنگ آزادی میں حصہ لیا، کچھ لوگوں کو اور مولانا شکر اللہ صاحب کو انگریزوں نے چھ ماہ قید با مشقت کی سزا بھی دی، مگر اپنے اساتذہ واکابر کی طرح حالات کا ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور کامیاب بھی رہے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بھتیجے حضرت مولانا عبدالباری صاحب قاسمی کو اپنی فکری جولان گاہ میں داخل کردیا تھا، چنانچہ مولانا شکر اللہ صاحب کی وفات کے بعد مولانا عبدالباری صاحب نے ان کے بچے ہوئے کاموں کی تکمیل کی اور جامعہ کو مزید ترقی کی راہ پر ڈال دیا، ان کا زمانہ جامعہ کا زریں دور کہلاتا ہے۔ قصبہ مبارکپور میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم کی نسبت سے بڑے بڑے اکابر تشریف لائے، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا منظور نعمانیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، وغیرہ تفصیل کافی طویل ہے۔ یہ قصبہ ہمیشہ سے علم وادب کا مرکز رہا ہے، یہاں کی مردم خیز زمین نے ایک سے بڑھ کر ایک دانشور، مفکر، مدبر، ادیب اور شاعر پیدا کیے ہیں، جو شعر وسخن اور ادب میں آفتاب وماہتاب بن کر چمکے۔

ایک زمانہ تھا کہ یہ قصبہ مبارکپور عطا شفا، غلام حسین خاکی، حبیب اللہ حبیب، علی حسن حسن، افتخار احمد رہبر، اور منشی سہد یورام کیف کا مسکن تھا۔ پھر اس کے بعد یہی قصبہ ارشاد احمد جوہر، قاضی اطہر، مولانا عبدالحمید ناظر، نذیر احمد فراز، ڈاکٹر محسن ادیبی، مولانا عثمان ساحر، قمر الزماں زماں، منظور احمد منظور، اور ظہیر احمد مضطر کا عزیز وطن بنا، اسی سرزمین میں مولانا خلیل گوہر، ایوب مبارکپوری، شرر مصباحی، حماد مبارکپوری، محمد احمد کوثر، حافظ محمد عمر اور غلام مصطفیٰ وغیرہ نے اپنی سخن فہمیوں اور سخن سازیوں کا جادو بکھیرا، گویا مبارکپور عطا، شفا اور خاکی سے لے کر آج تک گہوارۂ شعر وادب بنا ہوا ہے۔

نقوش مبارکپور کا عنوان بڑی وسعت رکھتا ہے، یہ مختصر مقالہ اس کا متحمل نہیں ہوسکتا، اس پر ایک ضخیم کتاب تیار کی جاسکتی ہے، ان شاء اللہ کوشش کی جائے گی۔

کتابیات

(۱) فتاویٰ احیاء العلوم مفتی جمیل احمد نذیری (۲) حیات شبلی سید سلیمان ندویؒ
(۳) مئے طہور قمر الزماں مبارکپوری (۴) سخنوران اعظم گڑھ قمر الزماں مبارکپوری
(۵) تذکرہ علماء مبارکپور قاضی اطہر مبارکپوری (۶) دیار پورب میں علم اور علماء قاضی اطہر مبارکپوری
(۷) ضیاء الاسلام (قاضی اطہر نمبر) مولانا ضیاء الحق خیرآبادی (۸) فیوض بمہور محمد محامد ہلال اعظمی
(۹) قومی زبان ماہنامہ حیدرآباد محمد ارشد مبین زبیری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اچھے نام رکھنے کی تاکید وترغیب

مولانا محمد احمد سکندر قاسمی، نوادہ، مبارک پور
استاذ مدرسہ تعلیم الاسلام (جامع مسجد) شہر اعظم گڑھ

اولاد نعمتِ عظمیٰ ہیں، اللہ کی امانت ہیں، ان کی اصلاح وتربیت ایک بڑی ذمہ داری ہے، شریعت نے جس طرح تمام لوگوں کے حقوق وفرائض کی نشاندہی فرمائی ہے اسی طرح والدین کے فرائض کی بھی نشاندہی فرمائی ہے، والدین کے فرائض میں سے ایک فرض اولاد کا اچھا نام رکھنا ہے۔ نام تعریف وتعارف کا سبب ہے، تشخیص وتعیین کا رہنما ہے، اشخاص سے امتیاز کا آلہ ہے، نام معانی کے قالب ہیں، نام اپنے مسمیٰ کی شخصیت پر بڑا موٴثر ہے، انسان اپنے نام کی اچھائی یا برائی سے ضرور متاثر ہوتا ہے، اسی کے پیش نظر ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِاَسْمَآءِ کُمْ وَاَسْمَآءِ آبَاءِ کُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَآءَ کُمْ. (مشکوٰۃ ص ۴۰۸)

تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے آباء کے ناموں سے پکارے جاؤ گے۔ پس اپنے نام اچھا رکھا کرو۔

مسمیٰ کی شخصیت پر نام کے اثر انداز ہونے کی مثال حدیث رسول کے آئینے میں ملاحظہ فرمائیں، سعید بن مسیّبؒ نے فرمایا:

اِنَّ جَدَّهٗ حَزْنًا قَدِمَ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ مَااسْمُکَ قَالَ اِسْمِیْ حَزْنٌ. قَالَ بَلْ اَنْتَ سَهْلٌ قَالَ مَااَنَا بِمُغَیِّرٍ اِسْمًا سَمَّانِیْهِ اَبِیْهِ قَالَ اِبْنُ الْمُسَیِّبِ فَمَازَالَتْ فِیْنَا الْحَزُوْنَةُ بَعْدُ. (رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۴۰۹)

سعید بن المسیب جن کے دادا جن کا نام حزن تھا، حضور ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے، آپ ﷺ نے ان سے ان کا نام پوچھا، انھوں نے جواباً فرمایا: میرا نام ''حزن'' ہے (جس کا معنی سختی ہے) حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارا نام سہل ہے، (جس کا معنی آسان ہے) لیکن انھوں نے اپنے باپ

دادا کا رکھا ہوا نام نہیں بدلا، جس کا نتیجہ ہوا کہ ان کی خاندان واولاد میں برابر سختی رہی۔

اچھا نام رکھنے میں سراسر فائدہ ہے، غلط اور بے معنی نام رکھنے میں سو فیصد نقصان ہے، اسلامی نام رکھنے میں صحیح العقیدہ، اسلامی تہذیب وتمدن کی عکاسی ہوتی ہے، غیر اسلامی نام رکھنے میں بدعقیدگی اور غلط تہذیب نمایاں ہوتی ہے۔ ہم مسلمان ہیں، ہمارا اور ہماری اولاد کا اسلامی نام ہونا ایمانی فریضہ ہے، غیر اسلامی اور بازاری نام رکھنا دوسری قوموں کے ناموں سے مشابہت اختیار کرنا نقص ایمان کی علامت ونشانی ہے۔

یہ تو ہر انسان کو معلوم ہے کہ ہر چیز کی کوئی علت ووجہ ہوتی ہے، تو آخر اچھے نام رکھنے کی بھی کوئی وجہ ضرور ہونی چاہئے، آخر وجہ کیا ہے؟ اس کا سبب کیا ہے؟ تو قربان جایئے ہادیٔ عالم محبوب خدا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ انھوں نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاَسْمَآءِ كُمْ وَاَسْمَآءِ آبَاءِ كُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَآءَ كُمْ. (مشکوٰۃ ص۴۰۸)	تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے آباء کے ناموں سے پکارے جاؤگے۔ پس اپنے نام اچھا رکھا کرو۔

اچھے نام کیا ہیں؟ اسلامی نام کا مواد کیا ہے؟ اچھے اور برے اسماء میں تفریق وتمیز کا معیار کیا ہے؟ اس کی بھی صراحت کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تُسَمُّوْا بِاَسْمَآءِ الْاَنْبِيَاءِ وَاَحَبُّ الْاَسْمَاءِ اِلٰى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَاَصْدَقُهَا حَارِثٌ وَ هُمَامٌ وَاَقْبَحُهَا حَرْبٌ وَمُرَّه رواه ابو داؤد. (مشکوٰۃ ۴۰۹)	نبیوں کے ناموں پر نام رکھو، اللہ تعالٰی کے نزدیک سب سے پیارا نام عبداللہ، عبدالرحمٰن ہے۔ سب سے سچا نام حارث، ہمام ہے۔ سب سے برا نام حرب، مرہ ہے۔

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

لاتسمین غلامک یساراً ولارباحاً ولانجیحاً ولا افلح فانک تقول اثّم هو؟فلایکون فتقول لا. (مشکوٰۃ ص۴۰۷)

اپنے بیٹے کا نام یسار (مالداری) رباح (نفع) نجیح (مبارک بادی) افلح (کامیاب) نہ رکھو۔ (اگر تم نے یہ نام رکھا اور کسی نے دروازے پر آکر بچے کا نام لے کر) پوچھا وہ گھر میں ہے؟

اتفاق سے وہ گھر میں نہ ہو، پس تم نے جواب دیا نہیں، (گویا یہ ایک بدشگونی ہوگی۔ گھر مالداری، کامیابی، مبارک بادی اور نفع ہونے کی نفی ہوگی۔)

ایک دوسری حدیث میں فرمان نبویؐ ہے:

روزِ قیامت اللہ کے نزدیک کسی شخص کا سب سے برا نام ''ملک الاملاک'' شہنشاہ، ملک معظم ہوگا۔ (بخاری، مشکوٰۃ ۴۰۷)

احادیث نبویہ کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ جن ناموں سے عبدیت وبندگی کا اظہار ہو، رسول وپیغمبر کے اسماء، اصحاب نبی، صحابہؓ کے محترم نام، ازواج مطہرات اور صحابیات کے نام، صحیح المعنی اسماء اسلامی اور اچھے نام ہیں۔ لہٰذا ہمیں ایسے نام کو تجویز کرنا چاہئے جن سے عبدیت وبندگی کی بوآتی ہو، انبیاء ورُسل کے نام، بزرگوں کے نام، ازواج مطہرات، صحابیات کے اسماء۔ تاکہ ان ناموں کے اثرات مسمیٰ کی شخصیت پر بہتر ہوں، ایسے ناموں سے پرہیز کرنا چاہئے جن سے شرک ومعصیت کی بوآتی ہو، جنگ وجدال کے معنی ظاہر ہوتے ہوں، چنگاری وآگ کے معنی کا پتہ چلتا ہو، غلاظت وسختی کے معنی رونما ہوتے ہوں، برے اخلاق کی نشاندہی ہوتی ہو، بے معنی اور غلط معنی ہوں، شہنشاہیت وکبریائی کا ظہور ہوتا ہو، بازاری گرے پڑے چُنو، مُنّو، گڈّو نام ہوں۔

احادیث کریمہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر برے نام ہوں تو اسے بدل دیا جائے، اور صحیح المعنی اسلامی نام رکھا جائے، ناموں کے حسن وقبح کا رسول اعظمؐ کو اس قدر احساس تھا کہ برے نام سنتے تو اسے بدل دیتے تھے۔

عَن عائشةؓ قالت ان النبی ﷺ کان یغیر الاسم القبیح. (مشکوٰۃ ۴۰۸)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برے نام کو بدل دیتے تھے۔

چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ کی ایک بیٹی کا نام عاصیہ تھا جس کا معنی نافرمان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جمیلہ رکھ دیا۔ جس کا معنی خوبصورت اور خوش شکل ہے۔ (مسلم)

اسی طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرم، شہاب، عاص، صرف، عزیز، شیطان، حکم، غراب، حباب، برہ، عتلہ وغیرہ ناموں کو بدلا ہے۔

قال (ابوداؤد) وغیّر النبی ﷺ اسم العاص وعزیز وعتلة وشیطان والحکم وغراب وحباب وشهاب وقال ترکت اسانیدها للاختصار. (مشکوٰۃ ص۴۰۸)

لیکن آج ہمارا معاشرہ اتنا جدت پسند اور مغربی تہذیب سے اتنا متاثر ہو گیا ہے کہ ناموں کے انتخاب کا معیار جدت و نیا پن ہو گیا، خواہ معنی و مفہوم کچھ ہوں۔ اسلامی نام ہمیں پسند نہیں، ان کا انتخاب ہمیں گوارا نہیں، انبیاؑء، صحابہؓ کے نام سے پرانے پن کی بو آتی ہے، صحابیات ازواج مطہرات کے نام میں جدت نظر نہیں آتی، ہمیں تو اب بازاری گرے پڑے نام پیارے ہیں، ہیرو ہیروئن، بدنام زمانہ کے نام رکھنا محبوب ہے، ہیرو ہیروئن کے القاب دل کو لگتے ہیں، انگریزی، غیر دینی نام رکھنا باعث فخر ہے، چنانچہ پپو، للو، ہٹلر، سمینہ، قیصر جیسے بازاری بے معنی غلط معنی نام کی کثرت سے پیداوار ہے، بلانے پکارنے کیلئے ان ناموں کے استعمال کو قابل فخر محسوس کرتے ہیں۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔

آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ آج یہ دن کیوں دیکھنا پڑا ہے، ہمارا سماج و معاشرہ اس ڈگر پر کیوں چل رہا ہے؟ بس اس لئے کہ ہمارے دلوں میں اسلام کی عظمت نہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی عظمت و محبت نہیں۔ ہمیں اپنے آپ کو اپنی اولاد کو صحیح بنانے کی فکر نہیں، ہم نے اپنے قلوب میں فانی دنیا کی وقعت و حیثیت کو جگہ دی ہے، غیروں کی مشابہت کو اختیار کیا ہے۔ حالانکہ محبوب خدا نے فرمایا:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. جو جس قوم سے مشابہت اختیار کرے، وہ اسی میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو احکام اسلام کا پابند بنائے۔ آمین۔

☆☆☆

(بقیہ ص:۳۶ کا)

اس بچے کے کسب اور محنت سے وہ لوگ کھا رہے تھے، جب وہ بڑا ہوا تو اسی کو ذبح کر کے کھا گئے۔

ہارون رشید نے جب یہ مکالمہ سنا تو اس امید پر پھر کمرے میں داخل ہو گئے کہ ہو سکتا ہے کہ اب دینار قبول کر لیں، فضیل بن عیاض کو جب احساس ہوا کہ خلیفہ پھر سے کمرے میں آ گئے ہیں تو وہ کمرے سے نکل کر چھت پر چلے گئے، ہارون رشید بھی ان کے پیچھے چھت پر آ گئے، اور ان سے بات کرنے کی کوشش کی، مگر انہوں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک کالی سی لڑکی آئی اور ہارون رشید سے کہا کہ آپ شیخ کو بہت تکلیف دے چکے ہیں، اب خدا کے واسطے چلے جایئے، یہ سن کر ہارون رشید وہاں سے رخصت ہو گئے۔ (صفۃ الصفوۃ۔ ص ۳۸۸)

حضرت فضیل بن عیاض کی وفات ۱۸۷ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمان الرحیم

تہجد گزار بندے

حضرت فضیل بن عیاض بن مسعود بن بشر علیہ الرحمہ

مولانا محمد عرفات اعظمی

استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ نے ''تہجد گزار بندے'' کے عنوان سے ایک سلسلۂ مضمون شروع کیا تھا، جو بہت مقبول ہوا، اور کتابی صورت میں بھی شائع ہوا، اس کے کئی ایڈیشن چند سال میں نکل گئے، ابھی حال میں اس کا مکمل ایڈیشن ''مکتبہ ضیاء الکتب خیر آباد'' سے شائع ہوا، جو ۲۷۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمد عرفات سلّمہٗ نے ارادہ کیا کہ اس سلسلے کو حضرت مولانا کے انداز پر آگے بڑھایا جائے، یہ مضمون اسی کی ایک کامیاب کوشش ہے، اللہ تعالیٰ انھیں توفیق بخشیں کہ وہ اسے بحسن وخوبی تکمیل تک پہونچائیں، آمین۔ (ضیاء الحق خیر آبادی)

حضرت فضیل بن عیاض گروہ اولیا واتقیا کے اس حلقے سے تعلق رکھتے ہیں جن کے نفس نفس کی پاکیزگی کی قسم کھائی جاسکتی ہے، جن کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا رضائے الٰہی کے حصول کے لئے وقف تھا، جن کے احساسات وجذبات، کیفیات وواردات کا محور صرف اور صرف خداوند قدوس کی رضا جوئی تھا، جن کے سارے تگ وتاز کی تان تقوی وخشیت الٰہی پر آ کر ٹوٹتی تھی۔

آپ سمرقند میں پیدا ہوئے، ابیورد میں آپ کی نشو ونما ہوئی، تحصیل علم حدیث کے لئے بڑی عمر میں کوفہ پہونچے، اور حضرت منصور، اعمش، بیان بن بشر، حصین بن عبدالرحمان، لیث، عطا بن السائب، ابواسحاق شیبانی، ابن ابی یعلی، جعفر الصادق اور حمید الطّویل سے حدیث کی سماعت کی۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک، یحییٰ بن القطان، عبدالرحمان بن مہدی، ابن عیینہ، الاصمعی، عبدالرزاق، امام شافعی، ابن وہب، مسدد، قتیبہ جیسے اساطین نے آپ سے حدیث بیان کی۔

فضیل بن عیاض کی ابتدائی حالت اچھی نہیں تھی، یہ ڈاکو تھے اور راہ چلتے مسافروں کو لوٹا

کرتے تھے، بعد میں توفیق الٰہی متوجہ ہوئی اور وہ اس فعل سے نہ صرف تائب ہوئے بلکہ اپنے زمانہ کے اولیاء وصالحین کے سردار بنے، ان کی توبہ کا واقعہ بھی دلچسپ ہے۔

فضل بن موسیٰ کی روایت ہے کہ فضیل بن عیاض ابیورد اور سرخس کے درمیان ڈاکہ زنی کیا کرتے تھے، ان کے توبہ کا سبب ایک لڑکی کا عشق بنا۔ ایک دن دیوار پر چڑھ کر اپنی محبوبہ کو دیکھ رہے تھے کہ اچانک ان کی سماعت سے یہ آیت ٹکرائی '' اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ '' (سورہ حدید ۱۶) کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو کہ گڑگڑائیں ان کے دل اللہ کی یاد سے۔ (ترجمہ شیخ الہند) آیت کا سننا تھا کہ ان کی حالت متغیر ہوگئی، بے ساختہ زبان سے نکلا ''بلیٰ یارب قد آن''. (کیوں نہیں اے رب! وہ وقت آ گیا) وہاں سے اپنے اڈے پر آئے، دل کی دنیا زیر وزبر ہوچکی تھی، شرمسار و پشیمان بیٹھے تھے کہ ایک قافلے کا گزران کے قریب سے ہوا، رات ہوچکی تھی، قافلہ میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم ٹھہریں گے نہیں، سفر جاری رکھیں گے، دوسرے نے کہا کہ نہیں، بلکہ یہیں پڑاؤ ڈال دیتے ہیں، صبح کو آگے چلیں گے، کیوں کہ اگر اس وقت آگے بڑھے تو فضیل ہمیں لوٹ لے گا۔ دل کی حالت تو پہلے ہی سے دگرگوں تھی، مسافروں کے اس مکالمے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ سوچا کہ رات میں مَیں خدا کی نافرمانی اور ڈاکہ زنی کرتا ہوں، میری اس حرکت سے مخلوق خدا کس قدر خوف زدہ ہے؟ یہ سوچ کر فوراً خدا کے حضور تائب ہوئے اور ڈاکہ زنی کے پیشہ کو ترک کرنے کا عزم کرلیا۔

ان کی یہ توبہ بارگاہ رب العزت میں قبول ہوئی، اور ایسی قبول ہوئی کہ باید وشاید، پھر تو عالم اسلام کے افق پر ان کا نام ایسا روشن ہوا کہ آج بھی اس کی تابانی محسوس ہوتی ہے۔ علماء اسلام اور زہاد مسلمین میں ایک خاص وممتاز مقام پر فائز ہوئے، عالم اسلام کے معتبر اور مستند شیوخ نے ان پر اطمینان کا اظہار کیا اور ان کے ثقہ ہونے کی گواہی دی۔ کچھ شہادتیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

سفیان بن عیینہ نے کہا کہ فضیل بن عیاض ثقہ ہیں۔

عجلی فرماتے ہیں کہ فضیل بن عیاض ثقہ، عبادت گزار اور صالح انسان ہیں۔

ابوحاتم نے کہا کہ فضیل بن عیاض صدوق ہیں (بہت سچے ہیں)

نسائی نے کہا کہ فضیل بن عیاض ثقہ، مامون اور صالح انسان ہیں۔ دارقطنی نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا۔

محمد بن سعد نے کہا کہ فضیل بن عیاض خراسان میں پیدا ہوئے، ابیورد میں پرورش

ہوئی، خاصی عمر ہو چکی تھی تب کوفہ آئے، منصور وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی، پھر عبادت وریاضت میں لگ گئے، اور مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے۔ خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں ۱۸۷ھ میں مکہ میں انتقال ہوا۔ وہ ثقہ، فاضل، عبادت گزار، پرہیز گار اور کثیر الحدیث تھے۔

عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ میں نے سب سے زیادہ عبادت گزار عبدالعزیز بن رواد کو، سب سے زیادہ پرہیز گار فضیل بن عیاض کو، سب سے بڑا عالم سفیان ثوری کو اور سب سے بڑا فقیہ ابوحنیفہ کو پایا، فقہ میں ابوحنیفہ جیسا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

ابراہیم بن شماش کہتے ہیں کہ فقہ، پرہیز گاری اور علم میں وکیع، فضیل اور ابن مبارک سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں پایا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۹۳)

ابراہیم بن اشعث بیان کرتے ہیں کہ میں نے فضیل بن عیاض سے زیادہ خدا کا استحضار رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا، جب خدا کا ذکر کرتے یا قرآن سنتے تو ان پر خشیت کی کیفیت طاری ہو جاتی، آنکھیں ڈبڈبا جاتیں، بسا اوقات اس شدت سے گریہ طاری ہوتا کہ حاضرین مجلس کو ان پر ترس آنے لگتا۔ ہمیشہ مغموم اور فکر مند رہا کرتے تھے۔ مزید کہتے ہیں کہ فضیل بن عیاض ایسے شخص ہیں جن کا علم، جن کی سخاوت، جن کی محبت ونفرت، سب رضائے الٰہی کے محور پر گردش کرتی ہیں۔

کسی جنازے میں ہوتے تو مسلسل لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے رہتے، اور روتے رہتے، جب قبر کے پاس پہونچتے تو ایسے رہتے جیسے مردوں کے درمیان ہوں، یعنی غم وگریہ کے آثار ان کے چہرے پر ہوتے، اور جب تدفین کے بعد واپس لوٹتے تو ایسا لگتا جیسے آخرت سے لوٹ رہے ہوں۔

محمد بن حاتم کی روایت ہے کہ فضیل بن عیاض نے کہا کہ اگر مجھے اختیار دیدیا جائے کہ میں جہانِ آخرت میں جاؤں اور جنت میں داخل ہو جاؤں، یا سرے سے اُس دنیا میں جاؤں ہی نہیں، تو میں نہ جانے کو پسند کروں گا۔ محمد بن حاتم نے پوچھا کہ آیا اس کی وجہ اللہ سے شرم ہے یا کچھ اور؟ تو جواب دیا کہ محض خدا سے شرم کی وجہ سے میں ایسا کروں گا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر مجھے اختیار مل جائے کہ میں کتوں کے ساتھ رہوں اور انہیں کے ساتھ مروں، اور مجھے قیامت کے دن حساب وکتاب کیلئے نہیں اٹھایا جائے گا، تو میں اس کو اختیار کر لوں گا۔

فرمایا کہ اگر لوگوں کو موت کی حقیقت معلوم ہو جائے تو ان کا کھانا پینا اور دنیا سے نفع حاصل کرنا، سب چھوٹ جائے، نہ شادی کریں اور نہ ہی اولاد کی خواہش کریں۔ مجھ کو سب سے زیادہ خوشی

اس وقت ہوگی جب میں موت کی حقیقت کو خوب اچھی طرح سے جان لوں، اور میری عقل خبط ہوجائے اور حطام دنیا سے انتفاع کا سلسلہ یکسر منقطع ہوجائے۔

اسحاق بن ابراہیم کا بیان ہے کہ میں نے فضیل بن عیاض سے زیادہ اپنے نفس سے غیر مطمئن اور خدا کی ذات سے پر امید کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ غمگین لہجہ میں آہستہ آہستہ تلاوت کیا کرتے تھے، جیسے کسی سے مخاطب ہوں، اور جب کسی ایسی آیت پر پہونچتے جس میں جنت کا ذکر ہوتا تو اس کو بار بار دہراتے۔ وہ رات میں مسجد میں کنکر بچھا دیتے، اور نماز میں مشغول ہوجاتے، جب نیند کا غلبہ ہوتا تو کنکروں پر تھوڑی دیر کے لئے سو رہتے، اور پھر اٹھ کر نماز میں لگ جاتے، پھر جب نیند کا زور ہوتا تو کنکر پر پڑ رہتے اور تھوڑی دیر کے بعد اٹھ کر نماز میں مصروف ہوجاتے۔ یہ سلسلہ صبح تک چلتا رہتا۔

وہ درست بات کہنے والے زبان کے سچے انسان تھے، جناب نبیﷺ کی حدیث بیان کرتے وقت ان پر ہیبت طاری ہوجاتی تھی، حدیث پاک کا بیان کرنا ان کے لئے ازحد مشکل ہوا کرتا تھا، بسا اوقات کہا کرتے تھے کہ اگر مجھ سے درہم ودینار کا مطالبہ کیا جائے تو حدیث بیان کرنے کے مقابلہ میں، وہ دینا میرے لئے آسان ہے۔

ان کا یہ کہنا غایت احتیاط وتقوی کی وجہ سے ہے کہ مبادا حدیث کے ادب کے خلاف کوئی بات یا حرکت سرزد ہوجائے اور سوءِ ادب کا وبال سر پر آجائے۔

فرمایا کہ جب اللہ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کی آزمائش بھی زیادہ ہوتی ہے، اور اس کی محبت مخلوق کے دل میں راسخ کردیتا ہے۔ اور جب کسی کو ناپسند کرتا ہے تو اس پر دنیا کے دروازے کھول دیتا ہے، یعنی اس کے پاس مال ودولت کی فراوانی ہوجاتی ہے۔

اسحاق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے سن رکھا تھا کہ فضیل بن عیاض کہتے ہیں کہ رب العزت کی قسم، اگر مجھے جہنم میں بھی داخل کردیا جائے تو بھی میں خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں گا۔ ایک مرتبہ میں ان کے ساتھ وقوف عرفہ میں تھا، میں نے دیکھا کہ وہ داہنے ہاتھ کو چہرے پر اور دوسرے کو سر پر رکھے مسلسل آنسو بہا رہے ہیں، یہاں تک کہ کوچ کا وقت ہوگیا۔ پھر آسمان کی طرف دیکھا اور صرف اتنا کہا ''ہائے میری برائیاں! اگر آپ معاف فرمادیں تو یہ محض آپ کا فضل ہے''۔

فرمایا کہ اگر دنیا بتمام وکمال حلال بنا کر مجھے پیش کردی جائے اور یہ بھی کہہ دیا جائے کہ آخرت میں مجھے اس کا حساب نہیں دینا ہے، تب بھی میں اس سے ایسے ہی بچ بچا کر نکلنے کی کوشش

کروں گا جیسے راستہ چلنے والا مردار سے بچ کر نکلتا ہے۔

فرمایا کہ دل میں اسلام اس وقت تک راسخ نہیں ہوسکتا جب تک کہ علائق دنیا سے بالکلیہ قطع تعلق نہ کرلیا جائے۔کسی نے پوچھا کہ زہد فی الدنیا کیا ہے؟ فرمایا کہ قناعت اور علائق دنیا سے مستغنی ہونا۔پوچھا کہ پرہیز گاری کیا ہے؟ جواب دیا کہ محارم سے اجتناب کرنا۔سوال کیا کہ عبادت کیا ہے؟ جواب دیا فرائض کا ادا کرنا۔تواضع کیا ہے؟ فرمایا حق کے لئے جھک جانا اور فرماں بردار ہوجانا۔اگر حق بات بچے سے بھی سنے تو قبول کرلے ،اور اگر کسی جاہل سے سنے تو بھی قبول کرلے۔پھر سوال ہوا کہ صبر علی المصیبت کیا ہے؟ فرمایا کہ مصیبت کا ڈھنڈھورا نہ پیٹنا۔

فرمایا کہ عالم دو طرح کے ہیں،ایک دنیا کے جاننے والے،اور دوسرے آخرت کے جاننے والے۔دنیا کے عالم کا علم منشور ہے،اور آخرت کے عالم کا علم مستور ہے۔لوگوں کو چاہئے کہ آخرت کے عالم کا اتباع کریں،اور دنیا کے عالم سے احتراز کریں۔پھر یہ آیت پڑھی'' اِنَّ كَثِيْرًا مِنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ''(سورہ توبہ:۳۴) بہت سے عالم اور درویش کھاتے ہیں مال لوگوں کے ناحق ۔(ترجمہ شیخ الہند) اور فرمایا کہ احبار سے مراد علما اور رہبان سے مراد عابدین ہیں۔مزید فرمایا کہ علما بہت ہیں اور حکماء کم ہیں،قرآن میں علم سے مراد حکمت ہے۔'' وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ''(سورہ بقرہ:۲۶۹) اور جس کو سمجھ ملی اس کو بڑی خوبی ملی (ترجمہ شیخ الہند) اگر علما صبر سے کام لیں تو انہیں بادشاہوں کے دروازہ پر جانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔کسی نے کہا کہ علماء انبیا کے وارث ہیں،تو فرمایا کہ حکماء انبیا کے وارث ہیں۔ایک موقع پر فرمایا کہ قرآنی علوم کا حامل انسان ،اسلام کا جھنڈا اٹھانے والے کے مترادف ہے،اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ لہو ولعب میں مشغول ہو یا کسی ایسے کام میں لگے جو اس کو غافل کردے۔حاملِ علومِ قرآن کو ایسا ہونا چاہئے کہ دنیا اس کی طرف متوجہ ہو،اور اس سے فائدہ اٹھائے ،نہ کہ وہ دنیا والوں کی طرف رغبت کرے۔

فرمایا کہ بندہ ایمان کی لذت وحقیقت سے اس وقت تک آشنا نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ مصائب کو نعمت اور کشادگی کو مصیبت نہ سمجھنے لگے۔ایمان کی حلاوت اس دل پر حرام ہے جو دنیا سے زہد اختیار نہ کرے۔(حلیۃ الاولیاء ج۸ص۸۷)

خلیفہ ہارون رشید سے ملاقات:

صاحب ''صفۃ الصفوۃ'' نے خلیفہ ہارون رشید اور حضرت فضیل بن عیاض کی ملاقات کا تفصیلی

تذکرہ کیا ہے، اس ملاقات کے راوی ہارون رشید کے وزیر فضل بن ربیع ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

ہارون رشید حج کے لئے گئے تو فضل بن ربیع سے ایک دن کہا کہ مجھے کسی ایسے عالم سے ملاؤ جس سے میں کچھ پوچھ سکوں۔ فضل بن ربیع پہلے ان کو سفیان بن عیینہ کے پاس لے گئے، ان سے سیری نہیں ہوئی تو عبدالرزاق بن ہمام کے پاس لے گئے، ان سے بھی تسلی نہیں ہوئی تو فضیل بن عیاض کے پاس لے گئے۔ جب فضیل بن عیاض کے پاس پہونچے تو وہ نماز میں مشغول تھے، بلند آواز سے قرأت کررہے تھے اور ایک ہی آیت کو بار بار دہرا رہے تھے۔

دروازہ کھٹکھٹایا تو پوچھا کون؟ جواب ملا کہ امیر المومنین ملاقات کے لئے تشریف لائے ہیں، اندر ہی سے جواب دیا کہ میرا اور امیر المومنین کا کیا جوڑ؟ فضل نے کہا کہ کیا آپ پر امیر المومنین کی اطاعت واجب نہیں ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ '' لیس للمومن ان یذل نفسہ'' جب یہ سنا تو نیچے آئے اور دروازہ کھول کر تیزی سے کمرے میں گئے اور چراغ بجھا دیا۔ پیچھے سے ہارون رشید اور فضل کمرے میں داخل ہوئے، اندھیرے میں ہارون رشید کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے ٹکرایا، کہا کہ کتنا ملائم ہاتھ ہے اگر اللہ کے عذاب سے بچ جائے۔

پھر جب گفتگو شروع ہوئی تو انہوں نے ہارون رشید سے کہا کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خلافت سونپی گئی تھی تو انہوں نے سالم بن عبداللہ، محمد بن کعب القرظی اور رجاء بن حیوۃ کو بلایا، اور ان سے کہا کہ مجھے اس مصیبت میں پھنسا دیا گیا ہے، اب آپ ہی لوگ کچھ مشورہ دیجئے۔ انہوں نے تو کارِ خلافت کو مصیبت سمجھا، اور تم اور تمہارے قبیل کے لوگ اسے نعمت سمجھتے ہیں۔ سالم بن عبداللہ نے مشورہ دیا کہ اگر کل خدا کے عذاب سے نجات چاہتے ہو تو دنیا اور حطام دنیا سے روزہ رکھ لو، موت تمہارے اس روزہ کے لئے افطار بن جائے گی۔ محمد بن کعب القرظی نے کہا کہ اگر نجات چاہتے ہو تو رعایا میں سے بڑی عمر کے لوگوں کو اپنے باپ کے درجے میں رکھو، اوسط عمر والوں کو بھائی سمجھو، اور کم عمر والوں کو بیٹے کے مانند جانو۔ باپ کی تعظیم کرو، بھائی کی عزت کرو اور بیٹوں پر رحم کرو۔ رجاء بن حیوۃ نے کہا کہ اگر کل قیامت کے دن نجات کے طلب گار ہو تو لوگوں کے لئے وہی چیز پسند کرو، جو اپنے لئے کرتے ہو، اور جو چیز اپنے لئے ناپسند کرتے ہو، وہ لوگوں کے لئے بھی ناپسند کرو۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ایسا کوئی مشیر آپ کے پاس بھی ہے؟ یہ سن کر ہارون پر شدت کے ساتھ گریہ طاری ہو گیا، جب افاقہ ہوا تو مزید کی فرمائش کی، تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ آپ کے پاس

آئے اورعرض کی کہ مجھے بھی کہیں کی امارت دیدیجئے،تو آپ نےفرمایا کہ " ان الامارة حسرة وندامة يوم القيامة فان استطعت ان لا تكون اميرا، فافعل'' ہارون رشید کارونا جاری تھا،آپ نے ان کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے حسین چہرے والے!اللہ تعالیٰ تم سے قیامت کے دن مخلوق کے بارے میں پوچھیں گے،اگراپنے چہرےکوآگ سے بچانا چاہتے ہوتو سنو!ہرگز ہرگز تمہارے دل میں رعایا میں سے کسی کے لئے کینہ نہیں ہونا چاہئے،کیوں کہ رسول اللہﷺ نےفرمایا ہے''من أصبح لهم غاشا لم يرح رائحة الجنة'' یہ سن کر ہارون رشید کی حالت مزید دگرگوں ہوگئی۔

گفتگو کا سلسلہ جب رکا تو ہارون رشید نے پوچھا کہ آپ پر کسی کا قرض ہے؟فرمایا کہ ہاں، میں اپنے رب کا مقروض ہوں،جس کا مجھ سے حساب لیا جائے گا،پس میرے لئے ہلاکت ہے اگر مجھ سے سوال کردیا گیا یا حساب میں تھوڑی سی بھی سختی کردی گئی۔خلیفہ نے کہا کہ میں بندوں کے قرض کے بارے میں پوچھ رہا ہوں،تاکہ میں کچھ مدد کرسکوں،فرمایا کہ میرے رب نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا ہے،میرے لئے تو صرف توحید پر جمے رہنے اور امر کی طاعت کا حکم ہے،اللہ نے فرمایا ہے:''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ '' (سورذاریات:۵۶/۵۷/۵۸)اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی،سو اپنی بندگی کو۔میں نہیں چاہتا ان سے روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں۔اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زورآور مضبوط۔(ترجمہ شیخ الہند)

ہارون رشید نے ایک ہزار دینا پیش کیا اور درخواست کی کہ اہل وعیال کےخرچ کے لئے رکھ لیجئے،فرمایا سبحان اللہ!میں نے آپ کو نجات کا راستہ بتلایا اور آپ بدلے میں مجھے یہ دے رہے ہیں۔اپنے پاس رکھئے،یہ کہہ کر خاموش ہوگئے،پھر بات نہیں کی تا آنکہ یہ لوگ باہر چلے گئے۔

باہر نکل کر ہارون رشید نے فضل سے کہا کہ جب میں کسی سے ملنے کی خواہش کروں ایسے آدمی سے ملایا کرو۔هذا سيد المسلمين

ابھی یہ لوگ دروازے کے باہر کھڑے ہوکر یہ بات کرہی رہے تھے کہ فضیل بن عیاض کی بیوی ان کے پاس آئیں اور کہا کہ آپ تو جانتے ہی ہیں کس تنگی دستی میں آج کل گزر رہو رہا ہے،اگر دینار لے لئے ہوتے تو کچھ دنوں کے لئے راحت ہوجاتی۔انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میری مثال اور تم لوگوں کی مثال اس قوم کی طرح ہے،جس کے پاس ایک اونٹ کا بچہ تھا، (بقیہ ص:۲۹ پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بہترین عورت

حدیث رسول کے آئینے میں

مولانا قمر الحسن قاسمی مہراج گنجی
استاذ (شعبہ عربی) مدرسہ تعلیم الاسلام جامع مسجد شہر اعظم گڑھ

مشہور محدث امام ابوداؤد سلیمان ابن اشعث سجستانی (ولادت ۲۰۲ھ وفات ۲۷۵ھ) نے اپنی معروف ومشہور کتاب ابوداؤد شریف میں جو حدیث کی چھ مشہور اور صحیح ترین کتابوں میں سے ایک ہے، تین جملوں پر مشتمل ایک چھوٹی سی حدیث نقل کی ہے جو تلفظ وتحریر کے اعتبار سے تو نہایت مختصر ہے لیکن معنویت کے اعتبار سے بے حد جامع ہے۔ موجودہ دور کی عورتوں کے حالات کے اعتبار سے بہت ہی قابل غور ہے اور اس کے تقاضوں کو پیش نظر رکھنا اور انھیں عمل میں لانے کا اہتمام کرنا بہت ہی ضروری ہے۔

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں جو اُن خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب توریت پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا، رئیس اور ذی علم گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور توریت کے زبردست عالم تھے، ہجرت نبویؐ کے بعد نبی آخرالزماں ﷺ اور قرآن مجید پر بھی ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ اہل کتاب صحابہ وتابعین کے مصنف نے صحیح بخاری کے حوالہ سے اس طرح بیان کیا ہے:

> آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور مالک بن نجار کے محلّہ میں ناقہ سے اترے تو عبداللہ بن سلامؓ کو خبر ہوئی وہ اپنے بچوں کے لئے باغ میں پھل چننے گئے تھے، جلدی سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو انبیاء کے سوا کسی کو معلوم نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جواب دیا تو فوراً بول اٹھے: اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اس کے بعد کہا کہ یہود افتراء پرداز قوم ہے اور میں عالم بن عالم اور رئیس بن رئیس ہوں، آپ ان کو بلا کر میری نسبت دریافت کیجئے لیکن میرے مسلمان ہونے کی خبر نہ دیجئے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلا کر اسلام کی دعوت دی اور کہا: عبداللہ بن سلام کون شخص ہیں؟ بولے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ فرمایا: وہ مسلمان ہو سکتے ہیں؟ جواب ملا، کبھی نہیں۔ عبداللہ بن سلام مکان کے ایک گوشے میں چھپے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی تو کلمہ پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے اور یہودیوں سے کہا: ذرا خدا سے ڈرو تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ رسول ہیں اور ان کا مذہب بالکل سچا ہے اور بایں ہمہ ایمان لانے پر تم لوگ آمادہ نہیں ہوئے۔ یہود کو خلاف توقع جو خفت اٹھانی پڑی اس نے ان کو آتش زیرپا کر دیا اور غصہ میں کہا کہ: تم جھوٹے ہو اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو اور تمہارا باپ بھی بدترین شخص تھا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے دیکھا مجھ کو اسی کا خوف تھا۔''

بہترین عورت کے اوصاف

یہی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَيْرُ النِّساءِ تَسُرُّكَ اِذَا اَبْصَرْتَ، تُطِيْعُكَ اِذَا اَمَرْتَ، تَحْفَظُ غَيْبَتَكَ فِيْ نَفْسِهَا وَمَالِكَ.

''بہترین عورت (بیوی) وہ ہے جب تم اس کی طرف دیکھو تو وہ تمہیں خوش کر دے، جب تم اسے کسی کام کا حکم دو تو وہ تمہاری اطاعت کرے اور تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے مال اور اپنی ذات کی حفاظت کرے۔

آپ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو پھر پڑھئے: (**خَيْرُ النِّساءِ تَسُرُّكَ اِذَا اَبْصَرْتَ، تُطِيْعُكَ اِذَا اَمَرْتَ، تَحْفَظُ غَيْبَتَكَ فِيْ نَفْسِهَا وَمَالِكَ.**)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس ذات عالی مقام کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور جوامع الکلم سے متصف کیا، انھوں نے دنیا میں آکر قیامت تک آنے والے انسانوں کو مہد سے لحد تک، پیدائش سے موت تک زندگی گزارنے کا طریقہ بتایا، رہنے سہنے کا ڈھنگ سکھلایا، بیوی کے ساتھ، بچوں کے ساتھ، والدین کے ساتھ، اپنوں کے ساتھ، غیروں کے ساتھ، پڑوسیوں کے ساتھ، محلے والوں کے ساتھ، دیہاتیوں کے ساتھ، قصبہ والوں کے ساتھ اور شہر والوں کے ساتھ تعلقات نباہنے کا

گُر بتایا، کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ زوجین کے درمیان خوشگوار زندگی گزارنے کا کوئی فارمولہ نہ بتایا ہو؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کا دل جیتنے کا ہنر نہ سکھایا ہو؟ نہیں اور سو بار نہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول رحمت ایک بار پھر پڑھیئے اور سر دھنیئے، کتنی قیمتی بات ارشاد فرما گئے۔ یہ زندگی کو خوشگوار بنانے والی ایسی جامع بات ہے کہ اسے سنہرے حروف میں لکھ کر طغریٰ میں فریم کرا کے ایک باپ اپنی بیٹی کو ایک بھائی اپنی بہن کو ایک سہیلی اپنی سہیلی کو بوقت رخصت تحفہ میں پیش کرے۔

اب آیئے رحمت عالمؐ کے اس قول گرانمایہ کی تھوڑی تشریح کر لیں۔ مذکورہ بالا حدیث میں نبی رحمتؐ نے ایک خاتون کے بہترین ہونے کی تین بنیادی اسباب بیان فرمائے ہیں، جن کے باعث ہر عورت بلند مرتبے پر فائز ہوسکتی ہے، یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ جو نیک خاتون نبی رحمتؐ کے اس ارشاد عالی کو مضبوطی سے تھام لے گی، وہ اپنے گھر کو خوش بختی اور مسرتوں کا گہوارہ بنادے گی اور اپنے خاوند کے ساتھ نہایت خوش وخرم زندگی بسر کرے گی اور جو خاتون اس سے اعراض و بے توجہی کرے گی، اس کو رنج وغم اور تکلیف کی تلخیوں کو سہنا پڑے گا اور اس کا گھر دکھوں اور مشکلات و پریشانیوں کی آماج گاہ بن جائے گا۔

شوہر کو خوش کرنا

تین بنیادی اسباب میں سے پہلا سبب خَیۡرُ النِّساءِ تَسُرُّکَ اِذَا اَبۡصَرۡتَ ''بہترین عورت وہ خاتون ہے کہ جب تم اس کی طرف نگاہ کرو تو وہ تمہیں خوش کر دے''

حدیث شریف کے اس ٹکڑے میں غور کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ عورت پر شوہر کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ اپنے قول وفعل، اخلاق وکردار کے ساتھ اپنے ظاہری حسن و جمال کو بھی اس طرح سجا، سنوار کر رکھے کہ جب اس کا سر تاج اس کی طرف نظر اٹھائے تو اسے دیکھ کر اس کا دل خوش ہوجائے۔ اسے اس کے پاس جانے کا جی چاہے۔ اس کے پہلو میں سکون محسوس کرے۔ لِتَسۡکُنُوۡا اِلَیۡهَا کی پوری پوری مصداق ہو۔

یہاں ٹھہر کر ہم اپنی نیک بہنوں کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ ہم اپنا اپنا جائزہ لیں، ہماری ذات سے ہمارے شوہر کو قلبی سکون میسر ہے یا نہیں؟ اور ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ ہمارا شوہر دن بھر کے کام دھندوں سے فارغ ہو کر، ذہنی اور جسمانی اعتبار سے بالکل تھک کر چور ہو کر گھر واپس

آتا ہے تو کیا ہم اس کے جسمانی تھکاوٹ اور ذہنی خلش کے اضافے کا سبب بنتی ہیں یا اس کے جسم وجان اور روح کو تازگی بخشتی ہیں؟

میری اسلامی بہنو! جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں پر شوہر کا یہ حق قرار دیا کہ اس کی ذات سے شوہر کو قلبی سکون حاصل ہو تو انھیں چاہئے کہ شوہر کے گھر میں آنے سے پہلے ہی گھریلو کام دھندوں سے اپنے آپ کو فارغ کرکے، اپنے آپ کو سجا سنوار کر دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ شوہر کا استقبال کریں اور اپنے آپ کو خَیرُ النِساءِ تَسُرُّکَ اِذَا اَبْصَرْتَ کا مصداق بنائیں۔

تجربہ شاہد ہے کہ سخت سے سخت دل مرد بھی اپنی شریک حیات کے اس ادائے دلربا پر فریفتہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اسے بہت جلد احساس ہو جائے گا کہ اس کی بیوی نہایت بےلوث ہو کر کسی مالی غرض سے پاک، حقیقی اور سچی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کر رہی ہے اور زبان حال سے کہہ رہی ہے: تمہارے آنے سے میں بہت خوش ہوں اور تمہیں دیکھ کر حد درجہ مسرور ہوں، اس وقت شوہر کو یہ کہنا مناسب ہوگا: تمہاری یہ مسکراہٹ آخرت میں نیکیوں کا باعث بن جائے گی، کیوں کہ یہ مسکراہٹ بھی ان صدقات میں سے ہے جنھیں تم اپنے نامۂ اعمال میں درج کرا رہی ہو۔ اس کی تائید رسول رحمتؐ کے اس فرمان سے ہوتی ہے: تَبَسُّمُکَ فِی وَجْهِ اَخِیْکَ لَکَ صَدَقَةٌ. ''اپنے مسلمان بھائی کو دیکھ کر تیرا مسکرانا بھی صدقہ ہے۔'' (ترمذی باب ماجاء فی صنائع المعروف)

اب ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں ازواج مطہرات کی زندگی کی کچھ جھلکیاں دیکھاتے چلیں کہ انھوں نے اپنے سرتاج آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کو قلبی سکون وراحت پہنچانے کے لئے کیا اخلاق وکردار پیش کیا۔

حضرت خدیجہ کی تسلی

اس وقت کو ذہن میں تازہ کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے نبوت کا بارگراں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر ڈالا تو جلال الٰہی کے غلبہ سے آپ کا قلب مبارک کانپ رہا تھا، آپؐ اپنی غمگسار، معین ومددگار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ'' آپ کو چادر اڑھائی گئی، جب خوف وگھبراہٹ کی کیفیت ختم ہوگئی تو آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو سارے حالات سے آگاہ کیا اور بتلایا کہ ''مجھے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔'' اس پر آپ

کی جاں نثار، معین ومددگار بیوی نے جن عظیم کلمات کے ذریعہ آپؐ کو تسلی دی وہ انھیں کا حصہ تھا۔ تسلی کے کلمات کو امام بخاری نے اپنی کتاب بخاری شریف میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:

كَلَّا وَاللّٰهِ مَايُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحْمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلىٰ نَوَائِبِ الْحَقِّ.

''آپ متردد نہ ہوں، بخدا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، اللہ آپؐ کو رسوا نہ کرے گا، کیوں کہ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، بے کسوں کا تعاون کرتے ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت اور قدرتی آفات میں لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔''

تسلی کے ان کلمات کو بار بار پڑھیں، دیکھیں، غور کریں کہ ایک سچی غمگسار شریک حیات نے اپنے لائق فائق سرتاج کا غم غلط کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

تسلی کا انوکھا انداز

حضرت خدیجہؓ کی تسلی اور تصدیق کا ایک اور البیلا انداز ملاحظہ ہو:

''اور ایک مرتبہ تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی تسلی وتشفی کا ایسا عجیب وغریب اور انوکھا انداز اختیار کیا کہ عقل وخرد کی رسائی سے بھی بالاتر تھا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ انھوں نے ایک دن حضور انور ﷺ سے عرض کیا، کیا ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے پاس جو فرشتہ آتا ہے اس کے آنے پر آپؐ مجھے مطلع کردیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! ممکن ہے، اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: یہ حضرت جبریل علیہ السلام یہاں موجود ہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کیا اس وقت آپ انھیں دیکھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا ہاں! تو انھوں نے عرض کیا آپؐ میرے بائیں پہلو پر بیٹھ جائیں، آپؐ ان کے بائیں پہلو پر بیٹھ گئے، تو پوچھا کیا اب وہ آپ کو نظر آرہے ہیں آپ نے جواب دیا ہاں! تو عرض کیا کہ آپ میرے دائیں پہلو پر بیٹھ جائیں، آپ بیٹھ گئے تو انھوں نے پوچھا کیا اب بھی دکھائی دے رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! تو انھوں نے عرض کیا آپ میری گود میں آجائیں، آپ ان کی گود میں چلے گئے تو پوچھا کیا اب بھی نظر آرہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! نظر آرہے ہیں، تو اب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ کیا کہ اپنے سر سے اوڑھنی ہٹادی اور سر کھول دیا، پھر پوچھا بتائیے اب بھی نظر آرہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں، اس پر ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

نے کہا آپ ﷺ کے پاس آنے والی ذات فرشتہ ہی کی ہے نہ کہ شیطان کی، آپ ﷺ ثابت قدم رہئے اور نبوت کی بشارت قبول کیجئے، میں آپ پر ایمان لائی اور میں گواہی دیتی ہوں کہ آپؐ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ برحق ہے۔'' (امہات المومنین ص ۹۷-۹۸)

آفریں ہے امت کی اس عظیم ماں پر، اللہ کی ہزاروں کروڑوں رحمتیں نازل ہوں آپ کی لوح تربت پر۔

میری اسلامی بہنو! دیکھا آپ نے اماں خدیجہؓ نے کس طرح سے آپؐ کے پاس آنے والے کے فرشتہ ہونے پر استدلال کیا کہ بالوں کے کھل جانے پر وہ شرم وحیاء کی وجہ سے غائب ہوگیا۔ اگر شیطان ہوتا تو ہرگز غائب نہ ہوتا۔

شوہر کی فرمانبرداری

اب آیئے حدیث کے دوسرے ٹکڑے کی بھی وضاحت ہو جائے۔ تُطِيْعُكَ اِذَا اَمَرْتَ اس جملے میں رحمت عالمؐ نے عورت کو اپنے شوہر کی منظور نظر ہونے کے لئے دوسرا گُر بیان فرمایا ہے کہ ''جب تم اسے کسی بات کا حکم دو تو وہ تمہاری اطاعت کرے۔'' یہ ایسا نسخۂ کیمیا ہے جو کبھی بے اثر نہیں ہوتا۔ جو عورتیں اس پاک ارشاد پر عمل پیرا ہوتی ہیں، اور جن میں اطاعت شعاری کا جذبہ ہوتا ہے، ان کے گھر میں خوش نصیبی کا راج اور شادمانیوں کا بسیرا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو عورتیں اپنے آپ کو خاوند سے اعلیٰ یا ہم پلہ تصور کرتی ہیں اور صرف اپنی رائے کو اہم سمجھتی ہیں اور اپنے خاوند کی اطاعت صرف اسی معاملہ میں کرتی ہیں جو ان کی مرضی اور خواہش کے مطابق ہو ایسی عورتیں اپنے اسی انداز فکر سے اپنے گھر کو برباد کر لیتی ہیں، خوشیوں کو رخصت کر دیتی ہیں اور غموں کو دعوت دیتی ہیں۔

دنیا کا دستور ہے اجتماعی نظام کو خوش اسلوبی کے ساتھ چلانے کے لئے اپنے ہی میں سے کسی شخص کو حاکم، افسر اور ذمہ دار مقرر کیا جاتا ہے جس کی اطاعت کو سارے افراد ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو چھوٹا سے چھوٹا نظام بھی بحسن وخوبی انجام کو نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح عائلی نظام کو خوشگوار بنانے کے لئے ضروری ہوا کہ کسی ایک کو حاکم وافسر کے درجہ میں رکھا جائے۔

قرآن نے زوجین کے حقوق اس فصیح وبلیغ انداز میں بیان کیا ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ. (سورہ بقرہ:۲۲۸)

دستور کے مطابق عورتوں کے مردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر ہیں،

مردوں کے لئے ان پر ایک درجہ اور فضیلت ہے۔عبدالماجد دریابادیؒ تفسیر ماجدی میں لکھتے ہیں: اردو میں یہ مضمون اس طرح ادا ہوگا ''جس طرح مردوں کا حق عورتوں پر ہے، اسی طرح عورتوں کا حق بھی مردوں پر ہے۔'' اس آیت سے ان لوگوں کے باطل خیالات کی تردید ہوتی ہے، جنھوں نے یہ پروپیگنڈہ پھیلا رکھا ہے کہ اسلام میں عورتوں کا کوئی مقام نہیں، انھیں مردوں کی کنیز اور باندی بنا کر رکھ دیا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم صاف لفظوں میں کہہ رہا ہے، عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں، اسی طرح مردوں پر عورتوں کے حقوق ہیں اور ان جدت پسند لوگوں کی خیالی عمارت کو بھی ڈھا دیا جو مرد وعورت کے درمیان مساوات کا نعرہ لگاتے ہوئے مرد کی حق قوامیت کو بھی انکار کر بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ بڑے مختصر جملے میں نہایت فصیح وبلیغ انداز میں دونوں خیالات کی تردید فرما کر، افراط وتفریط سے پاک ایک معتدل دستور زوجین کے لئے بیان فرمایا جس میں دونوں کے حقوق کو مساوی قرار دیا کہ جیسے عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں، اسی طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔ ہاں عائلی نظام کو درست رکھنے کے لئے عورتوں پر مردوں کو ایک گونہ فضیلت حاصل ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن عورتوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ جنت کا راستہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد خاوند کے اطاعت سے شروع ہوتا ہے۔

آیئے ذرا حضرت حصین بن محصن رضی اللہ عنہ کی روایت پر نظر ڈالتے چلیں۔ حضرت حصین کی پھوپھی اپنے کسی کام سے کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوئیں، جب اپنے کام سے فارغ ہوئیں تو نبی رحمت ﷺ نے ان سے دریافت کیا: أَذَاتُ زَوْجٍ اَنْتِ کیا تم شادی شدہ ہو؟ انھوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے پوچھا کَیْفَ اَنْتِ لَہٗ تمہارا اس کے ساتھ سلوک اور رویہ کیسا ہے؟ انھوں نے عرض کیا، میں اس کی خدمت اور اطاعت گزاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی سوائے اس چیز کے جو میرے بس میں نہ ہو، آپؐ نے فرمایا اچھا یہ بتاؤ تم اس کی نظر میں کیسی ہو؟ کیوں کہ وہی تمہاری جنت اور جہنم ہے۔

اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتون صحابیہ سے کَیْفَ اَنْتِ لَہٗ کے ذریعہ سوال کیا اور اس کا جو جواب خاتون نے دیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دور خیر القرون میں عورتیں اپنے اوپر شوہروں کا کیا حق سمجھتی تھیں۔ یہ صرف حضرت حصین کی پھوپھی کی بات نہیں بلکہ تمام ازواج مطہرات اور صحابیات کا اپنے شوہروں کے ساتھ یہی حال تھا، نمونے کے طور پر ہم ازواج مطہرات کے کچھ واقعات ذکر کرتے ہیں:

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جو بہت مالدار تھیں اور سردار قوم کی بیٹی تھیں، اعلیٰ اخلاق کی مالک اور قبول صورت تھیں، بیوہ تھیں، اس کے باوجود رؤسائے مکہ ان سے نکاح کے خواہشمند تھے، لیکن ان کی نظر انتخاب مکہ کے یتیم نہیں در یتیم پر پڑی، آپؐ کی خدمت میں نکاح کا پیغام بھیجا، آپؐ نے قبول فرمالیا، اپنا پورا اثاث البیت آپؐ کی خدمت میں پیش کردیا۔ ہرطرح سے آپؐ کی خدمت کی، آپؐ کی تمام اولادیں انھیں کے بطن سے ہوئیں۔ بعثت سے قبل جب آپؐ پر تنہائی کا غلبہ ہوا اور آپؐ یکسو رہنے لگے، کئی کئی دن غار حرا میں رہ جاتے تو یہ آپؐ کو کھانا پہنچاتیں اور بچیوں سے بھیجتیں۔ نبوت کے بعد بھی جب پورا مکہ آپؐ کا مخالف ہوگیا، ہرطرح آپؐ کا تعاون کرتیں، مدد کرتیں اور تسلی دیتیں۔ آپؐ کو ان سے اتنی ڈھارس تھی کہ آپ کی وفات سے آپؐ کو حد درجہ صدمہ ہوا، اسی سال آپؐ کے چچا بھی فوت ہوگئے، یہ دونوں آپؐ کے لئے بڑے ڈھال تھے۔ اس سال آپؐ کو اتنی تکلیف ہوئی کہ اس سال کا نام عام الحزن (غم کا سال) پڑ گیا۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا: ''میں نے سب کا حق ادا کردیا، سوائے خدیجہؓ اور صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کے۔''

حضرت عائشہؓ کی خدمت گزاری

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی کم عمری کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت خود ہی کرتی تھیں، امہات المومنین کے مصنف ''گھر کا کام کاج اور خدمت گزاری'' کے عنوان سے (ص ۲۲۷) پر لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مکان میں کوئی باندی وغیرہ نہیں تھی، جو گھر کا کام کاج کرتی۔ بریرہؓ نامی ایک باندی آئی بھی تو اسے آزاد کردیا۔ مگر حضرت بریرہؓ نے آزادی کے بعد بھی کہیں جانا پسند نہیں کیا۔ بایں ہمہ گھر کا تمام کام کاج بالخصوص جن کا تعلق کسی نہ کسی درجے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہوتا اسے حضرت عائشہؓ بذات خود انجام دیا کرتی تھیں۔ ہدی کے جانور کا قلادہ بٹنا، سر مبارک میں کنگھا کرنا، جسم اطہر پر عطر ملنا، کپڑا دھلنا، سوتے وقت مسواک اور پانی قریب میں رکھنا، مسواک کی صفائی ستھرائی کا اہتمام کرنا، گھر میں کوئی مہمان آجائے تو میزبانی کا فریضہ انجام دینا، ام المومنین حضرت عائشہؓ کے معمولات زندگی میں داخل تھا۔ یہ تو امور خانہ داری سے متعلق آپؓ کی خدمات تھیں۔ اطاعت وفرمانبرداری سے متعلق آگے تحریر فرماتے ہیں:

عورت کی سب سے بڑی خوبی اپنے شوہر کی اطاعت، اس کے احکامات کی تعمیل اور مرضی

ومنشاء کے مطابق کام کرنا ہے۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اس جوہر وخوبی سے مکمل آراستہ تھیں۔ چنانچہ نہایت کم عمر ہونے کے باوجود نوسال کی طویل صحبت ورفاقت میں کبھی انھوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی،اور اپنے کسی عمل کے بارے میں اگر انداز واشارہ سے بھی یہ معلوم ہوگیا کہ میرا فلاں کام آپ ﷺ کی مرضی کے خلاف وناپسند ہے تو فوراً اس کا تدارک کیا، غالباً غزوۂ تبوک یا کسی اور غزوہ سے واپسی کے موقع کا واقعہ ہے۔آپ ﷺ کے فاتحانہ واپس آنے پر حضرت عائشہؓ نے بطور استقبال دروازے پر ایک باتصویر پردہ آویزاں کیا،آپ ﷺ کی نگاہ مبارک اس پر پڑی تو چہرہ انور متغیر ہوگیا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت عائشہؓ سہم گئیں، دست بستہ عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ قصور معاف، مجھ سے کون سی غلطی سرزد ہوگئی۔اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس گھر میں تصویر ہو،اس میں ملائکہ داخل نہیں ہوا کرتے۔ یہ ارشاد گرامی سنتے ہی حضرت عائشہؓ نے اس پردہ کو چاک کرکے اس کا تکیہ یا گدا بنالیا۔

یہ تھیں ہماری پاکیزہ مائیں جن کا پاکیزہ عمل ہمارے لئے بہترین اسوہ ہے۔ان کی سیرت کے آئینہ میں ہم اپنی تصویر بغور دیکھیں کہ ہمارے اندر بھی اپنے شوہر کی اطاعت شعاری کا یہ جذبہ موجود ہے یا نہیں۔اگر ہے تو موقع شکر ہے،اللہ کا شکر ادا کریں اور دعا کریں اس جذبہ پر تاحیات قائم رکھےاور اگر کچھ کمی ہے تو فوراً اس کے تدارک کی کوشش کریں اور اپنے آپ کو ''تُطِیْعُکَ اِذَا اَمَرْتَ'' کا مصداق بنائیں۔　(باقی آئندہ)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مومن کی تین خصلتیں

حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری علیہ الرحمہ

ہم آپ کے سامنے مومن کی تین خصلتیں پیش کررہے ہیں، جن کا تعلق اپنی ذات سے زیادہ غیروں سے ہے، اگر آپ غور کریں گے تو اسلامی تعلیمات کا بیشتر حصہ جو اغیار سے متعلق ہے اتنا اہم نظر آئے گا کہ مدارِ دین وایمان معلوم ہوگا اور اس پر عمل کرنا اسلام کی تکمیل وتحسین ہوگا۔ محسن انسانیت رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

عن أبی ذر قال قال رسول الله ﷺ من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جارهٔ من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيراً أو ليسكت (رواہ مسلم)

جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے تو اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے، جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی تعظیم وتکریم کرے، اور جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ یا تو اچھی بات کہے یا خاموشی اختیار کرلے۔

مسلمان سب سے پہلے اپنی سوسائٹی میں اپنے اخلاق ظاہر کرے، اپنی اسلام دوستی کا ثبوت دے اور گرد وپیش کے لوگوں کے دلوں پر اسلام کا سکہ جمائے، تا کہ تمام محلّہ پکار اُٹھے کہ یہ ہے اللہ اور قیامت پر واقعی ایمان رکھنے والا، اور یہ ہے اپنے عقیدے پر عمل کرنے والا۔

اس کے بعد آنے جانے والوں کو اپنے اخلاق سے متاثر کرکے اپنی خوش خلقی کا شیدا بنائے۔ آنے والا مہمان مسلمان کے گھر سے واپس ہو تو اس کے اوصاف وخصائل کا تحفہ لے کر جائے اور دنیا کے سامنے اس کے گن گائے۔ دوسروں کو مسلمانوں کے قصے سنا سنا کر اسلام کا شیدائی بنائے۔ اس کے بعد تیسری بنیادی بات یہ ہے کہ مسلمان جس سوسائٹی میں ہو جن لوگوں میں ہو، اور جن حالات میں ہو، صداقت ودانائی کو ہاتھ سے نہ جانے دے، جو بات منہ سے نکالے ایسی جچی تلی ہو کہ اغیار حرف نہ رکھ

سکیں۔ مسلمان کی بات سن کر اس کے متعلق کوئی بدگمانی کرنے کا موقعہ نہ ملے اور کوئی یہ نہ کہہ دے کہ مسلمانوں کی باتیں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔

اگر بات کہنی ہو تو اچھی کہے ورنہ خاموشی اختیار کرے۔ اپنے پر دوسروں کو نکتہ چینی کرنے کا موقعہ نہ دے۔ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ایک مسلمان نے آج جھوٹ بول دیا۔ آپس میں غیبت کر کے جنگ کرادی۔ برے خیالات لوگوں میں پھیلا کر امن کی فضا مکدر کردی، کیونکہ ایک مسلمان کی بات زید، عمر، بکر کی بات نہیں ہوتی، بلکہ دنیا اسے ''مسلمان'' کی بات سمجھتی ہے اور اسی نظریہ سے اس کا جائزہ لیتی ہے۔

پس احتساب کرو کہ ہمسایہ کے ساتھ تمہارا کیا رویہ ہے، تم کتنے کو خوش رکھتے اور کتنے کو رنجیدہ! مہمانوں کے ساتھ تمہارا کیا برتاؤ ہے، ان کو دیکھ کر تمہارا چہرہ مسرت سے چمک جاتا ہے یا روح کانپ جاتی ہے؟ اور جو باتیں اپنے منہ سے نکالتے ہو کتنے وزن اور ناپ تول کے بعد نکالتے ہو اور لوگوں پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ ☆☆☆☆☆

(بقیہ ص: ۴۸ کا)

علماء دیوبند کے ایمان افروز اور روح پرور واقعات ان کے حالات پر لکھی ہوئی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب نے ان واقعات کو مختلف عناوین (جیسے ''حب نبوی'' ''اتباع سنت'' ''علماء کا مقام'') سے جمع کر دیا ہے، جس کے بعض حصے ''نمونے کے انسان'' کے عنوان سے بعض رسائل میں شائع ہوئے، جسے اب ان کے صاحبزادے مولانا محمد عرفات اعظمی نے بعض اضافوں کے ساتھ مرتب کیا جسے حضرت مولانا مرحوم کے علوم کے حامل وامین مولانا ضیاء الحق خیرآبادی نے اپنے مقدمہ کے ساتھ اپنے مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد سے شائع کیا ہے۔

مولانا کی کتابوں کی خصوصیت یہ ہے کہ انھیں ہاتھ میں لینے کے بعد پورا پڑھے بغیر رکھنے کیلئے دل آمادہ نہیں ہوتا ہے، نیز دلچسپی اور جاذبیت کے ساتھ ایک ایسی اثر انگیزی ہوتی ہے کہ آنکھیں بار بار اشکبار ہو جاتی ہیں۔

مذکورہ کتاب ''نمونے کے انسان'' میں یہ تمام خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہے، جو بزرگانِ دین کے واقعات وحکایت کا ایک دلکش مجموعہ ہے، آپ بھی اس کتاب کو اپنے ہاتھوں میں لیجئے اور شوق کی نگاہوں سے پڑھئے اور مذکورہ بالا قول کو پرکھئے کہ وہ کس قدر مبنی برصداقت ہے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف وتبصرہ

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج

کتاب: نمونے کے انسان   مؤلف: حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

مرتب: مولانا محمد عرفات اعظمی   صفحات: ۳۲۰   قیمت: ۲۵۰/روپے

ناشر: مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی) mob:09235327576

کہا جاتا ہے جہاں اللہ کے نیک بندوں کا ذکر ہوتا ہے وہاں رحمتِ الٰہی کی بارش ہوتی ہے، بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ کچھ لوگوں کو جتنا فائدہ بزرگوں کی کتابوں سے ہوتا ہے اتنا ان کی صحبت میں رہ کر حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ ہر شخص میں کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے جو بسا اوقات ان کے ساتھ رہنے والوں کیلئے ان سے فائدہ اٹھانے کی راہ میں حجاب بن جاتی ہے، اور ان کوتاہیوں کی وجہ سے ان سے فائدہ نہیں اٹھا پاتا، اس کے برعکس کتاب میں یہ بات نہیں ہوتی ہے بلکہ یہاں صرف اچھائیاں جلوہ گر ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ اپنی ذات میں خود ایک چلتا پھرتا تذکرہ تھے، انھیں بزرگوں کے واقعات وحکایات سے خصوصی شغف تھا، جس کے نتیجے میں ان کے قلم سے بعض بزرگوں کے مفصل سوانح حیات اور بعض لوگوں سے متعلق مضامین شائع ہوئے، جن میں حیات مصلح الامت، حیات سراج الامت، ذکر جامی، تذکرہ شیخ ہالیجوی، کھوئے ہوؤں کی جستجو اور حضرت چاند شاہ صاحب اور ان کا خانوادۂ تصوف مشہور ومعروف ہیں۔

انھوں نے ان تذکروں کو کس مقصد سے لکھا اس کی وہ خود وضاحت کرتے ہیں:

> '' لکھنے والے نے ان تذکروں کو اسی نیت سے لکھا ہے کہ شاید رحمت الٰہی کا کوئی جھونکا اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور پھر جہاں جہاں تک یہ تذکرے پھیلیں گے، رحمت الٰہی کا جھونکا پھیلتا جائے گا۔ اور اگر صحبت صالحین میسر نہ ہو تو یہ ذکر صالحین کچھ اس کا قائم مقام بن جائے۔ ہوسکتا ہے کہ رحمت الٰہی کی یہ چشم التفات لکھنے اور پڑھنے والوں کی سیرت میں روشنی اور نکھار پیدا کردے۔'' (کھوئے ہوؤں کی جستجو، ص:۱۶) **بقیہ ص: ۴۷ پر**

مجلّہ

سہ ماہی

رشد وہدایت

اپریل تا جون ۲۰۱۶ء





مدیر تحریر

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

9235327576

مدیر مسئول

مولانا عبدالعظیم قاسمی

9559999984

مرکزِ اشاعت

مدرسہ تحفیظ القرآن

سکٹھی، مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ یوپی 276404

Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com

مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان

سہ ماہی

مجلّہ

رُشد وہدایت

جلد نمبر: ۱ | رجب، شعبان، رمضان ۱۴۳۶ھ (اپریل تا جون ۲۰۱۵ء) | شمارہ نمبر: ۳

مدیر تحریر

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

9235327576

مدیر مسئول

مولانا عبد العظیم قاسمی

9559999984

مرکزِ اشاعت: **مدرسہ تحفیظ القرآن**

سکٹھی، شاہ محمد پور، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

فہرست مضامین

زرِ تعاون

سالانہ: =/100 | فی شمارہ: =/25 | خصوصی: =/1000

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغازِ سخن

از:۔ مدیر تحریر

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ،اسلام دشمن اور باطل طاقتوں کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں روزِ اول ہی سے جاری ہیں، اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات اور وسیع ہوتے دائرہ کار کو محدود کرنے بلکہ اس کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کی ہر ممکن کوششیں آغازِ اسلام ہی سے شروع ہو چکی تھیں، اور دن بدن اس میں شدت آتی رہی ،اور ہمارا دور تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ان مخالفتوں کا گویا عہد شباب ہے۔ اور اس وقت جو صورت حال ہے وہ گذشتہ صدیوں سے بالکل الگ انداز کی ہے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ دشمنانِ اسلام کھلے عام اسلام کی مخالفت کرتے تھے، اور دشمن ہی کے انداز میں مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے تھے، یہ سلسلہ آغاز اسلام سے تقریباً ایک صدی تک چلتا رہا ، پھر ایک دوسرا دور آیا اور عہد عباسی میں اس مخالفت نے ایک فتنے کی شکل اختیار کر کے اسلام کی حقانیت کو مشکوک بنانے اور مسلمانوں کی شبیہ کو مجروح کرنے میں سارا زور صرف کر دیا۔ باطنیہ، معتزلہ، قدریہ، جبریہ، جہمیہ ، مرجئہ ،قرامطیہ اور نہ جانے اور کتنے فرقے وجود میں آئے ،اور ان کی اڑائی ہوئی گرد سے اسلام کی صاف شفاف تعلیمات پر شکوک وشبہات کی دھند ایک عرصے تک چھائی رہی ۔ پھر امام احمد بن حنبل اور دوسرے علماء اسلام وصالحین امت میں ایک سے ایک صاحب علم واصحاب عزیمت میدان عمل میں آئے ،جن کی جلالت علمی، صلابت ایمانی اور غیرت اسلامی نے باطل افکار ونظریات کے اس سیلاب پر بند لگا دیا، اور اسلام کا آفتاب عالمتاب شکوک وشبہات کی گرد سے نکل کر پھر پوری آب وتاب سے چمکنے لگا۔

اس فتنۂ علمیہ کے بعد عالم اسلام پر ایک سخت مرحلہ صلیبی یلغار اور یورش تاتار کی شکل

میں ظاہر ہوا، اس وقت اسلام کو نیست و نابود کرنے کی ایسی جان توڑ کوششیں کی گئیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب اسلام کا چراغ گل ہی ہو کر رہے گا اور مسلمانوں کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہے گا۔ مگر کیا ایسا ہوا؟ اسلام ختم ہو گیا اور مسلمان مٹ گئے؟ نہیں، تا تاریوں کا سیلاب بے اماں جب بغداد کی دیواروں سے ٹکرایا تو خلافت عباسیہ کی بنیادیں ہل گئیں، لیکن جب یہ سیلاب مصر کی طرف بڑھا تو اللہ نے سلطان بیبرس کے ہاتھوں اس فتنہ کی کمر توڑ دی، اور پھر تو انھیں میں سے ایسے لوگ پیدا ہوئے کہ اقبال کو کہنا پڑا

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

صلیبی طوفان کی روک تھام کے لئے اللہ تعالیٰ نے نور الدین زنگی اور ~~صلاح الدین~~ ایوبی کو پیدا کیا، صلاح الدین ایوبی ایک عرصہ تک برق بے اماں اور شمشیر بے نیام بن کر ان کے چین وسکون کو غارت کرتا رہا، بالآخر حطین کے میدان میں صلیبیوں کو ایسی فاش شکست دی کہ انھیں پھر صدیوں تک اس کا حوصلہ نہ ہو سکا کہ وہ عالم اسلام کا رخ کر سکیں۔ سلطان ایوبی کے انتقال کے بعد اسلامی حکومت کا شیرازہ متحد نہ رہ سکا، اور حکومت طوائف الملو کی کا شکار ہو گئی، پھر ترکان آل عثمان کے ذریعہ اسلامی خلافت کو بڑا عروج حاصل ہوا، سلطان محمد فاتح جیسے جلیل القدر حکمران نے عیسائیت کے پایۂ تخت قسطنطیہ کو بھی فتح کر لیا اور قلب یورپ ایک عرصہ تک اسلامی خلافت کا پایۂ تخت رہا۔ ہر محاذ پر ناکامی اور پسپائی کے بعد سامراجی قوتوں اور طاغوتی طاقتوں نے اسلام کے خلاف ایک نیا محاذ کھولا، اور مدعیان نبوت کی ایک فوج کھڑی کر دی، دوسری طرف یہودیوں نے خلافت عثمانیہ کے دبدبے کو ختم کرنے کے لئے خفیہ سرگرمیاں شروع کر دیں، جھوٹے مدعیان نبوت تو اسلام اور مسلمانوں کو کچھ زیادہ نقصان نہ پہونچا سکے، اور یہ حربہ ناکام ہو گیا، لیکن اسلامی خلافت کو توڑنے کی جو سازش جاری تھی اس میں دشمنان اسلام کامیاب ہو گئے، اور خلافت اسلامیہ کو ختم کر کے اسلامی ممالک کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر کے عملاً اس کے حکمراں بن گئے، اور ایسے لوگوں کو حکومت کی باگ ڈور سپرد کی جو صرف اور صرف ان اسلام دشمن طاقتوں کے مفادات کے محافظ و پاسبان بن کر رہ گئے، انھیں اسلام اور مسلمانوں کی کچھ فکر نہ تھی، اگر ان میں سے کچھ حکمراں دینی مزاج اور فکر کے حامل تھے اور انھوں نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی کوشش کی تو انھیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ یہ سلسلہ ایک عرصہ تک چلتا رہا۔

۲۰۱۰ء میں عرب ممالک میں امریکہ و برطانیہ اور روس کے ان ذہنی غلام حکمرانوں سے نجات پانے کی لہر عوام میں چلی، جس کا آغاز تیونس سے ہوا، جو بہار عرب کے نام سے مشہور ہوئی۔ جس کی زد میں تیونس، مصر، لیبیا اور یمن خاص طور سے آئے اور یہاں اقتدار پر قابض بے دین حکمرانوں کا چراغ گل ہوگیا، خصوصا مصر میں اخوان المسلمین کی حکومت سے اسرائیل کے وجود پر خطرات منڈلانے لگے، دوسری طرف شام میں نصیری شیعوں کے چالیس سالہ اقتدار کو خطرہ پیدا ہوگیا۔ بشار الاسد جو روس کا پٹھا اور ایران کا نمائندہ ہے، اس کو سنی مسلمانوں سے انتہائی بغض اور نفرت ہے، جس کی تاریخ بڑی دردناک اور طویل ہے، اس کے باپ حافظ الاسد نے اقتدار پر قبضہ کر کے لاکھوں سنی مسلمانوں کو قتل اور ملک بدر کیا، بشار الاسد بھی اسی راہ پر گامزن ہے، جب سنی مسلمانوں نے اس کے اقتدار پر کاری ضرب لگائی تو یہ تمام طاقتیں جن کا یہ آلۂ کار ہے اس کی حمایت میں سامنے آگئیں، اور قتل و غارتگری کا یہ بدترین سلسلہ کئی سال سے جاری ہے۔

اسرائیل کو سب سے زیادہ خطرہ عراق اور شام کے سنی مسلمانوں سے ہے، اس کے توڑ کے لئے آناً فاناً ایک تنظیم منظر عام پر لائی گئی، جس نے خلافت کی تجدید اور دنیا کے مسلمانوں کو اسلام کے پرچم تلے متحد کرنے کا نعرہ لگایا، بعد کے حالات نے ثابت کردیا کہ یہ بھی اسلام دشمن طاقتوں اور یہودیوں کا ایک نیا انداز ہے، اس لئے کہ کہاں تو اسلامی خلافت کا احیاء اور اس کی نشاۃ ثانیہ اور مسلمانوں کو ایک پرچم تلے متحد کرنے کا نعرہ تھا، مگر جو انداز اس تحریک نے اختیار کیا اس نے اسلامی تعلیمات کی دھجیاں بکھیرنی شروع کردیں اور جہاد کے نام پر خوب فساد مچایا، جس سے مسلمانوں کے خلاف باطل طاقتوں کو پروپیگنڈہ کا خوب موقع ملا۔ اب تو جو حقائق سامنے آرہے ہیں اس سے یہ یقین ہوچلا ہے کہ امریکہ اور اسلام دشمن طاقتوں نے اس تنظیم کو جو داعش (دولت اسلامیہ عراق وشام کا مخفف) کے نام سے جانی جاتی ہے، عراق میں کھڑا کیا، ہر طرح کے ہتھیاروں سے اس کی مدد کی، جس طرح سوویت یونین کو توڑنے کے لئے اسامہ بن لادن اور اس کی تنظیم کو ہر طرح کے اسلحوں اور مال کے ذریعہ مدد فراہم کی گئی اور جب سوویت یونین اپنے انجام کو پہونچ گیا تو طالبان حکومت ختم کرنے کے لئے اسی کو عنوان بنا کر افغانستان کو تہس نہس کردیا گیا، اسی طرح کا معاملہ اس تنظیم کے ساتھ بھی ہوا، جب اس نے تیزی کے ساتھ پیش قدمی کر کے عراق کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کرلیا اور اس کے قدم شام کے علاقوں

میں پڑنے لگے تو پھر اسی کو بہانہ کر عراق وشام میں فضائی حملہ شروع کیا گیا، جس سے اس تنظیم کو جتنا نقصان پہونچا اس سے دس گنا زیادہ نقصان سنی مسلمانوں کو پہونچا، اب تنظیم کو بہانہ بنا کر مسلمانوں کے قتل وخون کا سلسلہ مسلسل جاری ہے، اب تو یہ حقائق کھل کر سامنے آگئے ہیں، اس کے زخمیوں کا علاج اسرائیل جیسے ملک میں ہوتا ہے، اس سے تیل خریدنے والے اور اس کو اسلحہ فروخت کرنے والے یہی ممالک ہیں، جو اسے دہشت گرد قرار دے رہے ہیں۔

دراصل یہ سب کھیل اس لئے کھیلا جارہا ہے کہ ادھر چند سالوں سے امریکہ ویورپ میں اسلام جس تیزی سے پھیل رہا ہے اور لوگ اسلام کے قریب آرہے ہیں، اس سے یورپ کے حکمراں ، سیاستداں اور دانشوروں کو سخت تشویش ہے ، وہ اسلام کے خلاف اپنے تمام تر پروپیگنڈوں کے باوجود اس صورت حال پر قابو نہیں پارہے ہیں، ان کو یہ فکر لاحق ہے کہ اگر یہی صورت حال رہی تو اگلی چند دہائیوں میں یورپ کے بہت سے ملکوں میں عیسائی اقلیت میں اور مسلمان اکثریت میں آجائیں گے، یہی صورتحال امریکہ میں بھی ہے، تو وہاں یہودیوں کا دبدبہ ختم ہوجائے گا۔ یہ سیاست، سازش اور پلاننگ کا ایک لمبا کھیل ہے، جو مسلمانوں کے خلاف کھیلا جارہا ہے، آئندہ سال امریکہ میں صدارتی انتخاب ہونے والے ہیں، ری پبلکن پارٹی کا صدارتی امیدوار بننے کے لئے ڈونالڈ ٹرمپ نامی ارب پتی تاجر اسی نظریہ کے تحت مسلمانوں کے خلاف زہر اگل رہا ہے، انہی اشتعال انگیز بیانات کی وجہ سے اسے دوسرے امیدواروں کے مقابلہ میں حمایت بھی سب سے زیادہ مل رہی ہے، ظاہر ہے اس مقبولیت کے پیچھے عام امریکیوں کا مسلمانوں سے نفرت کرنے کا فروغ پاتا جذبہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے لئے خطرہ اور دہشت گردانہ کاروائیوں کا محرک مانتے ہیں، اور امریکہ کی یہودی لابی اسے خوب ہوا دے رہی ہے۔ اگرچہ وہ اسرائیل کے بارے میں ٹرمپ کے موقف سے خوش نہیں ہے، لیکن وہ اس کی اسلام دشمنی کی وجہ سے حمایت کررہی ہے اس لئے کہ اگر ٹرمپ کامیاب ہوجاتا ہے تو بظاہر امریکہ میں مقیم ساٹھ لاکھ مسلمانوں کے لئے برے دن آسکتے ہیں ان کی مشکلات بڑھ سکتی ہیں، لیکن یہ سب صورتحال اقتدار میں آنے سے پہلے کی ہے، جیسا کہ ووٹ لینے کے لئے سیاستداں اس طرح کا موقف اختیار کرتے رہتے ہیں، اس کی واضح مثال ہندوستان کے ''اچھے دن'' کے نعرہ کی صورت میں دیکھی جاسکتی ہے، جس کا آج تک کچھ اتا پتا نہیں ہے۔

اقتدار میں آنے کے بعد اسے عرب ممالک سے رشتہ بہرحال اُستوار رکھنا ہوگا، اس لئے کہ امریکی مصنوعات اور ہتھیاروں کی سب سے بڑی مارکیٹ عرب ممالک ہی ہیں، ورنہ پھر اس کے لئے بھی مشکلات کا پیدا ہونا یقینی ہے۔

گفتگو عالم اسلام کی موجودہ صورتحال، اسلام دشمن طاقتوں کی سازشیں اور داعش کے متعلق چل رہی تھی، اسی ضمن میں کچھ دوسری باتیں آگئیں، داعش کے بارے میں تو یہ بات بالکل واضح ہوچکی ہے یہ تنظیم اسلام کے نام پر اسلام اور مسلمانوں کو رسوا اور بدنام کرنے کیلئے بنائی گئی ہے، اس کی تمام کارروائیاں اسلامی تعلیمات کے بالکل منافی ہیں۔اس لئے فیس بک واٹس اپ وغیرہ پر اس سلسلے میں احتیاط سے کام لیں ورنہ یہ چیز خطرناک ہوسکتی ہے، سادگی میں نوجوان اس کا شکار بن جاتے ہیں، اور ہندوستان کی خفیہ ایجنسیاں بھی اس سلسلے میں گہری نظر رکھ رہی ہیں۔

اس بحرانی صورتحال میں اہل اسلام کو مایوس ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، اللہ کی مدد جیسا کہ مضمون میں بتایا گیا بے وہم وگمان آتی ہے، البتہ ایسے حالات میں اہل اسلام کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہئے جس سے اللہ کی مدد آئے، اس سلسلے میں ایک تفصیلی مضمون اگلے صفحہ پر استاذ محترم حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کا دیا جارہا ہے، اسے بغور پڑھیں اور اس کے مندرجات پر عمل کریں، ان شاء اللہ العزیز اللہ کی مدد اور رضا دونوں شامل حال ہوگی۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالات کے بحران میں دستور العمل

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

ہمارے ملک کے حالات رفتہ رفتہ وہ رخ اختیار کرتے جارہے ہیں جس سے علماء کرام، مسلم سیاسی زعماء اور عام مسلمانوں میں بے چینی اور بے یقینی کی کیفیت بڑھتی جارہی ہے، ہم نے پہلے انھیں صفحات میں ذکر کیا تھا کہ موجودہ حکومت ملک کے حق میں عموماً اور مسلمانوں کے حق میں خصوصاً بدنیت ہے، اس کی بدنیتی کے مظاہر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے ہیں، یہی بدنیتی تھی جس نے اجودھیا کی ایک تاریخی مسجد کو منہدم کرایا، اور اس کے نتیجے میں ملک بھر میں فسادات کی ایک لہر چل پڑی، اور پھر اس کے بعد خدائی قہر کا کوڑا بھی خوب برسا، پھر جب سے مرکز میں موجودہ حکومت بنی ہے اس کی بدنیتی کا ظہور جلد جلد ہونے لگا ہے۔ اس حکومت کو..... حکومت ہی کیا..... اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کو دینی استقامت، مذہبی پختگی اور اسلامی تشخص بخشنے کا عمل ان مدارس دینیہ میں انجام پاتا ہے جن کے قیام و بناء کا آغاز اسی وقت ہوا تھا جب ہندوستان میں مسلمانوں کی مغلیہ حکومت کا چراغ جھلملا جھلملا کر ۱۸۵۷ء میں بجھ گیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند قائم ہوا، اس کے بعد مدارس کا سلسلہ چل نکلا، مدارس ہی کے طفیل ہندوستان میں مسلمان بچے رہے، اسلامی تشخص بچا رہا، ان مدارس سے اتنے طاقتور علماء اٹھے جو حکومتوں سے بے تکلف ٹکرا سکتے تھے، وہ انگریزی سامراجیت سے ٹکرائے، اور ایسا ٹکرائے کہ اسے پسپا ہونے پر مجبور کردیا۔ ۱۹۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہوگیا تو ہندوستان کے مسلمان ایک مرتبہ پھر لہولہان ہوگئے، اور اندیشہ ہو چلا تھا کہ پاکستان بننے کے انتقام میں یہاں کی اکثریت انھیں نگل جائے گی، لیکن یہ علماء ہی تھے جنھوں نے اللہ کی توفیق سے مسلمانوں کو، ان کے دینی وجود کو، ان کے اسلامی قانون و شریعت کو سنبھالا اور بچایا۔ یہ علماء، یہ شاہین کا جگر رکھنے والے علماء، عقاب کی نگاہ رکھنے والے علماء کہاں بنتے اور کہاں ڈھلتے ہیں؟ یہ مدارس ہی ہیں جہاں سے ہر ضرورت کے وقت ایک سے ایک

جگر دار اور دور اندیش علماء پیدا ہوتے ہیں، دنیا چاہے انھیں کتنا ہی رجعت پسندی اور بنیاد پرستی کا طعنہ دے، مگر دین اسلام کی حفاظت میں جان لڑا دیتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ جب تک یہ مدارس ہیں اور جب تک یہ علماء ہیں، مسلمان کا جسم تو لہولہان ہوسکتا ہے، اس کا مال تہس نہس ہوسکتا ہے مگر اس کی روح فنا نہیں ہوسکتی ہے۔ حکومت نے بھی یہ سمجھا اور اس نے سازشوں کا رُخ ادھر پھیر دیا۔ ایک غُل مچا ہوا ہے کہ مدارس کے اندر صرف دینی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ تخریب کی مشق کرائی جاتی ہے، بغاوت کے لاوے پکائے جاتے ہیں، اللہ جانے کن کن تباہ کاریوں کا مرکز انھیں بتایا جاتا ہے، بے بنیاد الزام! بے حقیقت تہمت! لیکن اس زور وشور سے انھیں پھیلایا جاتا ہے جیسے یہی حقیقت ہو، پہلے تو ملک کے سرحدی مدارس کو خطرے کا نشان بتایا گیا، اب آگے بڑھ کر دار العلوم دیوبند کو.....جو اس ملک میں جدوجہد آزادی کا بڑا مرکز رہ چکا ہے.....نشانہ بنایا جارہا ہے، یوم آزادی کے موقع پر اس سے کچھ دنوں پہلے سے خاص دیوبند میں اس کے خلاف سرگرمیوں کے آثار پائے جارہے تھے، پھر کچھ روز پہلے ٹرین میں ایک بم دھماکہ ہوا، جس میں دار العلوم دیوبند کا ایک طالب علم شہید ہوگیا اور تین زخمی ہوئے، اور پھر الزام انھیں پر رکھا گیا کہ اس دھماکہ کے مجرم یہی تھے، حالانکہ بعد میں یہ بات غلط ثابت ہوئی، لیکن جو بات آگ کی طرح پھیل جاتی ہے اس کو محو کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

ان حالات سے مسلمان بہت وحشت زدہ اور کبیدہ خاطر ہیں، اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ قومی پیمانے پر انھیں ہراساں کرنے اور پھر مٹا دینے کا منصوبہ ہر وقت زیر غور رہتا ہے، بلکہ بروئے کار آتا رہتا ہے، لیکن مسلمانوں کی خدمت میں عرض ہے کہ ؎

دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی تر ست

دشمن اگر مضبوط ہے تو نگہبان اس سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔

مسلمان وحشت میں مبتلا نہ ہوں، نہ کچھ خوف کریں، مسلمان بزدل نہیں ہوتا، اس کا مرکز قلب اور مطمحِ نگاہ صرف اور صرف ایک ہے، یہ مشرک نہیں کہ کمزور خداؤں سے مایوس ہوجائے، یہ موحد ہے، اس کا ایمان اللہ پر ہے جس کے اشارے پر ساری کائنات ہے، مشرک تو عذاب دائمی میں گرفتار ہے، شرک کی ظاہری اور عارضی چمک دمک سے نگاہیں اگر خیرہ ہوگئیں تو توحید اور ایمان کی سخت توہین ہے، مسلمانوں کو صرف اس کی ضرورت ہے کہ ان ناموافق حالات میں جبکہ بحالت موجودہ طاقت کے مجتمع کرنے اور اسے استعمال کرنے سے یکسر مجبوری ہے، شریعت اسلامی کے احکام معلوم کریں اور

بغیر کسی تذبذب کے ان پر جم جائیں اور یقین کی قوت کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہو جائیں، پھر دیکھیں کہ ان کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتے اتر آئیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ اَوْلِيَآؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَاتَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَاتَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ. (سورہ حم السجدۃ: ٣٠، ٣١، ٣٢)

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اپنے اس قول پر مضبوط رہے، ان پر فرشتے مسلسل اُترتے ہیں کہ نہ کچھ اندیشہ کرو، نہ افسوس میں پڑو اور جنت کی خوش خبری حاصل کرو، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے دوست ہیں دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی، اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تمہارا جی چاہے، اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو، یہ سب سامان مہمانی ہے، مغفرت کرنے والے رحم وکرم کرنے والے کی جانب سے۔

یہ اللہ کا فرمان ہے، جو ہر قسم کے شک وشبے سے پاک ہے، اور اگر مسلمان ہو کر مسلمان ہونے کی وجہ سے، اسلام پر ثابت قدم ہونے کی وجہ سے ستائے جاتے ہیں، مارے جاتے ہیں، لوٹے جاتے ہیں، تو کچھ غم نہیں، جس ذات کے نام پر ستائے جارہے ہیں، مارے جارہے ہیں، لوٹے جارہے ہیں، اس کو سب خبر ہے، ہر دشمن اس کی گرفت میں ہے، اور مسلمان کی تو بڑی سعادت ہے اس کے پروردگار کے نام پر اور اس کی وجہ سے ستایا اور مارا جائے۔ مارے گئے تو شہید ہیں، جن کے بارے میں پروردگار کا حکم ہے کہ انھیں مردہ نہ سمجھو، وہ زندہ ہیں انھیں روزی ملتی ہے، اور اس دنیا سے کہیں بڑھ کر انھیں بڑے بڑے انعام سے نوازا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں: فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران) پھر وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے، ان سے ان کی برائیاں دور کر دوں گا، اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ اللہ کی جناب سے بدلہ ہے، اور اللہ کے پاس بہترین ثواب ہے۔

ان آیات میں جو چند چیزیں اللہ نے ذکر فرمائی ہیں، یعنی (۱) ہجرت کرنی (۲) گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا جانا (۳) اللہ کی راہ میں ستایا جانا (۴) جہاد کرنا (۵) اور پھر شہید ہونا۔

مسلمان نہ مرنے سے گھبراتا ہے اور نہ ستائے جانے سے، بشرطیکہ وہ اللہ کے لئے ہو، کسی اور مقصد سے مارا جانا یا ستایا جانا اس کے لئے باعث ننگ ہے، مگر اللہ کے لئے یہ سب ہو تو صد رشک عبادت ہے۔

پس یہ حالات ایک مسلمان کے لئے مایوسی کا سبب نہیں ہیں، وہ اللہ سے امید کبھی نہیں توڑتا، اس کی قدرت میں ہے جب چاہے حالات کو پلٹ دے۔

پس اے مسلمانو! ☆ اللہ کی اطاعت کرو، ☆ رسول کی سنت پر چلو، ☆ نمازوں کی پابندی کرو، ☆ صرف اللہ سے مدد مانگو، کسی اور آستانے پر مت جھکاؤ، ☆ بدعت سے اجتناب کرو، ☆ دل سے کینہ کپٹ کو دور کرو، ☆ حقوق کے ادا کرنے میں سبقت کرو، ☆ کسی کا حق نہ مارو، نہ ستاؤ، ☆ وراثت کو شرعی قانون کے مطابق تقسیم کرو، ☆ اپنی ظاہری شکل وصورت کو شریعت کے مطابق رکھو۔ داڑھی بڑھاؤ، مونچھوں کو ترشواؤ، ☆ ہر ناجائز آمدنی سے پرہیز کرو، ☆ غلط خرچ سے خود کو بچاؤ، ☆ جھوٹ سے، تہمت تراشی سے، غیبت سے، آبروریزی سے اپنی مجلسوں کو پاک رکھو، ☆ مال بقدر نصاب ہو اور سال گزر جائے تو فوراً زکوٰۃ ادا کرو، ☆ حج کی استطاعت ہو جائے تو بلا تاخیر حج کرو، ☆ رمضان شریف کے روزے رکھو اور تراویح کا اہتمام کرو۔

یہ وہ چیزیں ہیں جن سے کوئی نہیں روک سکتا، اتنا کرلو تو دیکھنا کیسا انقلاب آتا ہے، جس کی آج طاقت نہیں ہے، کل وہ کام آسان ہوگا، کوئی حکومت کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی، خیر وشر سب خدا کی قدرت میں ہے، ان کی بات مانو اور اطمینان سے ان پر توکل کرو: **وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ**، (سورۃ الطلاق:۳) جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ اس کو کافی ہے۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔(سورۃ الملک) کہہ دو وہی رحمٰن ہے، اسی پر ہم ایمان لائے اور اسی پر ہم نے توکل کیا، جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کھلی ہوئی غلطی اور گمراہی پر کون تھا۔

(حدیث درد دل، ص:۲۴۴)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدرسہ کھولا ہے دوکان نہیں!

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ (اللہ ان کے درجات بلند فرمائے) ایک دن ہمیں وصیت کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ دیکھو بھائی یہ میں نے مدرسہ کھولا ہے اور کوئی دوکان نہیں کھولی ہے، اور میں اس کو ہر قیمت پر چلانے کا مکلّف نہیں ہوں۔ میں اس کا مکلّف ہوں کہ اپنی حد تک اس کو چلانے کی جتنی کوشش ہوسکتی ہے وہ کروں اور اس کو ہمیشہ چلاتے رہنے کا بھی مکلّف نہیں ہوں، لہٰذا جب تک اصول صحیحہ کو برقرار رکھتے ہوئے اس کو چلاسکو تو چلاؤ، لیکن جس دن اس کو چلانے کے لئے اصول صحیحہ کو قربان کردینا پڑے اس دن اس کو تالا ڈال کر بند کردینا، کیونکہ مدرسہ بذات خود مقصد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور وہ اس وقت حاصل ہوسکتی ہے جب مدرسہ اصول صحیحہ پر چلایا جائے، یہ کوئی دوکان نہیں ہے کہ اس کا ہر حال میں چلتے رہنا ضروری ہو، اس کو بند کر کے کوئی اور دھندا دیکھ لو، کوئی اور کام کرلو۔

یہ بڑے کانٹے کی بات فرمائی تھی اس لئے کہ عام طور سے جب مدرسے قائم کئے جاتے ہیں تو دماغ میں یہ ہوتا ہے کہ اس کو ہر حال میں چلانا ہی ہے، اگر صحیح راستہ اختیار کئے ہوئے نہیں چلتا تو غلط راستہ اختیار کرو، لیکن وہ کہتے تھے کہ غلط راستہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تو جب صحیح راستہ سے نہیں چل رہا ہے تو بند کردو۔ آخرت میں سوال نہیں ہوگا کہ تم نے بند کیوں کردیا، ساری عمر اسی اصول پر عمل فرمایا، مدرسوں کے اندر جو جذبات ہوتے ہیں ان کی کبھی رعایت نہیں کی۔

جب دارالعلوم نانک واڑہ سے یہاں منتقل ہو رہا تھا تو آپ لوگ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ یہ جگہ کیا تھی، ایسا ویرانہ اور ریگستان اور ایسا صحرا تھا جس میں دور دور تک نہ پانی، نہ بجلی، نہ فون، نہ پنکھا، نہ بس اور نہ کوئی آمدورفت کا ذریعہ، بس ڈیڑھ میل دور جاکر ملتی تھی، وہ بھی سدا جنگل تھا، پانی شرافی

گوٹھ کے کنویں سے بھر کر لاتے تھے، یہاں پانی نہیں تھا، ایسی جگہ مدرسہ قائم کیا تھا۔

اس وقت بہت سے ایسے اساتذہ جو بڑے مشہور تھے اور ہمارے یہاں پڑھا رہے تھے وہ یہاں آنے پر تیار نہیں تھے، اس لئے کہ یہاں زندگی بڑی پُر مشقت تھی، بہت سے حضرات اور بڑے بڑے اساتذہ جن میں چند ایسے اساتذہ بھی تھے جو دارالعلوم کی بنیاد سمجھے تھے وہ چلے گئے۔ ان کے جانے سے ظاہر ہے مدرسے کے اوپر اثر پڑنا تھا، تو لوگوں نے والد صاحب کے پاس جا کر کہنا شروع کر دیا کہ جب اتنے بڑے بڑے اساتذہ چلے گئے ہیں تو مدرسہ کیسے چلے گا؟ لہٰذا کسی مشہور استاذ کو خط لکھ دیں کہ آپ ان کو بلانا چاہتے ہیں، لیکن والد صاحب نے کہا کہ یہ میرے اصول کے خلاف ہے، میں یہ نہیں کر سکتا کہ ایک مدرسہ کو اجاڑ کر دوسرا مدرسہ آباد کروں، لہٰذا اگر کوئی کہیں کام کر رہا ہے تو میں اس کو بیع علیٰ بیع اخیہ نہیں کروں گا، ہاں اگر خود سے اللہ تعالیٰ عطا فرما دیں تو دوسری بات ہے۔

ایک سال ایسا ہوا کہ دورۂ حدیث کی جماعت میں بارہ یا تیرہ طالب علم تھے، لوگوں نے کہا کہ دورۂ حدیث کی جو جماعت ہے اور بارہ تیرہ طالب علم ہیں، کہا کوئی ضروری تھوڑا ہی ہے کہ طلبہ کی بھیڑ جمع کریں، ہمارے جو صحیح طریقے ہیں ان سے ہم جتنا کر پا رہے ہیں اسی کے مکلّف ہیں چاہے وہ بارہ ہوں یا دس ہوں یا پانچ ہوں، ایک بھی نہ ہو نہ سہی، لیکن اصول صحیحہ کو قربان کر کے طلبہ کی جماعت بڑھاؤں، یہ نہیں کروں گا۔ سالہا سال یہ صورتحال رہی، کئی سال تک یہ صورتحال رہی کہ لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ بھائی دیکھو فلاں مدرسہ میں اتنے طالب علم ہیں اور اس میں بارہ چودہ طالب علم ہیں۔ فرماتے وہ ہوا کرے، ہمیں جماعت بڑھانا تھوڑا ہی مقصود ہے، ہمارا مقصد دین کی خدمت ہے چاہے وہ جس طرح بھی ہو جائے، کسی کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹائیں گے، ایک استاذ کافی ہے۔ کسی نے کہا کہ حضرت یہ تو حالت ضرورت اور اضطرار ہے، انھوں نے جواب دیا کہ صاحب یہ مولویانہ تاویلات چھوڑو میں یہ کام نہیں کروں گا، جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ خود کہیں سے چھوڑنا چاہتے ہیں تو ان کو بلا لوں گا، ساری عمر یہی کام کیا۔

یہ پلے باندھنے کی باتیں ہیں، جب مقصود دین ہی ہے پھر ہر معاملہ میں دین کی تعلیم کو مدنظر رکھنا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے، یہ نہیں کہ مدرسہ کے لئے اور معیار ہے اور دوسروں کے لئے اور معیار ہے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس قرآن

مولانا عبدالمعید صاحب قاسمی، پورہ رانی، مبارکپور

﴿وَإِلىٰ ثَمُوْدَ أَخَاهُمْ صَالِحاً، قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ، قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَّبِّكُمْ، هٰذِهِ نَاقَةُ اللهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوْهَا تَأْكُلْ فِيْ أَرْضِ اللهِ وَلاتَمَسُّوْهَا بِسُوْءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ. وَاذْكُرُوْا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوراً وَّتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتاً، فَاذْكُرُوا آلاءَ اللهِ وَلاتَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ [سورة الأعراف]

ترجمہ: اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا، صالح نے کہا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، تمہارے لیے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آچکی ہے، یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نشانی ہے، سو تم اسے اللہ کی زمین میں چھوڑے رکھو، کھاتی پھرا کرے، اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگاؤ، ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا۔ اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قوم عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا اور زمین میں رہنے کا ٹھکانا دیا، تم اس کے نرم حصوں (میدان) میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو، سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت کرو۔

اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں مبعوث ہوئے اس کو قوم ثمود کہا جاتا ہے، علماء انساب نے قوم ثمود کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے نسب نامہ میں ایک شخص کا ذکر کیا ہے، جس کا نام ثمود ہے، اسی شخص کی طرف نسبت کر کے یہ قبیلہ اور قوم، قوم ثمود کہلاتی ہے۔ عاد اور ثمود دونوں ایک ہی دادا کی اولاد ہیں، یہ دو شخصوں کے نام ہیں، بنو عاد، قوم عاد کے نام سے اور بنو ثمود، قوم ثمود کے نام سے موسوم ہوئے، قوم ثمود کی آبادیاں حجر میں تھیں، حجاز وشام کے درمیان وادئ قریٰ تک جو میدان ہے، یہ سب ان کا مقام سکونت تھا، قوم عاد کی ہلاکت کے بعد یہ لوگ زمین میں پھلے پھولے، قوم عاد کی

طرح قوم ثمود بھی بڑی قوت اور طاقت والی تھی، زمین کے نرم حصوں میں یعنی میدانی علاقوں میں محلات اور بڑے بڑے مکانات بناتے تھے، نیز پہاڑوں کو تراش کر اپنے لیے گھر بناتے تھے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ﴿تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوراً وَّتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتاً﴾ میں بیان فرمایا ہے، قوم ثمود کے تراشے ہوئے پہاڑ اور ان میں بنائے ہوئے مکانات، کھنڈرات کی شکل وصورت میں آج تک موجود ہیں، جو مدائن صالح کے نام سے مشہور ہیں۔

قوم ثمود اپنے پیشروؤں کی طرح بت پرست تھی اور بہت سے معبودان باطلہ تجویز کر رکھے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو جو قوم ثمود ہی کے ایک فرد تھے، قوم کی اصلاح اور احقاقِ حق کے لیے نبی بنا کر بھیجا، حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد دلایا اور فرمایا: يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ. اے میری قوم! (تنہا) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔

قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کو تمسخرانہ انداز میں انتہائی نامعقول جواب دیا، جس کو قرآن کریم نے سورۃ القمر میں نقل فرمایا: ﴿فَقَالُوْا أَ بَشَراً مِّنَّا وَاحِداً نَتَّبِعُهٗ، إِنَّا إِذاً لَّفِي ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ، ءَ أُلْقِيَ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا، بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ﴾ سو انھوں نے کہا: کیا ہم ایک ایسے شخص کی اتباع کریں جو ہم ہی میں سے ہے، بیشک اس صورت میں تو ہم بڑی گمراہی اور دیوانگی میں جا پڑیں گے، کیا ہم سب کے درمیان اس پر نصیحت نازل کی گئی؟ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ جھوٹا شیخی باز ہے۔

نیز قوم نے یہ بھی کہا: ﴿يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوّاً قَبْلَ هٰذَا أَتَنْهٰنَا أَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَا إِلَيْهِ مُرِيْبٍ﴾ اے صالح! پہلے تو تو ایسا آدمی تھا کہ ہم سب کی امیدیں تجھ سے وابستہ تھیں، پھر کیا تو ہمیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ پرستش کریں ہم جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے، بے شک ہم کو اس میں بڑا ہی شک ہے جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو کہ ہمارے دل میں اترتی ہی نہیں ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لائے وہ بہت قلیل تھے، اور دنیاوی اعتبار سے کمزور بھی تھے، عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر پہلے وہی لوگ لبیک کہتے ہیں جو دنیاوی اعتبار سے کمزور ہوتے ہیں اور قوم میں حقارت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، جب کہ قوم کے سردار اور سرمایہ دار باطل پرستی پر قائم رہے، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہمہ قسم کی نعمتوں کا شکر ادا

کرنے کے بجائے کفرانِ نعمت کو اپنا شعار بنالیا، یہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کرتے: اگر ہم باطل پر ہوتے تو ہم کو مال و دولت کی کثرت، سیم و زر کی بہتات اور سرسبز و شاداب باغات کی فراوانی نہ ہوتی، اے صالح! تو خود کو اور اپنے متبعین کو دیکھ اور تنگ حالی اور غربت پر نظر رکھ اور بتلا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے اور مقبول ہم ہیں یا تم؟ حضرت صالح علیہ السلام جواب میں فرماتے: اللہ کے رسول اور اس کے لائے ہوئے دین برحق کا مذاق نہ اڑاؤ، اگر تمہارے غرور و عناد کا یہی حال رہا تو پل بھر میں یہ سب ختم ہو جائے گا، پھر نہ تم رہو گے اور نہ تمہارا ساز و سامان، تمہارا یہ سمجھنا کہ یہ نعمتیں اور ساز و سامان خوشنودیٔ الٰہی کا ثمرہ ہیں، سخت غلطی ہے۔ الغرض حضرت صالح علیہ السلام برابر تبلیغ کرتے رہے، قوم کو سمجھاتے، اللہ کے عذاب سے ڈراتے اور خوف دلاتے رہتے، لیکن قوم نے نہ مانا، بلکہ کہا کہ کوئی ایسا معجزہ اور نشانی دکھاؤ جس سے ہم تمہاری صداقت کے قائل ہو جائیں اور تم پر ایمان لائیں؟ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: کون سی نشانی چاہتے ہو؟ قوم نے کہا: پہاڑ میں سے اونٹنی نکال کر دکھلا دو، اگر اونٹنی نکل آئی تو ہم مان لیں گے کہ تم اللہ تعالیٰ کے نبی ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے بہت سمجھایا کہ منہ مانگا ہوا معجزہ فیصلہ کن ہوتا ہے؛ لیکن قوم اپنے مطالبے پر اڑی رہی تو حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی جو بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی، اسی وقت ایک پہاڑی پھٹی اور ایک اونٹنی نمودار ہوئی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: تمہارا مطلوبہ نشان اونٹنی کی شکل میں موجود ہے، اگر تم نے اس کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا تو تمہارا یہی مطلوبہ نشان تمہاری ہلاکت کا باعث ہوگا۔

یہ ماجرا دیکھ کر بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے، کچھ بڑے لوگوں نے ایمان لانے کا ارادہ کیا، لیکن بتوں کے پجاریوں نے ان کو ایمان لانے سے روک دیا۔

بہرحال قوم اونٹنی کو برداشت نہ کر سکی، ایک سازش کے تحت قیدار بن سالف نامی شخص کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اونٹنی کے قتل میں پہل کرے اور کچھ لوگ اس میں اس کی مدد کریں، اس طرح اونٹنی کو ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو جب معلوم ہوا تو فرمایا: ﴿تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ﴾ تم اپنے گھروں میں تین دن فائدہ اٹھالو، یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہے۔

جب حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تین روز کے بعد نہ ٹلنے والا عذاب آجائے گا تو قوم نے مذاق اڑایا اور کہنے لگے: ﴿يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اے صالح! وہ عذاب لے آؤ، جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو، اگر تم پیغمبروں میں سے ہو۔ (بقیہ ص ۲۲ پر)

ماہ شعبان اور شب برأت کی فضیلت وعظمت

مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی

شعبان المعظم اسلامی تقویم کا آٹھواں مہینہ ہے، اس کی عظمتِ شان کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے فرمایا: شَعْبَانُ شَهْرِيْ وَرَمَضَانُ شَهْرُ اللهِ کہ شعبان میرا مہینہ اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔

اس سے بظاہر یہ سمجھا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس ماہِ معظم کی نسبت اپنی طرف کرکے اس مہینہ میں کثرت عبادت وریاضت اور رمضان شریف کے روزوں کی تیاری کی ترغیب دی ہے؛ کیوں کہ آنحضور ﷺ ماہِ شعبان میں کثرت سے روزہ رکھتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! روزہ رکھنے کے لیے آپ کے نزدیک سب سے پسندیدہ جو مہینہ ہے وہ شعبان ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس ماہ میں اللہ تعالیٰ اس سال ہر مرنے والے کا نام لکھ دیتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میری اجل لکھی جائے تو میں روزہ کی حالت میں رہوں۔ [الترغیب والترہیب للمنذری ج:۲،ص:۱۱۷]

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں دیکھتا ہوں کہ جتنا روزہ آپ ماہِ شعبان میں رکھتے ہیں، اتنا روزہ کسی اور مہینہ میں نہیں رکھتے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ رجب اور رمضان کے درمیان ایک مہینہ ہے، جس کی عظمت سے لوگ غافل ہیں، حالانکہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں رب العالمین کے دربار میں اعمال کی پیشی ہوتی ہے، میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال کی پیشی اس حالت میں ہو کہ میں روزہ کی حالت میں رہوں۔ [الترغیب والترہیب للمنذری ج:۲،ص:۱۱۶]

محبوب سبحانی حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں لکھا ہے

کہ شعبان، شعب سے مشتق ہے، جس کا معنی: پھیلنا اور بکھرنا ہے، اور مہینہ کا شعبان نام اس وجہ سے پڑا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں کثرت سے بکھرتی اور عام ہوتی ہیں۔

ماہِ شعبان اصل میں ماہِ رمضان کی تیاری اور روزہ کی مشق کا مہینہ ہے، اپنے کو رمضان المبارک کے لیے پوری طرح تیار کرنے اور اس کا استقبال کرنے کا مہینہ ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ جب کوئی فوج محاذِ جنگ پر جانے کو ہوتی ہے تو پہلے ہی سے فوجی مشق شروع کر دیتی ہے، بالکل یہی خصوصیت ماہِ شعبان کی ہے۔ اس مہینہ میں بندگانِ خدا کی عمر اور موت اور ان کے سال بھر کے رزق کا پورا چارٹ فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے کہ اس سال کون مرے گا، کس کا رزق کشادہ کیا جائے گا اور کس کا تنگ کیا جائے گا، گویا ایک طرح سے منجانب اللہ یہ بجٹ پیش کرنے کا مہینہ ہے۔

عظمت والی رات شب برأت:

ماہ شعبان میں ایک نہایت مبارک رات ہے، جو نصف شعبان کی ہے، جس کو شب براءت کہا جاتا ہے، شب براءت اس لیے کہ اس رات اللہ تعالیٰ بے حساب وشمار بندوں کی مغفرت فرما کر جہنم سے ان کو نجات دیتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کو اپنے پاس نہیں پایا، میں تلاش میں باہر نکلی تو دیکھا کہ بقیع الغرقد میں تھے، جب آپ واپس تشریف لائے تو فرمایا: کیا تم کو اندیشہ تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا؟ میں نے کہا کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ اپنی کسی اور زوجہ کے پاس چلے گئے ہوں گے، آپ نے فرمایا کہ عائشہ! میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے تھے، انھوں نے کہا: یہ پندرہویں شعبان کی رات ہے، اس رات میں اللہ تعالیٰ بنوکلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد میں جہنم سے لوگوں کو آزاد کرتے ہیں؛ مگر مشرک، کینہ پرور، قطع رحمی کرنے والے، ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والے، والدین کو ستانے اور نافرمانی کرنے اور شراب کے عادی کی مغفرت نہیں فرماتے۔ [بیہقی، ترمذی: ج:۱، ص:۱۵۶]

اسی مفہوم کی حدیثیں امام احمد بن حنبلؒ اور امام بزارؒ نے روایت کی ہیں، علامہ حافظ نورالدین ہیثمیؒ نے اپنی کتاب ''مجمع الزوائد'' میں شب براءت اور شعبان کی فضیلت سے متعلق احادیث کو نقل کیا ہے۔

حدیث نمبر (۱): حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب شعبان کی پندرہویں

رات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور اپنے بندوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں، سوائے اس شخص کے جو مشرک ہو یا اپنے بھائی سے ناحق عداوت رکھتا ہو۔

حدیث نمبر (۲): حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب شعبان کی پندرہویں شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں، سوائے مشرک اور مشاحن کے۔ (مشاحن وہ شخص ہے جو کسی سے بلاوجہ عداوت رکھتا ہے، یہاں مراد وہ اہل بدعت ہیں جو اہل سنت سے خارج ہیں۔ [امام اوزاعیؒ]

بدنصیب افراد:

شب براءت میں جب کہ عام بخشش ہوتی ہے، امت کے چند ایسے محروم القسمت افراد بھی ہیں، جن کی مغفرت نہیں ہوتی۔ وہ کتنے معتوب ہیں رب العالمین کے دربار میں! اور افسوس کہ کثیر تعداد میں اس طبقے کے لوگ پائے جاتے ہیں، اور مشرک تو بہرحال اس کی بخشش کا سوال ہی نہیں ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُّشْرَكَ بِهٖ، وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ﴾ لیکن جو صاحبِ ایمان ہیں، ان کے اندر وہ ناپسندیدہ صفات پائی جاتی ہیں، جو مغفرت کا دروازہ ان پر بند کردیتی ہیں۔

کینہ پرور:

ان میں سے ایک کینہ پرور مسلمان ہے، جو اپنے دل میں دوسرے مسلمان بھائیوں سے ان کی کسی خوبی یا کسی اور سبب سے کینہ رکھتا ہے اور اس کے لیے مصیبت و پریشانی کی تمنا کرتا ہے، حسد کرتا ہے، جلتا ہے اس کی خداداد خوبیوں پر، یا دولت وثروت اور علم وفضل سے، اللہ ایسے کینہ پرور کو شب برأت کے فیضِ عام سے محروم رکھتے ہیں۔

والدین کا نافرمان:

اللہ تعالیٰ نے والدین کا مقام ومرتبہ اتنا بلند فرمایا ہے کہ اپنی عبادت کے حکم کے بعد معاً والدین کے ساتھ احسان کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور ان کی نافرمانی کو جرم عظیم قرار دیا ہے؛ یہاں تک کہ ان کی کسی بات پر ناگواری کا جملہ بولنا، اُف کہنا بھی حرام کیا ہے، والدین کے احسانات کو یاد کرکے ان کے حق میں دعا کرنے کی تاکید فرمائی ہے؛ لیکن اس دور کی اولاد اپنے ضعیف والدین کے ساتھ کیا برتاؤ کرتی ہے، وہ خود اپنا محاسبہ کرکے اپنا انجام سوچ لے، ایسی نافرمان، والدین کو ستانے

والی اولاد خواہ کتنی ہی عبادت گذار ہو، اللہ کے نزدیک اس کی عبادت کا کوئی درجہ نہیں؛ اس لیے کہ جب والدین ہی خوش اور راضی نہیں تو پھر اللہ بھی راضی ہونے والا نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ کی رضا والدین کی رضامندی میں ہے۔

قطع رحمی کرنے والا:

محروم القسمت مسلمانوں میں سے ایک وہ مسلمان بھی ہے، جو اپنے قریبی رشتہ داروں سے قطع تعلق رکھتا ہے، ان سے بول چال بند اور ملنا جلنا ختم ہوتا ہے۔ آج ہمارے معاشرے کا جو حال ہے بس اللہ تعالیٰ ہی بچائے، بھائی بھائی میں قطع تعلق ہے، ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار سے عداوت رکھتا ہے، شادی بیاہ ہو یا بیماری اور موت ہو، ایک دوسرے کے پاس آنا جانا نہیں ہے، یہ قطع رحمی کسی دینی سبب سے نہیں ہوتی، بس دنیاوی جھگڑے ہیں، آپس کا شکوہ شکایت ہے، زمین جائداد کا مسئلہ ہے، اور بول چال، ملنا جلنا بند ہو گیا ہے، اتنی دشمنی کہ اللہ کی پناہ! شکل دیکھنے کے روادار نہیں، اس پر نماز کی پابندی بھی ہے، حج پر حج ہو رہے ہیں، تبلیغی جماعت کا چلہ بھی لگ رہا ہے، تلاوت کی کثرت بھی ہے، صدقہ وخیرات بھی ہے؛ لیکن قطع رحمی ہے کہ اس کو ختم کرنے کو تیار نہیں۔

شراب نوشی:

محروم ومبغوض مسلمانوں میں سے ایک وہ بھی ہوتا ہے، جو شراب پینے کا عادی ہے، شراب کو اللہ کے رسول ﷺ نے ام الخبائث فرمایا ہے کہ ہر برائی کی اصل اور جڑ ہے، شراب نوشی کے مفاسد سماجی بھی ہیں اور جسمانی بھی، آدمی ہوش وحواس کھو کر نہ جانے کتنے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے، شراب کے حکم میں ہر قسم کی منشیات بھی داخل ہیں، جو آج سماج میں مختلف ناموں سے متعارف ہیں۔ افسوس کہ نئی نسل میں شراب نوشی اور منشیات کا استعمال عام ہوتا جا رہا ہے، معاشرہ بھی تباہ ہو رہا ہے اور شرابی کا جسم بھی تباہ ہو رہا ہے، وقتی لذت ہزاروں مصیبت کا ذریعہ ہے اور آخرت کے دن مغفرت ورحمت سے محرومی کا سبب ہے۔

شب برأت کا اہتمام:

ہمارے ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش میں شب براءت کی عبادت وطاعت کا اہتمام بزرگوں نے ہر دور میں کیا ہے اور آج بھی یہ روایت باقی ہے، جب کہ مسلمانوں میں پیدا ہونے والا

ایک جدید فرقہ بھی ہے، جوشب براءت کی عبادات اوراس کے اہتمام کو بدعت قرار دیتا ہے اوراپنے کو حدیث پر عامل طبقہ کہتا ہے، جب کہ پندرہویں شب کی عبادت اور دن کے روزہ رکھنے کا حکم بتانے والی حدیث کو اس فرقہ کے علمانے بھی صحیح مانا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُومُوا لَيْلَهَا وَصُومُوا يَوْمَهَا. [رواہ ابن ماجہ] کہ جب شعبان کی پندرہویں شب آئے تو اس رات عبادت کا اہتمام کرو اوراس کے دن میں روزہ رکھو۔ صاحب تحفۃ الاحوذی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اس حدیث اور شب شعبان سے متعلق دیگر احادیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں: فَهٰذِهِ الْأَحَادِيثُ بِمَجْمُوعِهَا حُجَّةٌ عَلىٰ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ فِي فَضِيلَةِ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ شَيْءٌ. [تحفۃ الأحوذی، ج:۲،ص:۵۳]

اس سلسلے میں ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ نے بہت مدلل تحریر فرمایا، نیز حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ کی کتاب ''شب براٴت کی شرعی حیثیت'' میں اس موضوع پر بہت مستند مواد ملے گا، دونوں بزرگوں نے ثابت کیا ہے کہ شب براءت کا اہتمام کرنا اوراس رات عبادت وتلاوت اور ذکر ونوافل میں بسر کرنا نہ صرف احادیث نبویہ سے ثابت ہے؛ بلکہ اسلاف کا طریقہ ہے، مخالفت کرنے اور بدعت قرار دینے والے لوگ ہٹ دھرم اور نفس پرست ہیں۔

غیر شرعی اعمال سے اجتناب کریں:

شب براءت کے موقع پر کچھ وضع کردہ رسمیں مسلمانوں میں عام ہیں یا کچھ مفاد پرست لوگوں نے اپنے مفاد کے لیے ان کو عام کررکھا ہے، ان میں سے حضرت اویس قرنیؒ کے نام پر مختلف قسم کا حلوہ بنا کر نذرونیاز کرنا ہے، جس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں محض ایک بدعت ہے۔ اسی طرح یہ عقیدہ رکھنا کہ اس رات مُردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں، لہذا گھروں کو لیپنے پوتنے اور صاف ستھرا کرنے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ بھی محض خرافات ہے، نظافت وصفائی تو اسلام کا اہم حصہ ہے، گھروں کو یوں بھی صاف ستھرا رکھنا پسندیدہ عمل ہے، کسی خاص موقع پر ثواب جان کر کرنا ہی بدعت ہے۔ اور حلوہ بنانا بھی ممنوع نہیں، روز بنا کر کھا سکتے ہیں، کھلا سکتے ہیں؛ مگر شب براءت کو متعین کر کے ہی بنانا اوراس رات کے معمولات کا ایک حصہ سمجھنا، یہی بدعت ہے۔ اسی طرح شب براءت کو پٹاخے پھوڑنا، چراغاں کرنا درحقیقت ہندؤں کے تہوار دیوالی کی نقل ہے اور مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ میں داخل ہے، روافض نے جب کہ ان کی زمین داری تھی ایک خاص حکمت کے پیشِ نظر اس کو

جاری کیا تھا، اسی دن کسی اہم صحابی کی وفات ہوئی تھی، جن سے روافض کو بغض شدید ہے تو ان کی موت پر خوشی مناتے ہیں۔

ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ شب براءت جیسی مہتم بالشان رات کا اجر وثواب غفلت شعاری اور بدعات وخرافات کے باعث ہم سے فوت نہ ہو جائے، اس رات میں دعائیں رد نہیں کی جاتیں۔

اس مبارک رات میں آنحضور ﷺ کا بقیع الغرقد (جو مدینہ منورہ کا قبرستان ہے) میں جانا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے؛ لہذا اس رات میں قبرستان جا کر مُردوں کو ایصال ثواب کرنا اور اپنی موت کو اور آخرت کو یاد کرنا ایک مستحب عمل ہے، بزرگانِ دین سے بھی قبرستان جانا ثابت ہے۔

لیکن آج کل جو صورت حال بن چکی ہے کہ قبرستان میں قبروں پر چراغ جلائے جاتے ہیں، پھول چڑھائے جاتے ہیں، اور جھنڈ بنا کر رات بھر آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اسی طرح مساجد میں ''رات جگے'' کا اہتمام ہوتا ہے، شربت، چائے وغیرہ کی سبیلیں لگتی ہیں، شور وغل ہوتا ہے، یہ سب اعمال وحرکات غیر شرعی اور لایعنی بن جاتی ہیں۔ اصل مقصد ہے کہ اپنے اپنے طور پر لوگ عبادت کریں، تلاوت کریں، دعائیں کریں، اگر غیر اعلانیہ طور پر از خود مساجد میں لوگوں کا اجتماع ہو جاتا ہے تو وہ قابل گرفت ہرگز نہیں، الگ سے اہتمام کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ ص ۱۶ کا)

علامہ آلوسیؒ تفسیر ''روح المعانی'' میں تحریر فرماتے ہیں: ثمود پر عذاب آنے کی علامات اگلی صبح ہی شروع ہو گئیں، پہلے دن ان سب لوگوں کے چہروں زرد پڑ گئے، جیسا کہ خوف کی ابتدائی حالت میں ہو جایا کرتا ہے، دوسرے دن سب کے چہرے سرخ ہو گئے جو خوف کا دوسرا درجہ ہے، اور تیسرے روز سب کے چہرے سیاہ ہو گئے، یہ خوف ودہشت کا وہ آخری درجہ ہے جس کے بعد موت ہی کا نمبر آتا ہے۔ ان تین دنوں کے بعد وقت موعود آ پہنچا اور رات کے وقت ایک خوفناک آواز نے ہلاک کر دیا؛ چنانچہ قرآن عزیز میں ہے: ﴿فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾ صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے۔

اس طرح یہ ظالم اور سرکش قوم اپنے انجام کو پہونچی۔ اعاذنا اللہ منہا

دوسری اور آخری قسط

بہترین عورت

حدیث رسول کے آئینے میں

مولانا قمر الحسن قاسمی مہراج گنجی
استاذ (شعبہ عربی) مدرسہ تعلیم الاسلام جامع مسجد شہر اعظم گڑھ

شوہر کی عدم موجودگی میں عصمت و مال کی حفاظت

اب آیئے آخری ٹکڑے پر نظر ڈالتے ہیں:

تَحۡفَظُ غَيۡبَتَكَ فِيۡ نَفۡسِهَا وَمَالِكَ.

''تمہاری غیر موجودگی میں اپنی ذات کی اور تمہارے مال کی حفاظت کرے۔''

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی کا یہ آخری جز ہے، جس میں آقاؐ نے اپنی امت کی خاتون کو دنیا وآخرت میں بلند مقام پر فائز ہونے کے لئے، گھر خاندان میں مثالی خاتون بننے کے لئے ایک مؤثر نسخہ تجویز فرمایا ہے، کہ ایک مومنہ صالحہ خاتون کا اخلاقی، معاشرتی اور اسلامی کردار یہ ہونا چاہئے کہ اپنے خاوند کی غیر موجودگی میں اپنی بھرپور نگہداشت کرے، شوہر کی اجازت کے بغیر نہ اپنا قدم باہر نکالے، نہ دوسرے اجنبی مرد کے قدم کو اندر داخل ہونے دے۔

شوہر کے گھر کی چہار دیواری اس کی دار السلطنت ہے، وہ وہاں کی ملکہ ہے، اس کو پورے وقار، متانت اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے حدود مملکت میں رہنا چاہئے، اس کے سرتاج کی غیر موجودگی میں اگر کوئی ایسا شخص جس کے دل میں مرض ہے، جو خواہش کا پجاری اور ہوا پرست ہے اس کے دروازے پر دستک دے تو ارشاد ربانی **فلا تخضعن بالقول** پر عمل کرتے ہوئے اس کو اپنی آواز میں کرختگی پیدا کر کے کڑک دار آواز سے پوچھے کون؟ تا کہ اس لہجے ہی سے اس کی ابھری ہوئی خواہش وہیں دب جائے، بلکہ مرجائے اور وہ دوبارہ ادھر کا رخ نہ کرے۔ یہی معاملہ اجنبی فون کرنے والوں

کے ساتھ کرنا چاہئے تا کہ اس کا حوصلہ پست ہو جائے اور دوبارہ فون کرنے کی جرأت نہ کرے۔

لیکن آج ہمارے گھروں میں اسلامی بہنوں کا معاملہ ارشاد ربانی اور ارشادِ نبویؐ کے بالکل خلاف ہے، بے حجابانہ گھر سے باہر نکلنا یا ایسے پر کشش حجاب میں نکلنا جو جاذب نظر ہو، اب حجاب بھی ایسے کپڑے کا آنے لگا جو پورے جسم کو چھپاتا ہے لیکن مخصوص اعضاء کو تو بہ شکن بنا کر پیش کرتا ہے، اس پر ایسی فٹنگ ہوتی ہے کہ اگر کسی تائب من الذنب کی نگاہ غلط پڑ جائے تو توبہ توڑے بغیر نہ رہ پائے۔ **الامان الحفیظ.**

حدیث میں ہے کہ عورت جب گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اپنے چیلوں کو تکا تا اور جھنکا تا ہے، ایک تو لعنت کا کام یہی ہوا قدم باہر نکالنا، دوسرا اجنبی مردوں سے چہک چہک کر لچک دار آواز میں بات کرنا جیسے کوئی اپنا چہیتا عزیز ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسی قابل لعنت حرکتوں سے پوری امت کی حفاظت فرمائے۔

حدیث نبوی کی بنیاد پر ہمارے اسلاف کا یہ عمل رہا ہے کسی کے وہاں جاتے اگر گھر میں کوئی مرد نہ ہوتا تو واپس چلے آتے، پھر جاتے، ملاقات نہ ہوتی تو لوٹ آتے۔ مرد کی غیر موجودگی میں اس کی گھر والی سے محو گفتگو نہ ہوتے۔ جناب تمیم بن سلمہؒ بیان کرتے ہیں:

> ''حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت علیؓ کے گھر کسی کام سے آئے، مگر حضرت علیؓ کو گھر میں موجود نہ پایا تو واپس چلے گئے، دوبارہ آئے تو حضرت علیؓ پھر بھی موجود نہ تھے، لہٰذا واپس تشریف لے گئے، اس طرح انھوں نے دو یا تین پھیرے لگائے، جب حضرت علیؓ تشریف لائے تو انھوں نے کہا: جب تمہیں فاطمہؓ سے کام تھا تو تم میرے گھر کیوں نہیں گئے؟ یعنی تم اپنی ضرورت کی چیز فاطمہ سے طلب کر لیتے۔ اس پر حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا: ہمیں عورتوں کے پاس ان کے خاوند کی اجازت کے بغیر جانے سے منع کیا گیا ہے۔'' (مثالی خاتون ص ۳۵)

یہ اس مبارک عہد کی بات ہے جب مرد حضرات غیر عورتوں کے پاس ان کے شوہروں کی غیر موجودگی میں جانے سے حیاء کرتے تھے۔ عہد حاضر میں جو حالات ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ آج اجنبی مرد گھر والے کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والیوں کے پاس بڑی رغبت سے جاتے ہیں، اس طرز عمل کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل سے حیاء اور اللہ کا خوف ختم ہو گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح عورت کو اپنی ذات کی حفاظت کرنے اور اجنبی مردوں کی

دسترس سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے، اسی طرح اپنے شوہر کے مال کی حفاظت کرنے کی ہدایت فرمائی ہے کہ شوہر کی غیر موجودگی میں اپنی ذات کی حفاظت کے ساتھ مال کی نگہداشت کولازم پکڑے، مال کی حفاظت یہ ہے کہ شوہر کے منشاء کے مطابق اسے جائز مواقع میں استعمال کرے، ناجائز کاموں میں اسراف اور فضول خرچی سے پورے طور پر بچے۔

ماضی میں ہماری اسلامی بہنیں ایسی گذری ہیں جنھوں نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات کی روشنی میں اپنے پیکر کو ڈھالتے ہوئے آنے والی نسلوں کو عملی پیغام دے گئیں، جس زمانے میں جو بھی خاتون اپنے آپ کو تعلیمات نبویؐ کے زیور سے آراستہ کرے گی، وہ اپنے کوکھ سے ربیعۃ الرائے، امام شافعی، اور عبدالقادر جیلانی رحمہم اللہ جیسی عظیم سپوتوں کو جنم دے سکتی ہے جو ایک طرف اگر علم کے پہاڑ تھے تو دوسری طرف چلتے پھرتے قرآن وحدیث تھے۔یعنی قرآن وسنت کی عملی تفسیر تھے۔ان کے تقویٰ وطہارت اور پاکیزگی کی قسم کھائی جاسکتی ہے، ان سے امت کے ایک بڑے طبقے کو فیض پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔

تاریخ نے اپنے سینے میں بعض ان مقدس ہستیوں کا تذکرہ محفوظ کررکھا ہے جنھوں نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ''شوہر کی غیر موجودگی میں اپنی ذات اور اس کے مال کی محافظ وامین خاتون عورتوں میں بہترین عورت ہے۔'' کو اپنے سینے سے لگائے رکھا بلکہ سراپا عمل بن گئیں۔

حفاظت مال کی بے نظیر مثال

تاریخ کے جھروکے سے اسی طرح کا ایک واقعہ میں آپ کی خدمت میں پیش کررہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں:

ابھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمائے ہوئے ایک صدی بھی نہیں گزری تھی کہ ابھی آپ کی تربیت میں نشوونما پانے والے پاکباز لوگوں کی ایک جماعت اس عالم میں موجود تھی۔آپ کے پاکیزہ شہر مدینۃ النبیؐ میں ایک قبیلہ بنی تمیم بن جراح کا ایک نوجوان غلام ابوعبدالرحمٰن فروخ نے اپنی شریک حیات کے ساتھ زندگی کے کچھ ہی خوشگوار لمحات گزارے تھے کہ انھیں خراسان کی مہم میں جانا پڑا، اور کچھ ایسے اتفاقات پیش آتے گئے کہ وہ کامل ستائیس برس تک وطن نہ آسکے اور ان کی بیوی نہایت عاقلہ اور عاقبت اندیش تھیں۔ چلتے ہوئے انھوں نے اپنی بیوی کو تیس ہزار اشرفیاں

نقد اور ان کے شکم میں ایک امانت چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ ان کے روانہ ہونے کے کچھ دنوں بعد شکم مادر میں پرورش پانے والی یہ امانت (نطفہ) ایک ہونہار بچے کی شکل میں پیدا ہوا، اس کا نام ربیعۃ الرائے رکھا گیا۔ ماں نے اس کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی۔ شوہر کی غیر موجودگی میں اپنی ذات کی حفاظت کے ساتھ شوہر کے سارے اندوختہ کو جو تیس ہزار اشرفی کی شکل میں تھا، بچے کو لائق فائق بنانے میں صرف کر دیا، بچہ خود نہایت ذہین، طباع، اور شائق تھا، صحابہ کرام میں انس بن مالک اور صائب بن یزید کی صحبت پائی۔ اور کبار تابعین میں محمد یحییٰ، سعید بن المسیب، ابن ابی لیلیٰ وغیرہ جیسے محدثین سے بھرپور استفادہ کیا۔ اس لئے تعلیمی مراحل بہت جلدی اور آسانی سے طے ہوگئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آغاز شباب ہی میں وہ جملہ علوم میں کامل ہوگیا۔ ۲۶-۲۷ سال کی عمر میں اس کا شہرہ دور تک پھیل گیا۔ اور اس کی ذات مرجع خلائق بن گئی۔ صاحب درس محدث بن گیا۔ مؤرخ ان کے حلقۂ درس کو جب سر اٹھا کر دیکھتا ہے، تو امام دار الہجرت امام مالک، یحییٰ انصاری، امام اوزاعی اور شعبہ وغیرہ کو زانوئے تلمذ تہہ کرتا ہوا پاتا ہے۔

یہ اس خاتون کی رہین منت ہے جس نے فرمان رسولؐ: **تَحْفَظُ غَيْبَتَكَ فِيْ نَفْسِهَا وَمَالِكَ.** پر عمل کرتے ہوئے دنیا کو دکھلا گئی کہ ایک عورت گھر کی چہار دیواری میں رہتے ہوئے بھی کتنا اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ آفریں صد آفریں ام ربیعۃ الرائے کو۔

تقریباً ۲۷ سال کے بعد فروخ واپس لوٹے تو ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ ربیعہ اپنی عمر کی ۲۶ بہاریں گزار کر ستائیسویں میں قدم رکھ چکے تھے۔ باپ بیٹے ایک دوسرے سے ناواقف تھے۔ گھر پہنچ کر فروخ نے دروازہ کھٹکھٹایا، ربیعہ باہر نکلے تو دروازے پر ایک اجنبی کو دیکھ کر سخت برہم ہوئے، اور کہا دشمنِ خدا! تو میرے گھر پر حملہ کرتا ہے۔ فروخ نے جواب دیا، دشمن خدا تو میرے حرم میں گھسا ہوا ہے، دونوں میں یہاں تک گفتگو بڑھی کہ باہم دست وگریباں ہوگئے، یہ شور ہنگامہ سُن کر پاس پڑوس کے آدمی جمع ہوگئے، یہاں آکر دیکھا تو دونوں آدمی گتھے ہوئے تھے، ربیعہ فروخ سے لپٹے ہوئے کہہ رہے تھے کہ خدا کی قسم تجھ کو حاکم شہر کے پاس لے جائے بغیر نہ چھوڑوں گا، فروخ کی زبان پر بھی یہی کلمات تھے، اتنے میں خادم رسول حضرت انس بن مالکؓ پہنچ گئے اور فروخ سے کہا: بڑے میاں! آپ کسی دوسرے گھر میں ٹھہر جایئے، اس وقت فروخ نے اپنا تعارف کرایا، کہ میں بنی فلاں کا غلام ہوں، میرا نام فروخ ہے اور یہ میرا گھر ہے۔ ان کی آواز سن کر ان کی بیوی گھر سے نکل آئیں اور

انھیں پہچان کر بیٹے سے کہا کہ یہ تمہارے باپ ہیں اور شوہر کو بتایا کہ یہ تمہارا فرزند ہے، جسے تم حمل کی حالت میں چھوڑ گئے تھے۔ یہ پردہ اٹھنے کے بعد دونوں باپ بیٹے گلے مل کر خوب روئے۔ گھر میں داخل ہونے کے بعد فروخ نے بیوی سے اندوختہ کے متعلق پوچھا اور کہا میرے پاس چار ہزار دینار اور ہیں۔ بیوی کل روپئے بیٹے کی تعلیم میں صرف کر چکی تھیں۔ جواب دیا ابھی ایسی جلدی ہی کیا ہے۔ روپیہ حفاظت سے دفن ہے۔ اطمینان سے نکالوں گی، اس وقت ربیعہ کی ذات طالبان علم کا مرجع بن چکی تھی، مسجد نبوی میں ان کا حلقہ درس قائم تھا۔ جس میں مدینہ کے بڑے بڑے ارباب علم، عمائد اور اشراف شریک ہوتے تھے۔ ربیعہ معمول کے مطابق وقت پر مسجد چلے گئے۔ ان کی ماں نے درس کا وقت پہچان کر شوہر سے کہا ذرا مسجد نبویؐ میں جا کر نماز پڑھ آؤ، فروخ مسجد گئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد لوگوں کا ہجوم لگا ہوا ہے، امام مالک، حسن بن زید، ابن ابوعلی لہبی، اور مساحقی وغیرہ مدینہ کے شرفاء اور اکابر حلقۂ درس میں شریک ہیں، فروخ یہ ہجوم دیکھ کر قریب چلے گئے، لوگوں نے راستہ دے دیا، ربیعہ نے درس میں خلل پڑنے کے خیال سے سر جھکا لیا، فروخ نے لوگوں سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں، انھوں نے بتایا، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن فروخ یہ سن کر وفور مسرت میں بول اٹھے، خدا نے میرے لڑکے کو یہ رتبہ عطا کیا، اور گھر جا کر بیوی سے کہا میں نے تمہارے لڑکے کو ایسے رتبہ پر دیکھا کہ اس سے قبل کسی صاحب علم فقیہ کو نہ دیکھا تھا، شوہر کی زبان سے یہ اعتراف سننے کے بعد بیوی نے کہا، اب بتاؤ کیا چاہتے ہو۔ بیٹے کی یہ عظمت وشان یا تیس ہزار اشرفیاں؟ فروخ نے جواب دیا، خدا کی قسم لڑکے کی عظمت وشان، بیوی نے کہا تو پھر تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے تمہاری کل دولت اس کی تعلیم میں صرف کر دی۔ فروخ نے کہا خدا کی قسم ٹھکانے لگی۔ (ماخوذ: سیر الصحابہ ج ۷، ص ۱۳۵)

یہ ہے ماضی میں ہماری اسلامی بہنوں کے کارنامے جو سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آج بھی نبی کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل کا جذبہ ہماری اسلامی بہنوں میں بیدار ہوجائے تو تاریخ اس طرح کے واقعات دہرا سکتی ہے۔

☆☆☆

اُمّیوں کی خداداد صلاحیتیں

مولانا سلمان احمد اعظمی قاسمی، مقیم حال بھیونڈی

مضمون نگار حضرت الاستاذ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کے خاص شاگرد اور صاحب ذوق عالم ہیں، مطالعہ اور لکھنے پڑھنے کا اچھا ذوق ہے، ایک عرصہ تک درس وتدریس سے وابستگی کے بعد گھریلو حالات نے حصول معاش کے چکر میں بھیونڈی پہونچادیا، جو ہم جیسے لوگوں کیلئے سوہان روح ہے، ہماری دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کیلئے ایسے احوال پیدا کردے کہ وہ دوبارہ تعلیم وتعلم کی وادی میں قدم رکھیں اور اپنے فیضان علمی سے طلبائے دین کو فیضیاب کریں، ان کے اس مضمون کی اشاعت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، کہ اسے دیکھ کر بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم کی جستجو پیدا ہو۔

حضور اکرم ﷺ جس عہد اور جس خطے میں مبعوث ہوئے تھے، اس میں بہت سی خرابیوں اور گمراہیوں کے باوجود کچھ ایسے خصائص وامتیازات تھے، جو سارے عالم میں کمیاب تھے، اہل عرب کے ان اوصاف کو دیکھ کر یہ باور کرنا پڑتا ہے کہ ازل سے ہی اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی (ﷺ) کی بعثت کیلئے منتخب فرمالیا تھا، اختصار کے ساتھ ہم اس کو لکھ رہے ہیں۔

(۱) عرب قوم کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ فاسد تعلیمات سے پاک تھے، اور ہر قسم کی فلسفیانہ بحثوں اور عجمیانہ مُوشگافیوں سے ان کے دل ودماغ ناآشنا تھے، اسی طرح کسی بھی مذہب پر وہ عامل نہ تھے، مجوسیت اور عیسائیت سے وہ گھرے ہوئے تھے، یہودیت ان کے درمیان تھی لیکن ان کی نگاہِ التفات کسی طرف نہ اٹھتی تھی۔

(۲) ان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ سراپا جہد وعمل تھے، کسی بھی بات پر یقین کر لینے کے بعد وہ اسے کرگذرنے کے عادی تھے، قیل وقال، چون وچرا ان کا شیوہ نہ تھا، عجمی خیال آرائی وتخیل پسندی کا ان کے پاس گذر نہ تھا۔

(۳) ان کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ دل کے قوی اور حق گو تھے، تن کے شجاع اور پُرجوش وحوصلہ مند تھے، جو ان کے دل میں ہوتا تھا، زبان سے اسی کا اظہار کیا کرتے تھے، منافقت کا

ان کے یہاں تصور نہ تھا، دوست سے محبت، دشمن سے کھلم کھلا عداوت کو وہ پسند کرتے تھے، اپنی بات منوانے کیلئے جان کا گنوا دینا ان کیلئے آسان تھا، جس بات کو حق سمجھتے، اس کی اشاعت وتبلیغ کیلئے بر وبحر، ویرانے اور آبادی ہر جگہ کا چکر لگانے سے وہ دریغ نہ کرتے تھے۔

(۴) ان کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہت خوددار تھے، چونکہ وہ آغازِ عالم سے لے کر بعثت نبوی ﷺ تک کسی قوم کے غلام ومحکوم نہ بنے تھے، ایران وروما کی عظیم سلطنتیں انھیں اپنے ساتھ ملانے پر کامیاب نہ ہوسکی تھیں، اس لئے غلامی ان کو برداشت نہ تھی، وہ اپنے آپ کو ذلیل ورسوا کرنا پسند نہ کرتے تھے، اپنی ناک اونچی رکھنے کے لئے بیسوں لڑائیاں انھوں نے لڑی ہوں گی۔

(۵) ان کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ عقل ودماغ کے بادشاہ تھے، ان کی شاعری، ان کے خطباء کی تقریروں اور فصحاءِ عرب کے مقولوں سے ان کی عقل ودانش کا اندازہ ہوتا ہے، عقل حیران ہوجاتی ہے کہ بغیر کسی ظاہری تعلیم کے یہ لعل وگہر کہاں سے ابل رہے ہیں،

(۶) ان کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا حافظہ نہایت تیز تھا، لکھنے پڑھنے سے وہ عاری ضرور تھے، لیکن ان کی قوت یادداشت نے قلم وقرطاس سے ان کو بے نیاز کر دیا تھا، بڑے بڑے قصائد وہ کہتے اور اسے برزبان رکھتے تھے، انسانوں سے گذر کر گھوڑوں تک کے نسب نامے ان کے ذہن میں رہا کرتے تھے، اس وصف میں ان کا کوئی شریک نہ تھا، اور نہ ہے۔

(۷) ان کی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہت فیاض تھے، مہمان نوازی ان کا خاص وصف تھا، اپنی شہرت وناموری کیلئے اونٹوں کو ذبح کر دینا ان کیلئے بہت سہل تھا، بڑی بڑی رقمیں دوستوں کی دعوت ومدارات پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔

(۸) ان کی آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے دنیا کے بہترین مقام پر تھے، وہ ہر جانب پھیلنے کی پوری قدرت رکھتے تھے، ایک طرف ایشیا، دوسری طرف افریقہ، تیسری طرف یورپ واقع ہے، وہ عرب سے نکل کر عراق ہوتے ہوئے ایران، افغانستان اور ہندوستان تک جاسکتے تھے، شام سے گزر کر مصر، افریقہ، الجزائر، مراکش اور اسپین تک پہونچ سکتے تھے، بحری راستے سے جزائر افریقہ، جزائر ہند اور چین تک کا سفر ان کے لئے ممکن تھا، ان سب خصوصیتوں کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں ان کے ساتھ تھیں۔

یہ خصوصیات وامتیازات اہل عرب میں اتفاقاً جمع نہیں ہوگئے، بلکہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت

اور دین اسلام کی اشاعت وتبلیغ کیلئے اس قوم کو پوری طرح تیار کیا گیا تھا، اور کسی بھی تحریک کی کامیابی کیلئے جو اوصاف ضروری ہیں، ان سے باشندگان عرب پوری طرح لیس تھے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، انھوں نے اپنی ناخواندگی کے باعث اپنے امی رسول کی صاف اور واضح باتوں پر بجان ودل لبیک کہا، اپنے کردار کے ذریعہ دنیا کے سامنے اسلام کا عملی نمونہ پیش کیا، اپنی شجاعت وبسالت کا سہارا لیکر، اور اپنے جائے وقوع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے دور دراز ملکوں تک اسلامی تعلیمات کو پھیلا دیا، اور جن لوگوں نے بھی اس کے سامنے رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی، انھیں ہمیشہ ہمیش کیلئے کیفر کردار تک پہونچا دیا، اپنی خودداری کے باعث بڑے بڑے سلاطین عجم کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا، اور ان کے روبرو بے باکانہ باتیں کرتے تھے، اپنے دماغ وعقل کا استعمال کر کے سیاست اور انتظام سلطنت کے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے، اور دنیا کو جہاں بانی کے اصول سمجھائے، اپنی سخاوت وفیاضی کی وجہ سے اسلام کی تعلیم کے مطابق زکوٰۃ وصدقات اور جہاد کے راستہ میں بے انتہاء مال لٹائے، اور اپنے قوت حافظہ کی مدد سے دین کی چھوٹی چھوٹی باتیں رسول اللہ ﷺ کے افعال، اور طریقوں کو بہت سلیقہ سے یاد رکھا، اور اسے بغیر کسی تحریف وتبدیلی کے دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

اسباب ظاہر کے لحاظ سے اسی قوم وملک کی صلاحیت واستعداد اور اس کے جہد وعمل کا واضح اثر یہ ہے کہ آج تک رسول کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ، بلکہ سیرت مبارکہ کی تمام جزئیات ایک ایک کر کے نہایت روشن اور صاف ستھری شکل میں دنیا میں موجود ہیں، اسی طرح اسلامی تعلیمات واحکام کا ہر باب بلکہ ہر مسئلہ واضح اور نمایاں ہے۔

یہی وہ حضرات ہیں جنھوں نے بارگاہ خداوندی سے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں) کی بشارت سنی، اور وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں، وہ کافروں کے مقابلہ میں زور آور ہیں، آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب! تو انھیں دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے رہتے ہیں، ان کی نشانی سجدے کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہے) کا معزز خطاب پایا۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خودکشی اسلام کی نظر میں

مولانا عبدالعظیم صاحب ناظم مدرسہ ہذا

ارشادِ ربانی ہے: وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا (سورہ نساء:۲۹)
اور خودکشی نہ کرو، بے شک اللہ تم پر بہت بڑا مہربان ہے۔ (تفسیر مدارک، ج:۱، ص:۵۹۶)

خودکشی کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم کے سوا کچھ بھی نہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جس شخص نے جیسے اپنے آپ کو ہلاک کیا قیامت تک اسی انداز میں ہلاک ہوتا رہے گا، مثلاً اگر کسی نے خود کو آگ سے جلالیا یا پہاڑ سے چھلانگ لگائی یا زہر وغیرہ کھالیا تو اللہ تعالیٰ اسی طرح اس کو قیامت تک زندہ کرتا رہے گا اور وہ مرتا رہے گا۔ (بخاری ومسلم)

یہ تو عالم برزخ کا عذاب ہے، پھر قیامت کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو جس عذاب میں چاہے مبتلا فرمائے۔

خودکشی کے اسباب کیا ہیں؟

غور وفکر کرنے پر خودکشی کے چند اسباب سامنے آتے ہیں۔

(۱) غربت وافلاس اور قرض (۲) ظلم وستم (۳) ارادہ وعمل میں ناکامی (۴) بے راہ روی

اخبارات پر نظر دوڑائیے تو اندازہ ہوگا کہ خودکشی کے جتنے بھی واقعات دنیا میں رونما ہوتے ہیں عموماً اس کے یہی اسباب ومحرکات ہوتے ہیں، دنیا میں کتنے خودکشی کے واقعات رونما ہوتے ہیں اس کا ذکر مقصود نہیں، اصل تشویش کی بات یہ ہے یہ بیماری اب ہمارے مسلم معاشرے میں بھی بڑی تیزی کے ساتھ پھیلتی جارہی ہے، ایک مسلمان اور خودکشی کرلے، عقل اس کو تسلیم نہیں کرسکتی، لیکن واقعہ یہی ہے کہ مسلمانوں میں سرعت کے ساتھ یہ چیز پھیل رہی ہے، اگر اس کی روک تھام نہ کی گئی تو نہ جانے کتنے مسلمان جہنم کے ایندھن بنتے رہیں گے۔

عموماً اخبارات میں یہ خبر دیکھنے کو ملتی ہے کہ فلاں شخص نے غربت وافلاس اور قرض کی وجہ سے خودکشی کر لی، یا شوہر عورت پر ظلم کرتا ہے، مارتا پیٹتا ہے، عورت جب تنگ آجاتی ہے تو خود آگ لگا لیتی ہے، زہر کھا کر ہمیشہ کیلئے موت کی نیند سو جاتی ہے، یا کبھی اس کے برعکس بیوی کی بے راہ روی اور جارحانہ رویے سے تنگ آ کر شوہر اس کو طلاق دیدیتا ہے یا خود ہی خودکشی کر لیتا ہے۔ بعض دفعہ نوجوان بچے بچیاں امتحان میں ناکامی کی وجہ سے ٹرین کے نیچے آجانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں، یا پھر امتحان عشق میں ناکامی ان کی خودکشی کا سبب بن جاتی ہے۔

بہرحال خودکشی کا جو بھی سبب ہو یہ حرام ہے اور جہنم میں جانے کا ایک راستہ ہے، اور خودکشی کرنے والا قابل رحم اور لائق ترس نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو اتنی سخت وعید کیونکر آتی، اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی گردن کاٹ لینا بہادری ہے تو وہ غلط فہمی کا شکار ہیں، یہ تو بزدلی کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے کہ یہ انسان جس کو اللہ رب العزت نے اتنے بلند مقام پر فائز کیا ہے، ہر طرح کی صلاحیتوں سے نوازا، عقل وفہم کی دولت بے بہا عطا فرمائی، ہر طرح کے اسباب بھی مہیا فرما دیئے تا کہ انسان ہر پریشانی کا حل غور وفکر کے ذریعے نکالے، اور اگر پریشانیاں آ رہی ہیں تو اس کو صبر کے ساتھ برداشت بھی کرے، اور ساتھ ہی ساتھ اس کو ختم کرنے کی کوشش بھی کرے اور ہمیشہ اللہ کی رحمت کا امیدوار بھی رہے، دعائیں بھی کرتا رہے تو پریشانی خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو دیر سویر وہ دور ہو کر رہے گی، حالات ہمشہ یکساں نہیں رہتے، اور بندہ اس پر اجر کا مستحق بھی ہوگا۔

مسلمان خودکشی کی طرف کیوں مائل ہو رہے ہیں؟

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان خودکشی کی طرف کیوں مائل ہو رہے ہیں جبکہ ان کے پاس اللہ کا کلام قرآن مجید ہے جو ہر مسائل کا حل ہے، رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہیں، جن کی روشنی میں تمام مسائل حیات کو حل کیا جا سکتا ہے۔ تو اس کی کئی وجوہات ہیں۔ جب ٹی وی اور فلموں کا چلن ہوا تو ہمارا معاشرہ اس سے اس قدر متاثر ہوا کہ بے چون وچرا اس کے ہر پروگرام کو قبول کر لیتا ہے، ہر تصویر کو دل پر نقش کر لیتا ہے اور بہت سارے لوگ عملاً اس کی مشق کرنے لگتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب بندہ علم کی کمی اور آخرت کے انجام سے غافل ہو جاتا ہے تو انتہائی قدم اٹھاتا ہے اور اس کی ذہنی کیفیت اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتی کہ وہ کچھ غور کرے، نتیجتاً وہ جو فیصلہ کر لیتا ہے اس پر عمل

کر بیٹھتا ہے، حالانکہ اگر وہ غور وفکر کرتا اور دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کا خوفناک عذاب اس کے پیش نظر ہوتا تو ایسا کبھی نہیں کرتا خواہ وہ بھوک سے تڑپ تڑپ کر جان دیدیتا، یا اس کی بوٹیاں تک اس کے جسم سے الگ کردی جاتیں پھر بھی وہ یہ قدم کبھی نہیں اٹھاتا۔

آج دنیا میں سب سے زیادہ خودکشی کے واقعات سویڈن اور جاپان میں ہورہے ہیں، جبکہ دنیا میں یہ دو ایسے ملک ہیں جہاں ترقی کی شرح سب سے زیادہ ہے، سویڈن کے بارے میں تو مشہور ہے کہ وہ دنیا کی جنت ہے، وہاں پیدائش سے لیکر موت تک ہر شہری کو اتنی سہولیات دی جاتی ہیں کہ اگر وہ کبھی بھی کام نہ کرے تب بھی اسے کوئی پریشانی نہیں ہوسکتی، حکومت کی جانب سے مقررہ وظیفہ ملتا رہتا ہے، علاج وتعلیم سب فری ہے، اس کے باوجود سب سے زیادہ خودکشی کے واقعات سویڈن میں رونما ہوتے ہیں، آخر کیوں؟ اس لئے کہ ان کے سامنے آخرت کا کوئی تصور ہی نہیں، جو کچھ ہے سب دنیا ہے، اسی لئے ذرا سی پریشانی آتی ہے تو گھبرا جاتے ہیں اور خودکشی کرلینا ہی ان کو سب سے آسان معلوم ہوتا ہے اور خودکشی کرنے والوں میں اکثریت نئے شادی شدہ جوڑوں کی ہوتی ہے، چونکہ یہ ہمیشہ آزادانہ زندگی گزارنے کے عادی ہوتے ہیں اور شادی کے بعد جو مختلف قسم کی پابندیاں سامنے آتی ہیں تو ان کے لئے اس کو سہنا اور برداشت کرنا دشوار ہوجاتا ہے، اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے لئے دنیا ہی سب کچھ ہے، دنیا کی محبت ان کے رگ وریشے میں رچی بسی رہتی ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: دنیا کافروں کے لئے جنت ہے۔ تو سچ مچ یہ دنیا ان کے لئے جنت ہی ہے، اسی لئے وہ ذرا سی پریشانی جھیل نہیں پاتے اور اپنی ہلاکت پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

اس کے برعکس مسلمانوں کے پاس قرآن کریم ہے، تعلیمات نبوی کا خزانہ ہے، عقیدۂ آخرت ہے، مصائب وشدائد پر اللہ کی جانب سے وعدے اور بشارتیں ہیں، نیز خودکشی یا قتل پر سخت وعیدیں ہیں، اس لئے خودکشی کا تناسب اور قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں میں بہت ہی کم ہے، لیکن پھر بھی مسلمانوں میں ایسے واقعات کا پیش آنا انتہائی افسوسناک امر ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی اس سے حفاظت فرمائے، آمین یارب العالمین

☆☆☆☆☆

اعتکاف کی فضیلت واہمیت

(مولانا محمد احمد سکندر قاسمی ،نوادہ،مبارک پور)

استاذ مدرسہ تعلیم الاسلام (جامع مسجد) شہر اعظم گڑھ

رمضان المبارک کا مہینہ ایک عظیم اور مبارک مہینہ ہے۔صبر وخیر خواہی کا مہینہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کے دنوں کا روزہ فرض فرمایا ہے اور راتوں کی عبادت (تراویح) نفل قرار دی ہے۔ اس میں ایک رات (شب قدر) ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ شب قدر کو رمضان کے اخیر عشرہ اور اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کا حکم ہے۔حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

قَال رسولُ الله ﷺ تَحَرُّوۡا لَیۡلَةَ الۡقَدۡرِ فِی الۡوِتۡرِ مِنَ الۡعَشۡرِ الۡاَوَاخِرِ مِنۡ رَمَضَانَ .رواہ البخاری (مشکوۃ باب لیلۃ القدر)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شب قدر کو رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں معمول سے زیادہ محنت وریاضت کرتے تھے۔اور جب آخری عشرہ شروع ہوتا تو اپنا تہہ بند کس لیتے ،محنت کے لئے تیار ہوجاتے ، رات کو بیدار رہتے اور گھر والوں کو جگاتے۔

عَنۡ عائشةَ قالت كَانَ رسولُ الله ﷺ يَجۡتَهِدُ مِنَ الۡعَشۡرِ الۡاَوَاخِرِ مالا يجتهد فی غيره .رواه مسلم (حوالہ بالا)

شب قدر کی تلاش کے لئے رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف مشروع ہے۔نبی کریم صلی ﷺ ہجرت کے بعد سے وفات تک شب قدر کی تلاش کے لئے اخیر عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے۔آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہراتؓ نے طریقۂ نبیؐ کے بقاء اور احیائے سنت کے واسطے اعتکاف فرمایا۔

عَنْ عائشةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اِعْتَکَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ (مشکوۃ باب الاعتکاف)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف فرماتے یہاں تک کہ اللہ نے ان کو وفات دے دی۔ پھر ان کی وفات کے بعد ازواج مطہرات نے اعتکاف فرمایا۔''

اعتکاف کا لغوی معنی ہے ٹھہرنا ،نفس کو روکنا اور مسجد جماعت میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنے اور اقامت کرنے کا نام شریعت میں اعتکاف ہے۔

معتکف اللہ تعالیٰ کے قلعہ میں رہتا ہے۔شیطان کے مکروفریب سے بچا رہتا ہے۔اس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ کسی کے در پر جا پڑے جب تک میری درخواست قبول نہ ہو، ٹلنے کا نہیں۔ معتکف گویا زبان حال سے کہتا ہے: اے میرے مولیٰ تیرے دروازے سے میں ٹلنے کا نہیں جب تک کہ تو مجھے بخشے گا نہیں ،میرے سب مقاصد برلانے کا نہیں اور میرے غم دور کرنے کا نہیں۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعتکاف کا مقصود اوراس کی روح دل کو اللہ کی پاک ذات کے ساتھ وابستہ کرلینا ہے کہ سب طرف سے ہٹ کر اسی کے ساتھ مجتمع ہوجائے۔اور ساری مشغولیوں کے بدلے میں اسی کی پاک ذات کے ساتھ مشغول ہوجائے۔اوراس کے غیر کی طرف سے منقطع ہوکر ایسی طرح اس میں لگ جائے کہ خیالات وتفکرات سب کی جگہ اس کا پاک ذکر، اس کی محبت سما جائے۔حتیٰ کہ مخلوق کے ساتھ انس کے بدلے اللہ کے ساتھ اُنس پیدا ہوجائے۔(فضائل رمضان)

نزول قرآن سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل کئی مہینہ غار حرا میں خلوت گزینی کرتے رہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اعتکاف تھا،جس اعتکاف میں آپ کی روحانیت اس مقام تک پہنچ گئی تھی کہ آپ پر قرآن کریم کا نزول شروع ہوجائے۔چنانچہ حامل وحی فرشتے جبرئیل علیہ السلام سورہ علق (سورہ اقراء) کی ابتدائی پانچ آیتیں لے کر نازل ہوئے۔تحقیق یہ ہے کہ یہ رمضان کا مہینہ اوراس کا آخری عشرہ تھا۔اور وہ رات شب قدر تھی۔اس مناسبت سے اعتکاف کے لئے اخیر عشرہ کا انتخاب کیا گیا۔(ماخوذ من التوضیح الضروری)

بقیہ ص:۳۳ پر

معتکف مدت اعتکاف میں رب کائنات کی عبادت کے لئے فارغ ہوتا ہے۔ چنانچہ صلوٰۃ مفروضہ کے انتظار میں، مجالس علم و ذکر کی حاضری اور قرآن کریم کی تلاوت و قرأت میں اوقات گذارتا ہے۔ اور راتوں کو قیام کرتا ہے۔ اعتکاف کے ذریعہ معتکف کو شب قدر میں عبادت کی سعادت یقینی طور پر حاصل ہو جاتی ہے۔

اعتکاف میں امور دنیا اور اس کے ہموم و تفکرات سے دل فارغ ہوتا ہے۔ مشکلات دنیا کے برداشت سے نفس کو آرام ہوتا ہے، مولائے حقیقی سبحانہ کی عبادت میں مشغولی ہوتی ہے۔ روح و نفس کی سستی ختم ہوتی ہے۔ ان کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ نہایت قرب الٰہی کا حصول ہوتا ہے اور رحمت خداوندی نازل ہوتی ہے۔

صاحب التوضیح الضروری رقم طراز ہیں:

> روحانی تربیت و ترقی اور نفسانی قوتوں پر غلبہ کے لئے پورے مہینے رمضان کے روزے تو تمام افراد امت پر فرض کئے گئے، اور اس سے آگے تعلق باللہ میں ترقی اور ملأ اعلیٰ سے خصوصی مناسبت پیدا کرنے کے لئے اعتکاف رکھا گیا ہے۔ اعتکاف بندۂ خدا سب سے کٹ کے، سب سے ہٹ کے اپنے مالک و مولیٰ کے آستانے پر اور گویا اس کے قدموں میں پڑ جاتا ہے، اس کو یاد کرتا ہے، اس کے دھیان میں رہتا ہے، اس کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے، اس کے حضور میں توبہ و استغفار کرتا ہے، اپنے گناہوں اور قصوروں پر روتا ہے اور رحیم و کریم مالک سے رحمت و مغفرت مانگتا ہے، اس کی رضا اور اس کا قرب چاہتا ہے، اسی حال میں اس کے دن گذرتے ہیں اور اسی حال میں اس کی راتیں۔''

معتکف کا قیام عبادت ہے، اعتکاف میں ہر وقت عبادت میں مشغولی ہے، معتکف سوتے جاگتے خالی بیٹھے ہر وقت عبادت میں شمار ہوتا ہے، کوئی لحہ ضائع نہیں ہوتا ہے۔ اعتکاف کی وجہ سے جن عبادات و حسنات سے معتکف رکا رہتا ہے، ان کا اجر بغیر کئے ملتا ہے۔ مثلاً کسی کا انتقال ہو گیا، جنازہ میں نہیں گیا، اگر باہر رہتا تو ضرور جاتا۔ کسی سے کسی کی پریشانی کی خبر سنی، اعتکاف کی وجہ سے جا نہیں پایا، باہر ہوتا تو اس کی خبر گیری کے لئے جاتا، مدد کے لئے جاتا۔ کسی کی بیماری کی خبر سنی، اعتکاف کی وجہ سے نہیں جا سکتا، باہر ہوتا تو ضرور عیادت کے لئے جاتا، تو جتنے عمل وہ کرتا اور اعتکاف کی وجہ سے وہ نہیں کر پا رہا ہے، اِن سب کا اجر و ثواب معتکف کو ملتا ہے۔ مزید برآں معتکف گناہوں

سے محفوظ رہتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِیْ الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيُجْزىٰ لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا (مشکوٰۃ باب الاعتکاف)

مذکورہ حدیث سے اعتکاف کا دو فائدہ معلوم ہوا، ایک اعتکاف کی وجہ سے گناہوں سے حفاظت، دوسرے اعتکاف کی وجہ سے معتکف جن عبادات وحسنات سے رکا رہا بغیر کئے اُن کے اجر کا حصول۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس نے اعتکاف کیا دین کی عبادت یقین کر کے اور ثواب حاصل کرنے کے لئے تو اس کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (رواہ الدیلمی، بہشتی زیور حصہ سوم ص ۴۷)

اخیر عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ اگر کسی بستی میں کوئی شخص اعتکاف نہ کرے تو ترکِ سنت کا وبال ہر عاقل بالغ مرد وعورت پر ہوگا، اور پوری بستی والے تارکِ سنت ہوں گے، اور اگر بستی وآبادی کی کسی ایک مسجد میں کوئی ایک آدمی اعتکاف کرے گا تو پوری بستی والوں کی طرف سے سنت کی ادائیگی ہو جائے گی، لیکن بہتر یہ ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف کا اہتمام کیا جائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کرے تو اس کو دو حج اور دو عمرہ کا ثواب ملے گا۔ (رواہ البیہقی، بہشتی زیور حصہ سوم ص ۴۷)

عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: وَمَنْ اِعْتَكَفَ يَوْماً اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ جَعَلَ اللّٰهُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّارِ ثَلاثَ خَنَادِقَ، كُلُّ خَنْدَقٍ اَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ. رواه الطبرانی والبیهقی (کتاب المسائل)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لئے ایک دن کا اعتکاف کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل فرما دیتے ہیں، جن میں ہر خندق کی چوڑائی زمین وآسمان کے فاصلہ کے برابر ہے۔''

دیکھئے! اللہ تعالیٰ کی طرف سے معمولی قربانی پر کس قدر عظیم نعمتوں کا وعدہ ہے اور اس کے کس قدر فوائد ہیں۔ اعتکاف کی اہمیت وفضیلت اور خصوصیات وفوائد کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی طرف زیادہ سے زیادہ لوگوں کی خوب توجہ ورغبت ہو، کثیر تعداد میں لوگ اس عمل کو کریں، لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے، عام معاشرہ میں اعتکاف سے بے رغبتی ہے، سنت اعتکاف کی ادائیگی کی طرف رجحان بہت کم ہے۔

(بقیہ ص: ۴۴ پر)

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب علیہ الرحمہ

(وفات: ۱۰؍محرم ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۴؍اکتوبر ۲۰۱۵ء شنبہ)

مولانا ضیاء الحق خیر آبادی

۲۴؍اکتوبر ۲۰۱۵ء شنبہ کو یہ خبر ملی کہ آج عصر مغرب کے درمیان استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کے شیخ ومرشد عارف باللہ شیخ طریقت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب علیہ الرحمہ کا انتقال ہوگیا، خبر سن کر بے ساختہ انا للہ وانا الیہ راجعون کی ربانی تسلی زبان پر جاری ہوئی۔ حضرت مولانا کی وفات کی خبر کوئی غیر متوقع چیز نہ تھی، ان کی عمر ہجری سال کے اعتبار سے نوے سال کے قریب تھی، گزشتہ دس سالوں سے مختلف امراض وعوارض نے انھیں گھیر رکھا تھا، ان سب کے باوجود جب یہ خبر سنی تو دل کی دنیا میں بالکل سناٹا چھا گیا، پورا وجود غم وحسرت کی تصویر بن کر رہ گیا۔ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد حضرت کی ذات میرے لئے ایک بڑا سہارا تھی جو اَب جاتا رہا۔

حضرت کا نام سب سے اس وقت کانوں میں پڑا جب حضرت آخری مرتبہ رجب ۱۴۱۰ھ میں ہندوستان تشریف لائے، اس وقت میں قرآن کریم حفظ کررہا تھا، والد صاحب نور اللہ مرقدہ جنھیں حضرت سے بے حد عقیدت اور تعلق خاطر تھا استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کے ہمراہ ملاقات کے لئے شیخ پور گئے تھے، اس کے بعد سے بار بار حضرت کا ذکر خیر سنتا رہا، جس سے دل میں عقیدت ومحبت کا تخم پرورش پاتا رہا۔ اس سفر کا ایک واقعہ حضرت مولانا نے والد صاحب کے تذکرے میں لکھا بھی ہے:

> ''ایک بار میں اور میرے مرحوم دوست حضرت حاجی عبدالرحمٰن صاحب خیر آبادی علیہ الرحمہ شیخ کی خدمت میں ان کے گاؤں شیخ پور میں حاضر تھے، حاجی صاحب مرحوم بھی بڑے صاحب دل انسان تھے، حضرت کی ایک ایک کیفیت سے متاثر ہوتے تھے، رات کا قیام وہیں تھا، صبح کو حضرت فجر کی نماز ہم لوگوں کے شدید اصرار پر پڑھانے کیلئے تیار ہوئے۔ غالباً دوسری رکعت میں سورہ

قیامہ کی تلاوت فرمائی، پہلی رکعت میں آواز بھرانی شروع ہوگئی، اور مقتدیوں کے دل سینے میں دھڑکنے لگے تھے، دوسری رکعت میں سورہ قیامہ کی تلاوت شروع کی تو تھوڑی دیر میں ہچکی بندھنے لگی اور جب کلا بل تحبون العاجلة پر پہونچے آواز بے قابو ہوگئی، اور سارے مقتدی رو پڑے، اس نماز میں ایسی حلاوت اور یکسوئی حاصل ہوئی کہ مدتوں اس کی یاد، دل میں لطف پیدا کرتی رہی، حاجی صاحب مرحوم اخیر اخیر تک اس دن کے کیف وحلاوت کا ذکر کرتے رہے۔''

اس سفر کے بعد حضرت ہندوستان نہ آسکے، اس لئے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا، اللہ کی مہربانی سے ۱۹۹۶ء میں حاضری کی صورت بن ہی گئی، حضرت کے داماد اور مشہور عالم وبزرگ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب کے صاحبزادے مولانا حکیم محمد مظہر صاحب ہندوستان تشریف لائے، ان سے سفر پاکستان کی بات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ میں ویزے کا نظم کردیتا ہوں آپ لوگ تشریف لایئے، وہ پاسپورٹ کی فوٹو کاپی لے گئے اور ویزے کا نظم بھی انھوں نے حسب وعدہ کردیا، ورنہ پاکستان کے ویزے کا حصول انتہائی دشوار اور مشکل امر ہے۔ استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی معیت میں یہ سفر ہوا، ۶/دسمبر ۱۹۹۶ء بروز جمعہ کو پی اے آئی کی ایک پرواز سے دہلی سے کراچی پہونچے، کل پونے دو گھنٹے کا سفر تھا، کراچی ایرپورٹ پر عصر کی نماز ادا کی، نماز کے لئے ایک حصہ مخصوص ہے جس میں مسافرین اور ایرپورٹ کے ملازمین نماز ادا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب اور صاحبزادگان گرامی مولانا قاسم عبداللہ ومولانا شاہد عبداللہ صاحبان استقبال کے لئے موجود تھے، ان لوگوں کے ہمراہ ایرپورٹ سے روانہ ہوئے اور چند منٹ میں حضرت کے مدرسہ جامعہ حمادیہ پہونچ آئے جو ایرپورٹ سے چند کلومیٹر کی مسافت پر ہے۔

پہلی ملاقات:

مدرسہ میں داخل ہوئے تو مغرب کی اذان ہورہی تھی، مشتاق نگاہیں اس ذات گرامی کو تلاش کررہی تھیں جس کی دید وزیارت کے شوق میں اتنا طویل سفر کیا گیا تھا، استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ نے اشارہ سے بتایا کہ دیکھو حضرت آرہے ہیں، پستہ قد، ہلکا بدن، داڑھی کے بال سفید، سر پر صافہ، گھیردار لمبا کرتا پہنے اور لنگی جو نصف ساق تک تھی، اس وقت حضرت اپنے گھر سے نماز کیلئے تشریف لارہے تھے، مصافحہ ومعانقہ کی سعادت حاصل ہوئی، اس وقت حضرت کی طبیعت قدرے ناساز تھی جس کی تفصیل انھوں نے بتائی، مغرب کی نماز کے بعد دیر تک بیٹھے رہے اور ہم لوگوں

کے احوال اور خیریت دریافت کرتے رہے، نماز کے حضرت کے پانچوں صاحبزادگان سے ملاقات ہوئی، جن کے نام بالترتیب یہ ہیں، مولانا راشد عبداللہ، مولانا شاہد عبداللہ، مولانا ناصر عبداللہ، مولانا قاسم عبداللہ اور مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحبان، ماشاءاللہ پانچوں عالم اور حافظ قرآن ہیں اور مدرسہ کے انتظامات کے ساتھ ساتھ تدریس سے بھی لگے ہوئے ہیں، **بارك الله في حياتهم**

ہم لوگ جس روز کراچی پہونچے تھے، اسی دن حضرت کے اہل قرابت میں سے کسی بچے نے بخاری شریف ختم کی تھی، اسی کی مناسبت سے عشاء بعد ایک تقریب تھی، حضرت کے ہمراہ ہم لوگ بھی تقریب میں حاضر ہوئے، باوجودیکہ حضرت کی طبیعت ناساز تھی، مگر چند منٹ مجمع سے خطاب فرمایا، اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: **قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔** (آپ کہہ دیجئے کہ کیا اہل علم اور جاہل دونوں برابر ہو سکتے ہیں) حضرت شیخ نے فرمایا کہ میری طبیعت اس لائق نہیں ہے کہ میں شرکت کروں، لیکن دعوت نامہ میں لکھا ہے کہ فلاں نے عالیت کی سند حاصل کی جو مساوی ہے ایم، اے کے، اسی بات نے مجھے آنے اور کچھ بولنے پر مجبور کیا ہے، فرمایا کہ آخر کیا وجہ سے ہے کہ علماء احساس کمتری میں مبتلا ہیں، یہ ساری ڈگریاں (ایم، اے وغیرہ) یہ سب فن تو ہو سکتے ہیں انھیں علم نہیں کہا جا سکتا علم تو صرف وہی ہے جو دین وشریعت کا علم ہے۔ **خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَه** ' (تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے) اور **إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاء** (علماء انبیاء کے وارث ہیں) یہ سب سندیں کس کے لئے ہیں؟ ایسی عالی سندوں کے بعد ہم اس قدر مرعوب اور متاثر کیوں ہیں؟ یہ وعظ بڑا ہی مؤثر اور مفید تھا، از دل خیزد بر دل ریزد کا صحیح مصداق!

یہ حضرت شیخ کا پہلا بیان تھا، جو میں نے سنا، دل اس سے بہت متاثر ہوا، اس کے لفظ لفظ سے ان کی دلسوزی وخیر خواہی عیاں تھی۔ اس ایک ماہ کے قیام میں نے غور کیا کہ حضرت کے یہاں اللہ ورسول سے وفاداری سب سے اہم اور بنیادی چیز ہے، آپ کی پوری زندگی اسی مرکز ومحور گردش کر رہی ہے۔ اس کے بعد شب وروز حضرت کی معیت رہتی اور ان کے فیوض وبرکات سے مستفید ہونے موقع ملتا رہا، ان کی جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ان کی غیر معمولی تواضع وفنائیت تھی، ان کی نشست وبرخاست، گفتار وکردار، اقوال وافعال سب سے اس کا اظہار ہوتا تھا، کہیں سے یہ نہیں ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی غیر معمولی وصف کے حامل ہیں، حضرت ہم لوگوں کے پاس مہمان خانے میں آتے تو

بات چیت اور نشست و برخاست کا جو انداز ہوتا تھا اس سے ناواقف یہ سمجھتا کہ یہ شاگرد اور معتقد ہیں اور مولانا استاذ و شیخ، لاکھ اصرار کے باوجود حضرت اپنی اس متواضعانہ روش میں تبدیلی لانے کیلئے تیار نہ ہوتے، کیونکہ یہی ان کا فطری انداز تھا، اور یہ وہ بالکل فراموش کر چکے تھے کہ ان کی بھی کوئی حیثیت ہے۔ حضرت کا یہ وصف اس لئے بھی بہت اہم معلوم ہوا کہ ہم لوگوں نے پاکستان بالخصوص کراچی کے علماء کا جو ہٹو بچو والا انداز دیکھا اس سے یہ یکسر مختلف تھا، کراچی میں لنگی پہننے کا بالکل رواج نہیں ہے اور حضرت مستقل لنگی پہنتے تھے اور لنگی ہی جیسا ایک رومال سر پر ڈالے رہتے تھے، میں نے ایک روز پوچھ لیا کہ حضرت یہاں تو کوئی لنگی نہیں پہنتا آپ کیوں پہنتے ہیں تو جو جواب دیا وہ سننے کے لائق ہے: فرمایا کہ اس سے مسکنت ظاہر ہوتی ہے، اور مسکین ہونا اللہ کو بہت پسند ہے۔

حضرت بہترین حافظ قرآن تھے، کراچی حاضری کے وقت حضرت کی عمر ستر سے متجاوز ہو چکی تھی، لیکن قرآن کی تلاوت اور دور سنانے سے اشتغال اب بھی برقرار تھا، فجر کے بعد کئی کئی پارے سناتے، آپ کا قلب محبت الٰہی اور عشق نبوی سے معمور تھا، قلب میں رقت بہت تھی، قرآن سناتے وقت یا رسول اللہ کے ذکر مبارک کے وقت آنکھیں ڈبڈبا جاتیں تھیں، حضرت الاستاذ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ جن کے قلب کا حال خود یہی تھا، حضرت کی اس کیفیت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''سب سے پہلی جو بات دل میں بیٹھی وہ حضرت کی رقت قلب اور بات بات پر آنسوؤں کا چھلک پڑنا تھا۔ اللہ کا ذکر آیا اور آنکھیں برس پڑیں، رسول اللہ کا تذکرہ آیا اور دل بیتاب ہوا، اور یہ بے تابی آنکھوں کی راہ سے بہنے لگی۔ قرآن کریم کی تلاوت میں، نماز کے اندر رونے، اور گریہ وزاری کے تذکرے بزرگوں کے حالات میں پڑھے تو بہت تھے لیکن مشاہدہ بہت کم ہوا تھا، یہ حسرت، حضرت کو دیکھنے کے بعد پوری ہوئی، میں نے کراچی کے معمولات میں دیکھا کہ حضرت بعد نماز فجر بیٹھ جاتے تھے، اور قرآن کی تلاوت زبانی حفظ سے شروع فرماتے، ایک دو صاحب قرآن شریف کھول کر سنتے، قرآن کی تلاوت جاری ہے، اور آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، آواز قدرے متاثر ہو رہی ہے، کبھی اچھی خاصی گھٹ جاتی ہے، مگر نہ تلاوت کا تسلسل ٹوٹتا ہے، نہ آنکھوں کی روانی میں فرق آتا ہے۔ سننے والے بھی رونے لگتے دو دو تین تین پارے سناتے اور روتے رہتے، مجھے رہ رہ کر قرآن کریم کی آیت یاد آتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ

تَرَی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ (سورہ مائدہ:۸۳) جب وہ لوگ اس کلام کو جو رسول پر اتارا گیا ہے، سنتے ہیں تو تم ان کی آنکھوں کو دیکھتے ہو کہ آنسوؤں سے بہہ پڑتی ہیں، کیونکہ انھوں نے حق کو پہچان لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے ہم کو گواہوں میں لکھ لیجئے۔

رسول اللہ ا کے احوال مبارکہ میں بار بار یہ بات پڑھنے میں آتی ہے کہ قرآن پڑھتے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے، ایک امتی کی آنکھوں کو اس طرح بہتے دیکھ کر رسول اکرم ا کی یاد بے ساختہ دل کو تڑپا جاتی تھی۔''

حضرت شیخ کے یہاں ایک خاص بات یہ دیکھی کہ جب دعا کی درخواست کرتا تو فوراً اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے تھے، سنا ہے کہ ان کے شیخ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجویؒ کا بھی یہی معمول تھا۔ حضرت دیر دیر تک ہاتھ اٹھائے دعا میں مشغول رہتے تھے، ایک مرتبہ سفر حج میں عشا کے بعد خدمت میں حاضر ہوا، حرم کی بالائی منزل پر دعا میں مشغول تھے، دعا کے بعد فرمایا کہ میں آپ اور آپ کے والد محترم کے لئے دعا کر رہا تھا۔ یہ سن کر بہت خوشی ہوئی۔ ایک دوبار میں نے حضرت سے کچھ پریشانیوں کا ذکر کیا تو **سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم وبحمدہ استغفر اللہ** پڑھنے کی تلقین فرماتے۔ ایک بار والد صاحب نے اختلاج قلب کی شکایت کی **یَاقَوِیُّ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ قَوِّنِیْ وَقَلْبِیْ** پڑھنے کو بتایا کہ دل پر ہاتھ رکھ کر اس کو سات مرتبہ پڑھیں، اس سے بہت نفع ہوا۔ اور والد صاحب کو ایک تسبیح دی جو ایسے پتھر کی بنی تھی جس پر انگلی پڑنے سے اختلاج قلب میں بڑی راحت رہتی ہے، والد مستقل اسی پر تسبیحات پڑھتے تھے، تواضع کا حال یہ تھا کہ میں نے کبھی کسی چھوٹے بڑے کو تم کہتے ہوئے نہیں، ہر ایک کو آپ کہہ کر خطاب کرتے ہوئے سنا۔ حضرت مولانا نے اپنے پوری زندگی دین وشریعت کی پاسداری اور علم دین کی نشر واشاعت میں کھپادی، اللہ تعالیٰ نے آپ اصلاح امت کا بڑا کام لیا، حضرت شیخ اس لحاظ سے بڑے خوش قسمت تھے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک وصالح اور فرمانبردار واطاعت گزار اولاد عطا فرمائی، آپ کے پانچوں صاحبزادے ماشاء اللہ عالم اور حافظ ہیں اور صاحبزادیاں بھی زیور علم سے آراستہ ہیں، آپ کے پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں میں سے پچاس سے زائد حافظ قرآن ہیں۔ یہ حضرت شیخ کے خلوص اور حسن نیت کا ثمرہ کا ہے، جیسا کہ میں نے لکھا کہ آپ کی اصل فکر فکر آخرت تھی، تمام امور اسی محور پر چلتے تھے۔ آپ کے صاحبزادے مفتی عاصم عبد اللہ صاحب کہنے لگے کہ جب مکتبہ حمادیہ کو قائم کرنے کا ارادہ ہوا تو خیال ہوا اسے اپنی ملکیت

میں رکھا جائے اور معاش کا ایک ذریعہ ہو، ابا سے مشورہ لیا تو فرمانے لگے کہ بیٹا جیسے میں نے زندگی گزاردی ویسے تم لوگ بھی گزاردو اور اسے مدرسہ کی ملکیت میں رکھو، اور جو بھائی اس کی نگرانی اور انتظام کرے اس کی تنخواہ مقرر کردو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

سوانحی حالات:

''آبائی وطن: حضرت مولانا کا آبائی وطن ضلع غازیپور میں ایک گاؤں ہے جس کا نام شیخ پور ہے، غازی پور کی تحصیل سید پور سے بجانب مشرق، غازی پور شہر جانے کیلئے دو سڑکیں ہیں۔ایک شاہراہ عام ہے، جو سید پور کے بعد نندگنج ہوتی ہوئی غازیپور تک پہونچتی، یہ بنارس غازیپور کا معروف روڈ ہے، دوسری سڑک جو نسبتاً خستہ اور کمزور ہے، سید پور سے دو کلومیٹر پورب آکر دائیں جانب مڑ جاتی ہے، یہ راستہ بھی غازیپور تک آتا ہے، یہ غازی پور کچہری کے پاس نکلتا ہے۔اسی سڑک کے کنارے سید پور سے پندرہ سولہ کیلومیٹر کے فاصلے پر شیخ پور گاؤں ہے۔اس گاؤں میں مسلمانوں کی آبادی ہے، حضرت کا وطن اور جائے پیدائش یہی ہے۔'' (تذکرۂ شیخ ہالیجوی)

حضرت مولانا کا سال ولادت دارالعلوم دیوبند کی سند کے مطابق ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۸ء) ہے۔

حفظ قرآن کی تکمیل مدرسہ دینیہ غازی پور میں کی، اس کے بعد وہیں عربی تعلیم مولانا قاری عبیداللہ صاحب الہ آبادی سے حاصل کی، قاری صاحب کچھ عرصہ کے بعد مدرسہ دینیہ چھوڑ کر یوسف پور چلے گئے تو مولانا بھی ان کے ساتھ وہیں چلے گئے، اور مشکوۃ شریف تک ان سے پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے، جہاں شوال ۱۳۶۸ھ میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا، اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے بخاری شریف پڑھی، شعبان ۱۳۶۹ھ میں فراغت حاصل کی۔ دس کتابوں کے ۵۰۰ نمبرات میں سے ۴۹۱ نمبر حاصل کر کے امتیازی پوزیشن سے کامیاب ہوئے۔ نمبرات سے ذہانت وذکاوت اور علمی لیاقت کا پتہ چلتا ہے۔ ایک بار میں نے عرض کیا کہ آپ کے نمبرات بہت اچھے ہیں تو فرمایا کہ میں نے امتحان کے زمانہ میں پورے ایک ماہ تک متواتر جاگ کر تیاری کی تھی، آپ دوران درس حضرت مدنیؒ کی تقریر نوٹ کیا کرتے تھے، میں نے ان کو حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب مدظلہ کی مرتب کردہ حضرت مدنیؒ کی درس بخاری پیش کی تو فرمایا کہ درس بخاری کی چار کاپیاں میرے پاس موجود ہیں، معلوم نہیں اب وہ محفوظ ہیں یا نہیں۔

۱۹۵۴ء میں ہجرت کر کے کراچی چلے گئے، اور تلاش مرشد میں سلسلہ قادریہ کے نامور شیخ

مولانا تاج محمود امروٹی کے خلیفہ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی کی خدمت میں خانقاہ ہالیجی شریف پہونچے اور بیعت ہوئے، تقریباً سات سال تک شیخ کی خدمت حاضر ہوتے رہے اور خلعت خلافت سے نوازے گئے۔ حضرت مولانا مرحوم نے کراچی میں ایک ادارہ جامعہ حمادیہ سے قائم کیا، جو ایک مکتب سے شروع ہوا اور آج پاکستان کے ممتاز علمی اداروں میں سے ایک ہے، جہاں دورۂ حدیث تک تعلیم ہوتی ہے۔ کراچی کے ابتدائی ایام حضرت کے لئے بڑی ابتلاء وآزمائش کے دن تھے، خود جامعہ حمادیہ کے قیام کی ایک داستان ہے کہ وہ کن حالات میں قائم ہوا، اور کن کن ادوار سے گزر کر یہاں تک پہونچا، امید کہ حضرت کے گرامی قدر صاحبزادگان اور ان کے قریبی متوسلین اس پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

اس دور قحط الرجال میں حضرت مولانا جیسی شخصیت کا اٹھ جانا ایک زبردست خسارہ ہے، استاذ محترم کے انتقال کے بعد جب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو فوراً آپ سے رابطہ کرتا، دعا کی درخواست کرتا، آپ کے تسلی آمیز کلمات میرے بڑا سہارا ہوتے تھے، جب ہم دور افتادگان کا یہ حال ہے تو ظاہر ہے کہ آپ کے صاحبزادگان واہل قرابت اور متوسلین کا کیا حال ہوگا اللہ تعالیٰ تمام پسماندگان واہل تعلق کو صبر جمیل سے نوازیں، اور اس کا اجر جزیل عطا فرمائیں اور حضرت شیخ علیہ الرحمہ کو جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمائیں۔ آمین

☆☆☆☆☆

(بقیہ ص: ۳۷ کا)

بڑی بڑی آبادی وبستی میں کوئی ایک آدمی معتکف کسی مسجد میں نظر آتا ہے، اعتکاف بوڑھوں کا ہوگیا ہے، اس بے رغبتی اور عدم توجہی کو ختم کر کے تمام لوگوں (مرد وعورت) خاص کر نوجوانوں کو اس عبادت (اعتکاف) کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ اعتکاف کے مسائل وآداب معلوم کریں۔ مرد مسجدوں میں اعتکاف کریں اور عورتیں گھر کی مسجد، نماز کی جگہ اعتکاف کریں۔ یہ اعتکاف ان کے لئے بے شمار گناہوں سے بچنے کا ذریعہ بنے گا اور دینی تربیت کا موقع میسر آئے گا۔

اللہ تعالیٰ اس عظیم عمل وسنت کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدرسہ تحفیظ القرآن

تعارف وخدمات

مولانا عبدالعظیم صاحب قاسمی ناظم مدرسہ ہٰذا

مدرسہ تحفیظ القرآن ایک قابل اعتماد دینی ادارہ ہے، جس کی ابتداء ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۰۰۹ء میں ہوئی۔ ابتداء ہی سے یہ ادارہ قوم وملت کی بےلوث خدمت انجام دے رہا ہے، اس مدرسہ سے متعلق مختلف شعبۂ جات کام کررہے ہیں۔

شعبۂ حفظ: پچھلے کئی سالوں سے حفظ کی دو درسگاہیں قائم ہیں، اور تقریباً ۴۰؍ بچے حفظ قرآن کریم میں مشغول ہیں، نیز اب تک ۲۹؍ بچے حفظ قرآن کی تکمیل کرچکے ہیں۔ الحمد للہ کئی بچے ایک دو نشستوں میں پورا قرآن سنا چکے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے۔ آئندہ سال شوال میں حسب ضرورت ایک یا دو درسگاہوں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

شعبۂ پرائمری: یہ شعبہ اپنی افادیت اور معنویت کے اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے، بچوں کے ذہن کو مکمل اسلامی رنگ میں ڈھالنا نیز عصری علوم سے بھی آگاہ کرنا حد درجہ ضروری ہے اس لئے اس میں اعلیٰ معیاری کتابیں داخل درس ہیں، نیز قرآن کریم ونورانی قاعدہ کی تعلیم لازمی ہے، البتہ موجودہ حالات کے پیش نظر پرائمری درجہ چہارم وپنجم نیز حفظ وعربی کے بچوں کیلئے کمپیوٹر کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے، جس کا آغاز ان شاء اللہ سالِ آئندہ سے ہوگا۔ اسی طرح پرائمری کے بچوں کو صبح کلمات اسلام، مسنون دعائیں، احادیث اور دیگر آداب اساتذہ کی نگرانی میں سکھلائے جاتے ہیں اور نماز کی عملی مشق بھی کرائی جاتی ہے۔

شعبۂ عربی وفارسی: اس شعبہ کا قیام اسی سال عمل میں آیا ہے، چند بچوں سے شروعات کردی گئی ہے، جس میں تین باصلاحیت اساتذہ کی نگرانی میں تعلیمی سلسلہ جاری ہے، نیز آئندہ اس شعبہ کو مزید وسعت دی جائے گی، ارادہ ہے کہ اگلے سال عربی سوم تک کے درجات قائم کئے

جائیں گے۔

شعبۂ نسواں: شعبۂ نسواں (معہد خدیجۃ الکبریٰ) اپنی دوسالہ مدت پوری کر چکا ہے، اور اللہ کا شکر ہے کہ اس شعبہ میں پرائمری، حفظ اور عربی اول تک تعلیمی سلسلہ جاری ہے۔ یہ غیر اقامتی ادارہ ہے، مضافات کی بچیوں کی آمدورفت کیلئے گاڑی کا نظم ہے، اس ادارے کے قیام سے عربی تعلیم کا ایک بڑا خلا پُر ہو گیا، اللہ اسے مزید ترقی عطا فرمائے۔ آمین

مکاتیب: مدرسہ ہذا اطراف وجوانب میں مسلمانوں کی حالت زار کے پیش نظر جگہ جگہ مکاتیب قائم کرنے کے لئے کوشاں ہے، لیکن اسباب ووسائل کی قلت سے یہ منصوبہ شرمندۂ عمل نہیں ہو پا رہا ہے، پھر بلیا کلیان پور میں مدرسہ تعلیم الاسلام کے نام سے ایک قدیم مکتب کا الحاق کیا گیا ہے جس میں مستقل محنت جاری ہے۔ دوسرا مکتب سکھٹی گاؤں میں بیت المجید سے ملحق ہے، جس میں اطفال کے بچے زیر تعلیم ہیں، آئندہ چند جگہوں پر مکاتیب کے قیام کا ارادہ ہے۔ ایک ادارہ مدرسہ عائشہ کے نام سے بمہور میں چل رہا تھا، دوسال قبل انتہائی نامساعد حالات میں اس ادارے کا الحاق کیا گیا تھا، لیکن حالات مستقل ناسازگار رہے، اور اب ایک صاحب اس ادارے کی دیکھ بھال کے لئے مل گئے ہیں جن کا تعلق اسی گاؤں سے ہے، اب وہ ادارہ مدرسہ ہذا سے ملحق نہیں ہے، وہ حضرات اپنے طور پر انتظام وانصرام اور تعلیمی نظام دیکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اسے ترقیات سے نوازیں۔ آمین

تعمیرات: جیسا کہ بتایا گیا کہ ۲۰۰۹ء میں مدرسہ تحفیظ القرآن کا قیام عارضی طور پر چند کمروں کی شکل میں عمل میں آیا، پھر جلد ہی محنت وکوشش کے بعد چند بسوہ زمین مدرسہ کے لئے خریدی گئی، اور ۲۰؍مئی ۲۰۱۲ء کو مدرسہ کی مستقل بنیاد رکھی گئی، اور حضرات اہل خیر کے تعاون سے تعمیر کا ایک حصہ مکمل ہوا جو چند کمروں پر مشتمل ہے، اور یہ مدرسہ کی موجودہ ضروریات کے لحاظ سے ناکافی ہے ضرورت ہے کہ پہلی منزل پر کمرے تعمیر کئے جائیں، جس کا کام شروع ہو چکا ہے، اصحاب خیر سے اس میں تعاون کی خصوصی درخواست ہے۔

تعمیر مساجد: اس وقت مدرسہ سے متعلق دو مسجدیں ہیں، ایک مسجد ''بیت المجید'' جس کی بنیاد ۲۰۰۷ء میں رکھی گئی، اندرونی حصہ کی صفائی کا کام مکمل ہو چکا ہے، دروازے اور پلّے وغیرہ لگائے جا رہے ہیں، بیرونی حصہ صفائی کا منتظر ہے، اس مسجد میں نمازِ پنجگانہ تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ دوسری ''جامع مسجد دارالسلام'' ہے، جس کی بنیاد ۱۹۸۲ء میں مولانا عبدالباری صاحب قاسمی سابق

ناظم اعلیٰ جامعہ عربیہ احیاء العلوم کے ہاتھوں رکھی گئی تھی، لیکن نامساعد حالات اور اپنوں کی بے توجہی کی وجہ سے بنیاد سے آگے کام نہ بڑھ سکا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق ونصرت سے ۲۰۱۴ء میں دوبارہ کام شروع ہوا اور چار مرحلوں میں چھت تک کام مکمل ہوگیا، اگرچہ چھت تک کام کرانے میں اچھا خاصا قرض ہوگیا ہے جس کی ادائیگی ہنوز باقی ہے، ابھی مسجد بھی صفائی اور پلے دروازے نیز استنجا خانہ ووضوخانہ کا کام مکمل باقی ہے، جس کے لئے ایک فکر رہتی ہے۔ باری تعالیٰ اس کے بقیہ مراحل کو بھی آسان فرمائے تاکہ جلد ہی جمعہ کا قیام عمل میں آجائے۔ الحمدللہ چھت کا کام مکمل ہوتے ہی یہ زمین سجدوں سے آباد ہوگئی، اللہ ان تمام لوگوں کو قبول فرمائے جنھوں نے اس میں کسی بھی طرح کا تعاون کیا ہو، اور اس کو ان کے لئے ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

تعارف وتبصرہ

نام کتاب: ورق ورق معطر مولف: مولانا نفیس احمد خیرآبادی

صفحات: ۱۶۰ قیمت: سوروپئے (100/=) طباعت: عمدہ

ناشر: مکتبہ نذیریہ، جامعہ نگر، اتراری، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی) mob:8090671662

ملنے کے پتے: مکتبہ نعیمیہ دیوبند، مکتبہ عکاظ دیوبند، فہیم بک ڈپو، صدر چوک مئو، مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد

مطالعہ کے شوقین حضرات دورانِ مطالعہ کوئی اہم بات پاتے ہیں تو اسے محفوظ کر لیتے ہیں، یہ سلسلہ زمانہ قدیم سے جاری ہے، بعض حضرات نے اپنے حاصل مطالعہ کو کتابی شکل میں شائع بھی کر دیا۔ ماضی قریب کے بزرگوں میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی علیہ الرحمہ کے مطالعہ کا انتخاب ''ثمرات الاوراق'' معروف بہ کشکول'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اسی طرح ان کے نامور فرزند مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے مطالعہ کا انتخاب ''تراشے'' کے نام سے شائع ہوا، اور ابھی چند سال پہلے اسی طرح کا ایک مجموعہ ''کتابوں کی درسگاہ میں'' شائع ہوا، جو بہت مقبول ہوا، اس کے مرتب مولانا ابن الحسن عباسی ہیں۔

زیرنظر کتاب خیرآباد کے ایک جواں سال فاضل مولانا نفیس احمد خیرآبادی کے مطالعہ کا ایک عمدہ اور بہترین انتخاب ہے، مطالعہ کے دوران جن باتوں سے وہ متاثر ہوئے اس کو انھوں نے محفوظ کرنے کا اہتمام کیا، اور جب اس کا معتد بہ حصہ جمع ہو گیا تو اہل ذوق کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

یہ کتاب کیا ہے؟ استاذ محترم مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی اس کے متعلق رقم طراز ہیں:

''زیرنظر کتاب میں قاری کو علم وعمل، فضل وکمال اور حکمت ودانائی کے دوش بدوش عزیمت واستقامت کی علمی قدریں ملیں گے، اخلاقیات کے جواہر پارے اپنی بہار در بہار دکھاتے نظر آئیں گے، دین وایمان اور تہذیب وروایات کی پاسداری کے گلہائے رنگارنگ کا حسین ودلکش مرقع نظر افروز ہوگا۔ ذہانت وذکاوت اور فہم وفراست کے ایسے نمونے ملیں گے جو عمل کے بند دریچوں کو وا کر دیں گے۔ اس مرقعے کے مطالعے کی سفارش کی جاتی ہے۔'' (ضیاء الحق خیرآبادی)

مجلّہ

سہ ماہی

رشد و ہدایت

جولائی تا ستمبر ۲۰۱۶ء



مدیر تحریر

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

9235327576

مدیر مسئول

مولانا عبد العظیم قاسمی

9559999984

مرکز اشاعت

مدرسہ تحفیظ القرآن

سکٹھی، مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ یوپی 276404

Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com

مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان

سہ ماہی
مجلّہ رُشد وہدایت

جلد نمبر:۱ | شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ (جولائی تا ستمبر ۲۰۱۶ء) | شمارہ نمبر:۴

مرکزِ اشاعت: **مدرسہ تحفیظ القرآن**

سکٹھی، شاہ محمد پور، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

﷽

فہرست مضامین

زرِتعاون

سالانہ: 100/= | فی شمارہ: 25/= | خصوصی: 1000/=

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے

افتتاحیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی بات

مولانا عبدالعظیم صاحب (مدیر مسئول)

گذشتہ پندرہ جولائی ۲۰۱۶ء نے تاریخ عروج وزوال کے صفحات میں تُرک عوام کو ایک ایسا مقام دے دیا، جس کے بعد ترکوں پر ''ترکِ ناداں'' کا لگا نشانِ تحقیر ''ترک دانا'' کے تمغۂ تعظیم سے بدل گیا، ترکوں نے اپنی حاضر دماغی، دوراندیشی اور حوصلہ مندی وجمہوریت پسندی کا ایسا ثبوت دیا کہ ترکی ایک خونی انقلاب کی دہلیز پر جاکر واپس جمہوریت کی شاہ راہ پر پہلے سے زیادہ قوت واعتماد کے ساتھ لوٹ آیا اور خدایانِ مغرب کی اس کوشش کو ناکام بنادیا گیا، جس کے ذریعہ اسلامی غیرت وحمیت سے سرشار ترکی عوام کو پھر سے کمال اتاترک کے لادینی نظریات کے تابع بنانا تھا۔

یورپ خاص کر یہودی لابی کی پوری کوشش تھی کہ کسی طرح ترکی کے بلند ہوتے ہوئے آفتابِ حریت وقیادت کو غروب کردیا جائے؛ اس لیے کہ ترکی کا اقبال اسرائیل کے زوال کی داستان رقم کررہا ہے، ترکی جو کبھی خلافت عثمانیہ کا مرکز اور مسلمانان عالم کے اتحاد امت کی علامت تھا اور یورپ وامریکہ نے پہلی جنگ عظیم کے بعد مصطفیٰ کمال پاشا کے ذریعہ خلافت عثمانیہ کے چھ سوسالہ عہد کو ختم کراکر اس کے قائدانہ کردار اور مسلمانانِ عالم کے اتحاد پر کاری ضرب لگائی تھی، اس کا فائدہ اٹھاکر عربوں کو خودمختاری کے نام پر چھوٹی چھوٹی ریاستیں دے کر ٹکڑیوں میں تبدیل کردیا گیا تھا، پھر ۱۹۴۵ء میں اسرائیل کا ناسور فلسطین کے قلب میں داخل کردیا گیا، جو درحقیقت امریکہ ویورپ کی فلسطین اور عربوں کی نگہبانی کے لیے ایک چوکی ہے۔ خلافت عثمانیہ کے اختتام کے ساتھ ہی مسلمانوں کی عالم گیر قیادت اور متحدہ خلافت کی تیرہ سوسال پرانی تاریخ کا باب بند ہوچکا تھا، اس کے بعد آج تک مسلمانوں کو متحد نہیں دیکھا گیا اور اسلام جو مسلمانوں کا شعار تھا اس کی جگہ وطنیت، قومیت اور علاقائیت کو شعار بنادیا گیا، آج مسلمان ترک، عرب، عجم میں تقسیم ہوکر وطن وقوم کے نام پر اسلام کے نظام وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں امریکہ ویورپ کے آلۂ کار کے طور پر استعمال ہورہے ہیں۔

۱۹۲۲ء میں عثمانی خلافت کو کالعدم قرار دے کر مصطفی کمال پاشا نے ترکی کو اسلامی فکر و ثقافت سے آزاد کرنے اور یورپ کی مغربی تہذیب و ذہنیت میں تبدیل کرنے کے لیے عربی زبان، مذہب اسلام، اذان و نماز، داڑھی یعنی تمام اسلامی شعار پر پابندی عائد کردی اور سیکولر فوج کو لادینیت واباحیت کو فروغ دینے کا مشن سونپ دیا۔

ترکی کو اسلام کی روشن شاہ راہ پر لانے کی پہلی کوشش نجم الدین اربکان نے اسّی کی دہائی میں شروع کی، ترک عوام ذہنی وفکری طور پر اسلام پسند اور دین دار تھے اور ہیں، نجم الدین اربکان کی حکمت آمیز کوشش بارآور ہونے لگی اور پھر ان ہی کے تربیت یافتہ رجب طیب اردگان نے پہلے وزیراعظم اور پھر صدر کے طور پر اقتدار سنبھالا تو حکومت سے فوج کے اثرات کو ختم کرنے اور اسلام کو پھر سے تازگی بخشنے میں کامیابی حاصل کی، انھوں نے ترکی کی اقتصادیات کو مستحکم کیا، عوام کے بنیادی مسائل حل کئے اور ترکی کو ایک طاقت ور ملک بنانے کا حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا، اسی کے ساتھ رجب طیب اردگان نے فلسطینی عوام کی کھل کر حمایت کی اور کررہے ہیں، دین پسند تنظیموں اور سیاسی جماعتوں کی حمایت میں امریکہ و یورپ کی تنقیدوں کا ڈٹ کر جواب، مصر میں مرسی کی حکومت کی تائید میں پیش پیش رہے اور ڈاکٹر عبدالفتاح سیسی کی بغاوت اور منتخب حکومت کو برخاست کر کے مصر پر قبضہ کرنے کی مخالفت کی اور برابر کررہے ہیں، یہی وہ سب کارنامے تھے جن کی وجہ سے اردگان یورپ کی نظر میں معتوب ہیں، ان پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ترکی کو اسلامی نظام سے وابستہ کررہے ہیں جس سے یورپ کو خطرہ ہے۔

۱۵؍جولائی ۲۰۱۶ء کی فوجی بغاوت کے پس پردہ یورپ کا ہاتھ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، مگر یورپ و امریکہ اس سے انکار کرتے ہیں، اگر فوجی بغاوت کامیاب ہوجاتی تو یورپ میں ہر طرف جشن منایا جاتا، مگر قابل مبارک باد ہیں غیور ترک عوام کہ انھوں نے اپنے ہر دل عزیز صدر کی ایک اپیل پر لاکھوں کی تعداد میں گھروں سے نکل کر باغی فوجیوں کو ہر طرف سے گھیر لیا، ٹینکوں کے سامنے لیٹ گئے، سڑکوں کو اپنے وجود سے جام کردیا، یہ تاریخ انقلاب کا وہ نرالا انداز ہے جو کسی نے نہ سنا ہے اور نہ اس کا تصور کیا ہے، لیکن ترکوں نے مسلمانوں کو اتحاد کی طاقت اور حوصلہ مندی کا ایک عملی پڑھایا ہے کہ:

ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

ہندوستان کے پچیس کروڑ مسلمان ہوں، دوسرے خطوں کے بے سہارا مسلمان، (بقیہ ص:۹ پر)

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغازِ سخن

از:۔ مدیر تحریر

برصغیر (ہندو پاک و بنگلہ دیش) میں مسلمانوں کی تعداد پچاس کروڑ سے زائد ہے، جو پوری دنیا کی مسلم آبادی کا ایک تہائی سے بھی زائد حصہ ہے، ان تینوں ملکوں میں مسلمانوں کا دینی تعلیمی نظام تقریباً یکساں ہے، عام طور پر یہاں کے اسلامی مدارس وجامعات میں تعلیم کا آغاز شوال سے ہوتا ہے اور اختتام شعبان میں، رمضان المبارک کی تعطیل ان مدارس کے لئے فراہمی مالیات کا موسم ہوتا ہے، اس لئے کہ ان مدارس کی اکثریت اپنی اپنی حکومتوں سے کسی قسم کی امداد قبول نہیں کرتی، اور مسلمانوں کے عمومی چندے سے یہ مدارس اپنا بجٹ پورا کرتے ہیں۔ بنیادی طور پر فراہمی مالیات کا یہ نظام ونظریہ بانیان دارالعلوم دیوبند کے وضع کردہ اصولوں کے تابع ہے، جن کا خیال یہ تھا کہ ان مدارس کو حکومت کی دخل اندازی سے محفوظ رکھ کر خالص دینی ومذہبی تعلیم وتربیت کے ذریعہ علماء کرام وداعیان اسلام کو تیار کیا جائے، اور اس طرح سے اسلام اور احکام اسلام کو اپنی اصالت وصداقت پر باقی رکھا جائے اور اخلاص وللّٰہیت اور آخرت کے اجروثواب کی نیت سے یہ فضلائے مدارس علوم اسلامیہ کی ترویج، احکام ومسائل کی تشریح اور حسبۃً للہ دعوت وتبلیغ کی خدمات انجام دیں، جوکہ اصل دینی واسلامی مزاج اور اسوۂ نبوی ہے۔

الحمدللہ اسی نہج واسلوب کا ثمرہ ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی یہاں علماء اور عوام کے درمیان ایک گہرا ربط اب بھی باقی ہے، اور علماء عوام پر ایک مثبت اثر رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے اس خطہ کے مسلمان دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ دین دار، خدا پرست اور سنت وشریعت پر عامل وکاربند ہیں، اس کا احساس عموماً حج کے موقع پر بہت ہوتا ہے، اگر یہ مدارس حکومتوں کی امداد قبول کرتے تو اس کی دخل اندازی سے محفوظ نہیں رہ پاتے، اور یہ حکومتیں بہرصورت اپنا وضع کردہ تعلیمی نصاب کسی نہ کسی صورت میں نافذ کرنے کی کوشش کرتیں، جیسا کہ حکومت کی طرف سے امداد یافتہ مدارس کے سلسلہ میں اب مشاہدہ ہو رہا ہے، اور جن

ملکوں میں مدارس حکومت کے کنٹرول میں ہیں وہ تو بس ایک دکھاوے کی چیز (شوپیس) بن کر رہ گئے، وہاں حکومتیں جیسے چاہتی ہیں اسی کے چشم وابرو کے مطابق یہ فضلاء چلتے ہیں، مصر کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

برصغیر کے ان مدارس عربیہ کے بارے میں اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ درسگاہ نبوی مدرسہ صفہ سے ایک نسبت وتعلق رکھتے ہیں تو غلط نہ ہوگا، اس لئے کہ ان مدارس کی اصل وہی درسگاہ نبوی ہے جہاں اسلام کے مخاطبینِ اولین نے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ برصغیر کے باحمیت مسلمانوں کے لئے یہ فخر کی بات ہے کہ وہ اسلام کے ان مراکز سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں اور ہر طرح سے ان کی نصرت واعانت کرتے ہیں، آج کے روشن خیال مسلمان چاہے جس قدر حقارت سے ان مدارس کو دیکھیں لیکن اسلام دشمن طاقتیں خوب اچھی طرح سمجھتی ہیں کہ برصغیر میں اسلام کا صحیح خدوخال کے ساتھ باقی رہ جانا بہت کچھ ان مدارس ہی کی دین ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ مدارس اسلام دشمن طاقتوں کی نگاہ میں خار بن کر کھٹک رہے ہیں، انگریزوں کے دور سے لیکر آج تک برابر مدارس کے خلاف منصوبہ بندیاں جاری ہیں، اور ہر روز حکومتوں کے ذریعہ نئے نئے مسائل کھڑے کئے جاتے ہیں۔

عربی مدارس کی تاریخ غار حراء کے اس پیغام سے شروع ہوتی ہے جب قلب محمد عربی ﷺ پر پہلی وحی کا نزول ہوتا ہے، اور اِقرأ یعنی پڑھئے سے اسلامی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے، اس پہلی وحی کے بعد علم کی تحصیل واشاعت کو اسلام نے ایک مشن کے طور پر لیا، خود رسول اللہ ﷺ کی رسالتی ذمہ داریوں میں سب سے مہتم بالشان ذمہ داری کتاب اللہ کی تلاوت، کتاب وحکمت کی تعلیم اور اسی کے ذریعہ قلوب کی صفائی اور تزکیہ تھا۔ اللہ کے رسول پر جس قدر آیات کا نزول ہوتا آپ اسے صحابہ کرام کو سناتے، صحابہ اس کو یاد کر کے دوسروں کو سناتے، اس طرح تعلیم وتعلم کا یہ سلسلہ ایک محدود دائرے میں مکہ کی سرزمین پر خوف وہراس کے ماحول میں چلتا رہا۔ پھر جب مدینہ میں امن وسکون کا ماحول میسر آیا تو مسجد نبوی باضابطہ تعلیم وتربیت کا مرکز بن گئی، خود معلم انسانیت ﷺ صحابہ کرام کی تعلیم وتربیت فرماتے تھے، صفہ صحابہ کا دارالاقامہ اور مسکن تھا، جن کے طعام کی ذمہ داری خوش حال صحابہ نے لے رکھی تھی، گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلا اقامتی مدرسہ یہی صفہ کی درسگاہ تھی، جس کی کفالت عام مسلمانوں نے حسب استطاعت اپنے ذمہ لے رکھی تھی، چونکہ اس وقت فقر وفاقہ کا عام ماحول تھا، ابھی فتوحات اسلامی کا آغاز نہیں ہوا تھا لہٰذا صفہ کے مکینوں کو اکثر بھوکا بھی رہنا پڑتا تھا لیکن جو کاروانِ علم خاتم النبیین

ﷺ کی قیادت وامامت میں چل پڑا تھا اسے اب قیامت تک کے لئے چلنا ہی تھا، وہ چلتا ہی رہا، اور اس میں روز بروز وسعت پیدا ہوتی رہی۔ یہ منجانب اللہ علوم دینیہ (قرآن وحدیث جو کہ اسلام کی اصل ہیں) کی اشاعت وحفاظت کا قدرتی نظم ہے جو کہ ابتداء اسلام سے ہی قائم ہے۔

آنحضور ﷺ تو دیگر انبیاء سابقین کی طرح اپنا رسالتی مشن مکمل کر کے دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن اسلام اور اس کا آفاقی پیغام تو قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے تعلیم وتعلم کا یہ سلسلہ ہر دور اور ہر عہد میں جاری رہا تا کہ اسلام کا یہ آفاقی پیغام اپنی اصل روح اور حقیقت کے ساتھ باقی رہے، اس میں کسی طرح کی تحریف وتبدیلی نہ ہو سکے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے ساری دنیا میں اسلام کا پیغام پہونچایا، ان کی بڑی بڑی درسگاہیں تھیں جس سے ہزاروں طالبین فیضیاب ہوتے تھے، تفصیل کے لئے مورخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوریؒ کی کتاب ''خیر القرون کی درسگاہیں....'' ملاحظہ فرمائیں۔

علم کا یہ کارواں غار حراء سے مکہ کی وادیوں میں پہونچا، اور وہاں سے اس کا پہلا پڑاؤ مدینہ منورہ میں ہوا، عہد اموی میں اس کا خاص مرکز دمشق بنا، عہد عباسی میں یہ مرکز دمشق سے بغداد اور کوفہ وبصرہ کی طرف منتقل ہوا، جہاں اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء ومحدثین، ائمہ مجتہدین اور صالحین امت نے علوم ومعارف کے چشمے جاری کئے۔ یہاں سے یہ کاروان علم خلافت عباسیہ کے دور دراز علاقوں تک رواں دواں رہا، حکومتوں کے بدلنے کے ساتھ یہ مراکز بھی بدلتے رہے، نورالدین زنگی وصلاح الدین ایوبی کے دور میں مصر وشام علوم اسلامیہ کے مراکز رہے، ایک دور وہ آیا جب وسط ایشیا کے یہ علاقے سمرقند وبخارا، ترمذ وخراسان اور نیشاپور واصفہان وغیرہ علوم وفنون کے مرکز بنے، جہاں سے امام بخاری، امام مسلم، اور امام ترمذی جیسے نامور محدثین، شیخ ابوالحسن خرقانی وفریدالدین عطار جیسے صوفیاء اور امام رازی وبوعلی سینا جیسے حکماء پیدا ہوئے۔ ایک طویل عرصہ تک یہ کاروان علم وفن خلفاء وسلاطین کی سرپرستی میں دمشق وبغداد، مراکش واندلس، مصر وشام، سمرقند وبخارا، شیراز وقم اور خراسان واصفہان جیسے شہرہ آفاق شہروں میں سرگرم سفر رہا۔ اور دور دور سے تشنگان علم وفن سفر کر کے ان علاقوں میں آتے تھے اور سیراب ہو کر جاتے تھے۔ تاریخ نے بغداد ومصر، قرطبہ وغرناطہ اور سمرقند وبخارا کے ہزاروں آفتابہائے علوم ومعارف کے ناموں اور ان کے لازوال کارناموں کو محفوظ رکھا ہے، ہر فن کے باکمال ماہرین کی علمی خدمات کا ثبوت وہ ہزاروں نادر ونایاب کتابیں ہیں، جن سے دنیائے علم وفن آج بھی استفادہ کر رہی ہے، بلکہ دانشوران یورپ انھیں سے خوشہ چینی کر کے دانشور کہلائے، اور یہ

جن کی میراث تھی وہ اس کی قدر و قیمت کو فراموش کر بیٹھے، یورپ نے ان کو اپنی علمی وتحقیقی ترقیات کا زینہ بنالیا اور آج انہی کتابوں کی بدولت وہ اپنی علمی بالادستی قائم کئے ہوئے ہیں۔شاید اسی ناقدری کا کرب علامہ اقبال کے اس شعر میں ظاہر ہو رہا ہے ؎

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

یہ فدائیان علم اور یہ ائمۂ فن صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ بنی نوع انسانی کے تمام طبقات کے لئے قدرت کا عطیہ اور انعام تھے۔اور یہ سب اسی کاروان علم ومعرفت کا حصہ ہیں جو غار حراء کے پیغام سے تشکیل پایا تھا، جس کے قائد ورہبر خاتم النبیین محمد عربی ﷺ تھے، پھر آپ کے بعد آپ کے وارثین ہیں۔

غار حرا سے پھوٹنے والے نور علم کی شعاعیں سندھ کے ساحل پر بھی چمکیں اور علم کا یہ کارواں دنیا کے مختلف ملکوں اور خطوں سے ہوتا ہوا سندھ کے راستے ہندوستان میں بھی داخل ہوا اور یہ خطہ بھی اس کا مرکز ومحور بنا۔ایک زمانے میں دہلی، اجمیر، ملتان اور لاہور میں علماء کرام کی دانشگاہیں اور صوفیاء کرام کی خانقاہیں تھیں جہاں سے دولت علم کے ساتھ تزکیہ قلب اور اصلاح باطن کی دولت بھی ملتی تھی، فقہاء ومحدثین کی علمی مجلسوں سے علم وتحقیق کے نئے نئے گوشے سامنے آتے تھے۔عہد مغلیہ کے نامور حکمراں اورنگ زیب عالمگیر کی علم پروری وعلماء نوازی نے دلی کو رشک بغداد وقرطبہ بنادیا تھا، اس نے اس دور کے متعدد علماء وفقہاء کو جو اپنے علم وتقویٰ میں درجۂ امامت کو پہونچے ہوئے تھے، فتاویٰ ہندیہ (جو فتاویٰ عالمگیری کے نام سے مشہور ہے) کی ترتیب کا ذمہ دار بنایا، جن کی سالہا سال کی عرق ریزی کے بعد فتاویٰ ہندیہ جیسی جامع کتاب وجود میں آئی جو آج علماء ومفتیان کرام کے لئے مرجع وماخذ ہے۔اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی اولاد واحفاد نے فن حدیث کو ایسا فروغ دیا کہ قدماء محدثین کی یاد تازہ ہوگئی، اسی وقت مشرق میں علماء فرنگی محل وعلماء صادق پور وعظیم آباد اپنی عظیم علمی تحقیقات دنیا والوں کے سامنے لارہے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد شاہ ولی اللہ کے علمی ورثہ کو لیکر کچھ دور اندیش اور پاک طینت بزرگوں نے دیوبند نامی قصبہ میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی، جو تاریخ میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہوا، پھر تو کچھ ہی عرصہ کے بعد ہندوستان کے طول وعرض میں مدارس کا ایک جال سا بچھ گیا، جس کے ذریعہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے دین اور علم دین کی بقا وتحفظ کا

ایک مضبوط ذریعہ مل گیا جس نے آگے چل کر ہندوستان کی تاریخ پر بڑے دوررس اثرات مرتب کئے۔ان کی تفصیل ان مدارس کی تاریخ پر لکھی گئی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

یہ چودہ سوسالہ طویل علمی سفر کا ایک سرسری جائزہ تھا، افسوسناک بات یہ ہے کہ اب مدارس سے مسلمانوں کے عوام وخواص کی وہ دلچسپی اور گرم جوشی باقی نہیں رہی، اس میں جہاں تک دین سے دوری اور مادیت کے غلبہ کے ساتھ دوسرے اسباب وعوامل کا دخل ہے وہیں ارباب مدارس کی دینی وعملی کمزوریوں کا بھی دخل ہے، جن کو دور کرنا ان کی اولین ذمہ داری ہے، تاکہ یہ مدارس اسلامیہ جوحقیقت میں دین کی مضبوط پناہ گاہیں ہیں، جہاں سے دین کے محافظ اوراسلام کے داعی پیدا ہوتے ہیں، جو غار حراء کے پیغام کے امین ومحافظ اور نبوت کے مشن کے ذمہ دار ہیں، ان کو مضبوط ومستحکم کیا جائے ، اوران کی وہی افادیت اب بھی باقی رہے جو کبھی ماضی میں ان کا شعار رہا ہے، ورنہ عوام کے ساتھ ارباب مدارس بھی مواخذہ اور گرفت سے بری نہیں ہوسکتے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ ص:۴ کا)

ان پر فرقہ پرست عناصر اوراسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے جو عالم گیر دباؤ ہے، اس کو اپنے ملی اتحاد اور باطل کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر ختم کیا جاسکتا ہے، ترکوں نے چھ سو سال تک عالم اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمت کی ہے، اس کی وجہ سے دنیا بھر کے امن پسند، اسلام دوست مسلمان دلی محبت کرتے ہیں اور رجب طیب اردگان کی اصلاحی کاوشوں سے مسلمانوں کے بین الاقوامی اتحاد کی امیدیں لگاتے ہیں، ان کو طیب اردگان کی شکل میں عصر حاضر کے سلطان صلاح الدین ایوبی کی جھلک دکھائی دے رہی ہے، اس لیے فوجی بغاوت کی ناکامی اور جمہوری حکومت کی سلامتی پر عام طور پر ہر مسلمان کو بے پناہ مسرت ہے، بغاوت کے بعد صدر اردگان نے جراثیم کو پاک کرنے کی جو مہم شروع کی ہے اس کی تائید ہر طبقہ سے ہورہی ہے اگرچہ امریکہ ویورپ بے تحاشا گرفتاریوں پر اپنی تشویش درج کرا کرا پنے نفاق کا ثبوت دے رہے ہیں؛ لیکن جب تک ترک عوام اردگان کے ساتھ ہیں اور ان کے دل میں ملت اسلامیہ کا درد ہے تب تک ان شاء اللہ صدر اردگان کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا اور ترکی فوج اور سیول سروس کی صفائی کے بعد ایک اعتدال پسند انصاف وترقی پر گامزن ترکی، مسلمانوں کے درپیش مشکلات ومسائل کے حل کا مرکز بنے گا۔ ○○○

علماء و مصلحین امت اور ان کے فتنے

از قلم: محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

سب سے بڑا صدمہ اس کا ہے کہ مصلحین کی جماعتوں میں جو فتنے آج کل رونما ہور ہے ہیں نہایت خطرناک ہیں، تفصیل کا موقع نہیں، لیکن فہرست کے درجہ میں چند باتوں کا ذکر نا گزیر ہے:

۱-مصلحت اندیشی کا فتنہ

یہ فتنہ آج کل خوب برگ و بار لا رہا ہے، کوئی دینی یا علمی خدمت کی جائے اس میں پیش نظر دنیاوی مصالح رہتے ہیں، اس فتنہ کی بنیاد نفاق ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی دینی و علمی خدمات برکت سے خالی رہتی ہیں۔

۲-ھر دل عزیزی کا فتنہ

جو بات کہی جاتی ہے اس میں یہ خیال رہتا ہے کہ کوئی بھی ناراض نہ ہو، سب خوش رہیں، اس فتنہ کی اساس حب جاہ ہے۔

۳- اپنی رائے پر جمود واصرار

اپنی بات کو صحیح وصواب اور قطعی ویقینی سمجھنا، دوسروں کی بات کو درخور اعتنا اور لائق التفات نہ سمجھنا، بس یہی یقین کرنا کہ میرا موقف سو فی صد حق اور درست ہے اور دوسرے کی رائے سو فی صد غلط اور باطل، یہ اعجاب بالرائے کا فتنہ ہے اور آج کل سیاسی جماعتیں اس مرض کی شکار ہیں، کوئی جماعت دوسرے کی بات سننا گوارا نہیں کرتی، نہ حق دیتی ہے کہ ممکن ہے کہ مخالف کی رائے کسی درجہ میں صحیح ہو یا یہ کہ شاید وہ بھی یہی چاہتے ہوں جو ہم چاہتے ہیں، صرف تعبیر اور عنوان کا فرق یا الاہم فالاہم کی تعیین کا اختلاف ہو۔

۴-سوئے ظن کا فتنہ

ہر شخص یا ہر جماعت کا خیال یہ ہے کہ ہماری جماعت کا ہر فرد مخلص ہے اور ان کی نیت بخیر ہے اور باقی تمام جماعتیں جو ہماری جماعت سے اتفاق نہیں رکھتیں وہ سب خود غرض ہیں، ان کی نیت صحیح

نہیں، بلکہ اغراض پر مبنی ہیں، اس کا منشا بھی عجب و کبر ہے۔

۵-سوئے فهم کا فتنه

کوئی شخص جب کسی مخالف کی بات سن لیتا ہے تو فوراً اسے اپنا مخالف سمجھ کر اس سے نہ صرف نفرت کا اظہار کرتا ہے، بلکہ مکروہ انداز میں اس کی تردید فرض سمجھی جاتی ہے، مخالف کی ایک ایسی بات میں جس کے کئی محمل اور مختلف توجیہات ہوسکتی ہیں، وہی توجیہ اختیار کریں گے جس میں اس کی تحقیر وتذلیل ہو، کیا ﴿إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ یقیناً بعض گمان گناہ ہیں، اور ''إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ'' بدگمانی سے بچا کرو، کیوں کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور بڑے بڑے جھوٹ اسی سے پیدا ہوتے ہیں، کی نصوص مرفوع العمل ہوچکی ہیں؟

۶-بهتان طرازی کا فتنه

مخالفین کی تذلیل وتحقیر کرنا، بلاسند ان کی طرف گھناؤنی باتیں منسوب کرنا، اگر کسی مخالف کی بات ذرا بھی کسی نے نقل کر دی بلا تحقیق اس پر یقین کر لینا اور مزے لے لے کر محافل ومجالس کی زینت بنانا، بالفرض اگر خود بہتان طرازی نہ بھی کریں، دوسروں کی سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق صحیح سمجھنا، کیا یہ نص قرآنی ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ اگر آئے تمہارے پاس کوئی گناہ گار خبر لے کر تو تحقیق کر لو، کے خلاف نہیں؟

۷-جذبه انتقام کا فتنه

کسی شخص کو کسی شخص سے عداوت ونفرت یا بدگمانی ہے، لیکن خاموش رہتا ہے، لیکن جب ذرا اقتدار مل جاتا ہے، طاقت آجاتی ہے تو پھر خاموشی کا سوال پیدا نہیں ہوتا، گویا یہ خاموشی معافی اور درگذر کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ بے چارگی، ناتوانی اور کمزوری کی وجہ سے تھی، جب طاقت آگئی تو انتقام لینا شروع کیا، رحم وکرم اور عفو ودرگذر سب ختم۔

۸-حب شهرت کا فتنه

کوئی دینی، علمی یا سیاسی کام کیا جائے، آرزو یہی ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ داد ملے اور تحسین وآفرین کے نعرے بلند ہوں، درحقیقت اخلاص کی کمی یا فقدان سے اور خودنمائی وریاکاری کی خواہش سے یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے، صحیح کام کرنے والوں میں یہ مرض پیدا ہوگیا اور درحقیقت یہ شرک خفی ہے، حق تعالیٰ کے دربار میں کسی دینی یا علمی خدمت کا وزن اخلاص سے ہی بڑھتا ہے اور یہی تمام اعمال

میں قبول عند اللہ کا معیار ہے، اخبارات، جلسے، جلوس، دورے زیادہ تر اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

۹- خطابت یا تقریر کا فتنہ

یہ فتنہ عام ہوتا جا رہا ہے کہ لن ترانیاں انتہا درجہ میں ہوں، عملی کام صفر کے درجہ ہو، قوالی کا شوق دامن گیر ہے، عمل وکردار سے زیادہ واسطہ نہیں۔ ﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَاتَفْعَلُوْنَ، كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَاتَفْعَلُوْنَ﴾ کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے، بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔ خطیب اس انداز سے تقریر کرتا ہے، گویا تمام جہان کا درد اس کے دل میں ہے، لیکن جب عملی زندگی سے نسبت کی جائے تو درجہ صفر ہوتا ہے۔

۱۰- پروپیگنڈہ کا فتنہ

جو جماعتیں وجود میں آئی ہیں، خصوصاً سیاسی جماعتیں، ان میں غلط پروپیگنڈہ اور واقعات کے خلاف جوڑ توڑ کی وبا اتنی پھیل گئی ہے، جس میں نہ دین ہے اور نہ اخلاق، نہ عقل ہے اور نہ انصاف، محض یورپ کی دین باختہ تہذیب کی نقالی ہے، اخبارات، اشتہارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن، تمام اس کے مظاہر ہیں۔

۱۱- مجلس سازی کا فتنہ

چند اشخاص کسی بات پر متفق ہو گئے یا کسی جماعت سے اختلاف رائے ہو گیا، فوراً اخبار میں نکالا جاتا ہے، بیانات چھپتے ہیں کہ اسلام اور ملک بس ہماری جماعت کے دم قدم سے باقی رہ سکتا ہے، نہایت دل کش عنوانات اور جاذب نظر الفاظ وکلمات سے قراردادیں اور تجویزیں چھپنے لگتی ہیں۔ امت میں تفرق وانتشار اور گروہ بندی کی آفت اسی راستے سے آئی ہے۔

۱۲- عصبیت جاھلیت کا فتنہ

اپنی پارٹی کی ہر بات خواہ وہ کیسی ہی غلط ہو، اس کی حمایت وتائید کی جاتی ہے اور مخالف کی ہر بات پر تنقید کرنا سب سے اہم فرض سمجھا جاتا ہے، مدعی اسلام جماعتوں کے اخبار ورسائل تصویریں، کارٹون، سینما کے اشتہار، سود اور قمار کے اشتہار اور گندے مضامین شائع کرتے ہیں، مگر چونکہ ''اپنی جماعت'' کے حامی ہیں، اس لیے جاہلی تعصب کی بنا پر ان سب کو بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے، الغرض جو اپنا حامی ہو وہ تمام بدکرداریوں کے باوجود پکا مسلمان ہے اور جو اپنا مخالف ہو اس کی نماز اور روزے کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے۔

۱۳-حب مال کا فتنہ

حدیث میں تو آیا ہے کہ ''حُبُّ الدُّنیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَةٍ'' دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے، حقیقت میں تمام فتنوں کا قدر مشترک حب جاہ یا حب مال ہے، بہت سے حضرات ''رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنیَا حَسَنَةً'' کو دنیا کی جستجو اور محبت کے لیے دلیل بناتے ہیں، حالانکہ بات واضح ہے کہ ایک ہے دنیا سے تعلق اور ضروریات کا حصول، اس سے انکار نہیں، نیز ایک ہے طبعی محبت جو مال اور آسائش سے ہوتی ہے، اس سے بھی انکار نہیں، مقصد تو یہ ہے کہ حب دنیا یا حب مال کا اتنا غلبہ نہ ہو کہ شریعت محمدیہ اور دین اسلام کے تمام تقاضے ختم یا مغلوب ہو جائیں، اقتصاد و اعتدال کی ضرورت ہے، عوام سے شکایت کیا کی جائے، آج کل عوام سے یہ فتنہ گذر کر خواص کے قلوب میں بھی آ رہا ہے، الا ماشاء اللہ! اس فتنے کی تفصیلات کے لیے ایک طویل مقالے کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، ہم ان مختصر اشاروں کو حضرت رسول اللہ ﷺ کی محبت کی ایک دعا پر ختم کرتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنِي حُبُّهُ عِنْدَکَ، اَللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَنِي مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِي فِيْمَا تُحِبُّ، اَللّٰهُمَّ وَمَا زَوَيْتَ عَنِّي مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغاً لِي فِيْمَا تُحِبُّ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي وَأَهْلِي وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ.

☆☆☆☆☆

(بقیہ ص: ۳۸ کا)

اس سے مثبت سوچ پرورش پاتی ہے، جو ہمارے صحت مند خاندان اور معاشرے کے لیے بے حد ضروری ہے؛ اسی لیے تو مشہور ہے کہ ''صبح کا پیالہ اکسیر کا نوالہ''۔

خلاصۂ کلام یہ کہ صبح سوتے رہنے اور اس عظیم وقت کو برباد کرنے سے ہمارے لیے دونوں جہان کا خسارا ہے، ہم اپنے اس عمل سے خدا کی دو عظیم نعمتوں کو ٹھکرا رہے ہوتے ہیں: (۱) خدا کا متعین کردہ فرض یعنی نماز فجر جس سے ہم غافل ہو کر پڑے سوتے رہتے ہیں۔ (۲) خدا کی طرف سے اترنے والی خیرات و برکات کی بارش جس میں چرند و پرند، پیڑ پودے، مچھلیاں، ہر مخلوق جان دار و غیر جان دار سب کے سب شاداں و فرحاں ہو کر لطف اندوز ہو رہے ہوتے ہیں اور ہمارے جوان و بوڑھے خواب غفلت میں پڑ کر محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ تنگ دستی، مفلوک الحالی، صحت و عافیت سے خالی ہونے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ﴿إِنَّ فِي ذٰلِکَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُوْنَ﴾۔　دیدہ عبرت کو وا کرے کوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتنوں کی ہمہ گیری اوراس سے بچنے کی تدبیر

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

مشہور محدث امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری نے اپنی کتاب **الجامع الصحیح** میں جو مسلم شریف کے نام سے معروف ہے، اور صحاح ستہ (حدیث کی چھ صحیح کتابوں) میں ایک ہے، اور بخاری شریف کے بعد اسی کا درجہ کا ہے، ایک مفصل حدیث نقل کی ہے، جو ہمارے موجودہ حالات میں بہت ہی قابل غور ہے، اوراس کے تقاضوں کو پیش نظر رکھنا، اورانھیں عمل میں لانے کا اہتمام کرنا بہت ہی ضروری ہے، اس حدیث کے راوی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں، جن کو رسول اللہ ﷺ بہت ہی خاص خاص باتیں بتایا کرتے تھے، اوراسی لیے وہ آپ کے ''صاحب سر'' (رازوں سے باخبر) کہے جاتے تھے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے قول وعمل کا بہت لحاظ رکھتے تھے، یہی حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے حاضرین سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے فتنوں کا تذکرہ سنا ہے، کچھ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے سنا ہے، آپ نے فرمایا کہ شاید تم وہ فتنہ سمجھ رہے ہو، جو آدمی کو اس کے اہل وعیال اور پڑوس کے سلسلے میں پیش آتا ہے، انھوں نے کہا جی! ہم یہی سمجھ رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اس سلسلے کی لغزشوں اور خطاؤں کا کفارہ تو نماز، روزہ اور صدقہ سے ہوجاتا ہے، لیکن کسی نے آپ سے اس فتنہ کا تذکرہ سنا ہے؟ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا چلے گا۔ اس پر سب لوگ خاموش رہے، میں نے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے، فرمایا: ہاں تم نے سنا ہوگا، اللہ تمھارے باپ کو مبارک کرے! حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ فتنے قلوب پر لگاتار اس طرح آئیں گے جیسے چٹائی ایک ایک تنکے سے بنی جاتی ہے، تو جس قلب میں یہ فتنے جذب ہوگئے، اس میں سیاہ نقطے پڑ جاتے ہیں، اور جس قلب نے انھیں اجنبی سمجھ کر جھٹک دیا، اس میں ایک روشن نقطہ بن جاتا ہے، اس طرح ایک قلب تو بالکل سنگ مرمر کی طرح سفید اور روشن ہوجاتا ہے، جس میں رہتی دنیا تک کوئی فتنہ اثر نہیں کرسکتا، اور دوسرا قلب کالا، راکھ میں اٹا ہوا الٹے پیالے کی

طرح ہوجاتا ہے، جو نہ معروف سے مانوس ہوتا، اور نہ منکر سے اسے وحشت ہوتی، وہ صرف اسی چیز کو جانتا ہے، جسے اس کی نفسانیت نے جذب کیا ہے''۔

حدیث میں بعض اجزاء اور بھی ہیں، لیکن ہم نے اپنے موضوع سے متعلق جو حصہ تھا، اسے نقل کیا ہے، یہاں حدیث کے چند الفاظ کی وضاحت ضروری ہے، تاکہ قارئین کے سامنے وہ بات واضح رہے، جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے۔

اس میں ایک لفظ ''فتنہ'' ہے، اس کی جمع ''فتن'' ہے، اردو محاورہ میں فتنہ کا معنی لڑائی جھگڑا اور اختلاف وانتشار ہے، لیکن عربی میں ''فتنہ'' کا معنیٰ امتحان اور آزمائش کے ہیں، خواہ وہ امتحان اپنے نتیجہ کے اعتبار سے خیر ہو، یا شر، لیکن زیادہ تر اس کا استعمال اس آزمائش اور امتحان کے لیے ہوتا ہے، جس سے شر کا ظہور ہوتا ہو، چنانچہ فتنہ کا اطلاق کفر پر، دوراز کار تاویلات پر، ذلت ورسوائی پر، مصیبت اور عذاب پر، لڑائی جھگڑے پر، اچھائی سے برائی کی طرف پلٹنے پر اور کسی چیز کی محبت میں غلو پر ہوتا ہے۔

اہل ومال کا فتنہ یہ ہے کہ ان کی محبت میں پڑ کر آدمی دینی احکام میں کوتاہی کرنے لگتا ہے، یہی حال پڑوس کا بھی ہوتا ہے، کبھی پڑوس کی محبت میں اور کبھی اس کی عداوت میں آدمی حد سے تجاوز کر جاتا ہے، اور غلطیوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، ان غلطیوں کا کفارہ روزمرہ کی عبادات ہوجاتی ہیں، یہ فتنے تو ہمہ دم آدمی کے ساتھ ہیں، ان کی اصلاح ومغفرت کا سامان بھی منجانب اللہ مہیا ہیں، اگر آدمی نماز روزے اور عبادات کا پابند ہے، تو یہ روزمرہ کی خطائیں، خود بخود دھلتی رہتی ہیں۔

لیکن ایک فتنہ وہ ہے، جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ **تَمُوجُ مَوجَ البحرِ**، سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا آئے گا، یعنی جس طرح سمندر کی موجیں باہم ٹکراتی ہیں، ایک دوسرے کے پیچھے اس طرح سر اٹھاتی ہیں، جیسے ہر ایک دوسرے کے تعاقب میں ہے، اسی طرح یہ فتنے یکے بعد دیگرے آئیں گے، باہم گتھم گتھا ہوں گے، لڑائی جھگڑے کی کثرت ہوگی، کوئی کسی کی رعایت کو تیار نہ ہوگا، پاس ولحاظ اٹھ جائے گا، لوگ جانوروں سے بدتر ہوجائیں گے، ان فتنوں کی کیفیت کیا ہوگی، فرماتے ہیں کہ **تُعْرَضُ الفِتَنُ عَلَى القُلوبِ كالحَصِيرِ عُوداً عُوداً** جس طرح چٹائی بنی جاتی ہے، تو ایک تنکے کو دوسرے تنکے سے جوڑتے چلے جاتے ہیں، اسی طرح قلوب فتنوں کی آماجگاہ بن جائیں گے، ایک فتنہ آئے گا اور معاً اس کے بعد دوسرا فتنہ آئے گا، اگر قلب ہر فتنہ سے متاثر ہوتا گیا، اور اس میں ملوث ہوتا رہا

تو وہ سیاہ ہوتا رہے گا، اور نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ بالکل کالا ہوکر رہ جائے گا، جیسے راکھ میں اٹا ہوا ہو اور اوندھے پیالے کی طرح ہو جائے گا کہ اس میں نہ علم ٹھہرے گا، نہ معرفت۔ خیر کی ہر بات اس سے باہر ٹپک جائے گی، پھر نہ اسے نیکی اور خیر کی کوئی پہچان ہوگی، نہ اس سے مانوس ہوگا، اور نہ برائی سے اسے کوئی وحشت اور تنفر باقی رہے گا، یعنی بھلائی سے دور اور برائی میں ڈوبا ہوا ہوگا، وہ بس اسی بات کو قبول کرے گا، جو اس کی خواہش نفس کے مطابق ہو۔

اور اگر قلب ایسا ہے کہ اس نے ان فتنوں کو رد کر دیا، ان سے نہ متاثر ہوا، اور نہ ان میں ملوث ہوا، بلکہ علم ومعرفت کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اطاعت الٰہی میں سرگرم رہا، تو وہ قلب ایسا ہوگا، جیسے سنگ مرمر جو چکنا بھی ہوتا ہے، اور سفید بھی کہ اس پر کوئی گندگی اثر نہیں کرتی، اسی طرح یہ دل صاف اور روشن ہوتا ہے، اور پتھر کی طرح مضبوط ہوتا ہے، اس پر کوئی فتنہ اثر نہیں کر سکے گا۔

اس حدیث پر غور کریں، اور جن حالات سے مسلمان گزر رہے ہیں، ان پر غور کریں، تو یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں معلوم ہوتی ہے۔ آج ہمارے سامنے واقعی وہی منظر ہے کہ فتنہ موجیں مار رہا ہے، اس پوری کائنات انسانی میں ہر طرف جو چیز بکھری ہوئی پڑی ہے، بلکہ سب پر گھیرا ڈالے ہوئے ہے، وہ فتنہ ہی ہے، گھر گھر بلکہ ہر ہر فرد کو یہ فتنہ عام ہے، ایک فتنہ تھمتا نہیں کہ دوسرا فتنہ سامنے آجاتا ہے، یہ فتنے باہر سے اٹھتے ہیں اور دلوں کے اندر جذب ہوتے ہیں، اور دل کے اندر سے اٹھتے ہیں اور باہر پھیلتے جاتے ہیں۔

فتنوں کے عموم وشیوع کا یہ حال ہے کہ ایک بات کہیں سے اٹھتی ہے، اور ذرائع ابلاغ کی قوت ووسعت اس کو چند لمحوں میں ساری دنیا میں پہنچا دیتی ہے، اور جگہ جگہ فتنے کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، مثلاً:

ڈیڑھ دو سال پہلے امریکہ کی ایک بلند وبالا عمارت پر حملہ ہوا، کس نے حملہ کیا، اس بات کی آج تک تحقیق نہ ہوسکی، ادھر یہ حملہ ہو رہا ہے، عمارت تباہ ہو رہی ہے، اور ساری دنیا کو یہ بات معلوم ہوگئی، سب تھرا گئے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے؟ سب کی ٹکٹکی ادھر ہی لگ گئی، اور نزلہ گرا ایک غریب، اور بے کس ملک پر، کیونکہ وہ مسلمان تھا، اور مسلمان رہنا چاہتا تھا، مہینوں ساری دنیا کی نگاہیں اسی پر لگی رہیں، قلوب الٹتے پلٹتے رہے، لوگ شور مچاتے رہے کہ غلط ہو رہا ہے، مگر سمندر بن کر جو فتنہ موج مار رہا ہو، وہاں کوئی آواز کب سنائی دے سکتی ہے؟ اس فتنہ کا اثر ساری دنیا پر پڑا، کتنے لوگوں کے ایمان

ڈگمگائے، خدا ورسول پر جنکو یقین تھا، وہ شک میں مبتلا ہونے لگے، مایوسی و شکستگی کی بدلیاں فضائے قلوب پر چھا گئیں، لوگ ایسا محسوس کرنے لگے کہ افغانستان اور طالبان نہیں، خود اسلام ختم ہوجائے گا، یہ فتنہ تھمتا تو کیا؟ فتنہ پرور ہی ذرا تھک گیا، تو دوسرے چند مما لک کو دھمکیاں دے کر ہراساں کرنے لگا، اور اپنے سدھائے ہوئے کتے اسرائیل کی پیٹھ ٹھونک دی، اس نے فلسطینیوں پر ہلہ بول دیا، اور ظلم ودرندگی کی وہ خونچکاں داستان مرتب کی کہ اگلے پچھلے سب ظالم شرما جائیں۔

اُدھر یہ سب ہو ہی رہا تھا کہ ہندوستان میں بابری مسجد کو عنوان بنا کر گودھرا میں فتنہ کی ایک چنگاری پھینکی گئی، اور وہ آن واحد میں شعلہ بن کر احمد آباد اور اس کے مضافات میں مسلم آبادیوں کو تہس نہس کرگئی۔ اللہ جانے اس کی چنگاریاں کہاں کہاں اڑ کر پہنچی ہیں، ان مسلسل فتنوں کی وجہ سے قلوب کی حالت بگڑ گئی ہے، ظلم وستم کی ہر چیرہ دستی کے بعد یہ گمان ہوتا ہے کہ اب قلوب اللہ کی طرف پلٹیں گے، اب لوگ اللہ کو راضی کرنے کی تگ ودو کریں گے، مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ معاملہ برعکس ہورہا ہے، قلوب میں اللہ سے بغاوت کا جذبہ کچھ اور بڑھ جاتا ہے، برائیوں کی طرف جھکاؤ زیادہ ہوجاتا ہے، اصلاحِ حال کے بجائے خرابی کی صورت پھیل جاتی ہے، ایک فتنہ باہر موج ماررہا ہے اور ایک فتنہ قلوب میں گھسا ہوا ہے، قلوب کا فتنہ یہ ہے کہ اس میں خیر کی صلاحیت نہ رہے، اگر اس کے سامنے کوئی خیر کی بات لائی بھی جاتی ہے، تو شر وفساد کی شکل اختیار کرلیتی ہے، اس قلب کی مثال الٹے پیالہ جیسی ہوجاتی ہے، جس میں کوئی خیر کی بات نہ ٹھہرتی ہے اور نہ جمتی، بس اس کی خواہش نفس کی وجہ سے جو چیز چمٹ جاتی ہے، وہی رہتی ہے اور اس کے مناسب کوئی چیز مل جاتی ہے، تو وہ بھی چمٹ جاتی ہے۔

یہ دونوں طرح کے فتنے اس دور میں موجیں ماررہے ہیں، معاشرہ بھی فاسد ہے، اور قلوب بھی فاسد ہیں، قلب کا صلاح یہ ہے کہ وہ ان فتنوں کو رد کردے، ان کا کوئی اثر قبول نہ کرے، وہ سنگ مرمر کی طرح سخت مضبوط اور چکنا ہوجائے کہ برائیاں اس سے ٹکرائیں تو، مگرا چٹ کر ناکام واپس ہو جائیں، قلب میں اگر اتنی صلاحیت پیدا ہوجائے، تو اسے کوئی فتنہ ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

ایسے قلوب ہر زمانے میں کم رہے ہیں، اور ہمارے دور میں تو بہت کم ہیں، لیکن اللہ کی زمین خالی نہیں ہے، اچھے لوگ اور اچھے قلوب مل جاتے ہیں، گو مشکل سے ملتے ہیں اور کم ملتے ہیں، یہ قلوب فتنوں سے محفوظ رہتے ہیں، اور فتنوں سے پناہ انھیں حضرات کے زیر سایہ مل سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: بَدَأَ الإسلامُ غریباً و سَیعودُ کما بَدَأَ غَریباً فَطُوبیٰ لِلْغُرَباءِ (مسلم شریف)

اسلام کا جب آغاز ہوا تھا تو یہ لوگوں کے درمیان اجنبی تھا، یعنی لوگوں کا ماحول و معاشرہ، ان کے احوال وکوائف بالکل جداگانہ تھے، اسی ماحول میں چند لوگوں نے اسلام قبول کیا، اس کے احکام وتعلیمات کو اپنی زندگی کا شعار بنایا، تو یہ لوگ سارے ماحول سے کٹے ہوئے اجنبی سے محسوس ہوئے، وہ خود اپنے کو اس ماحول میں اجنبی سمجھ رہے تھے، اور دنیا والے بھی انھیں اجنبیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، پھر آہستہ آہستہ اسلام کا حلقہ وسیع ہوتا گیا، لوگوں میں اس کا تعارف بڑھتا گیا، یہاں تک کہ لوگ مانوس ہوگئے، اجنبیت دور ہوگئی، اب یہ ایک معروف و مسلم حقیقت بن کر لوگوں کی نگاہوں اور دلوں میں جاگزیں ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ مذہب دوبارہ اجنبی بن جائے گا۔ اسلام کے خلاف ایک ایسا ماحول برپا اور ایک ایسی تہذیب مسلط ہو جائے گی کہ اس ماحول میں اسلام پر عمل کرنے والا محض اجنبی بن کر رہ جائے گا۔ اب یہاں اہل اسلام کے سامنے دو راہیں ہیں، ایک یہ کہ اپنی اجنبیت سے گھبرا کر، اس سے وحشت زدہ ہو کر اپنی مخصوص شناخت اور اپنی خاص وضع کو خیر باد کہہ کر عام ماحول و معاشرہ میں گھل مل جائیں، اسلام کے آثار و اعمال کو اپنے اوپر سے کھرچ کر پھینک دیں، تاکہ دیکھنے والا، برتنے والا جان ہی نہ سکے کہ یہ بھی مسلمان ہیں۔

دوسری راہ یہ ہے کہ اسلام کے تقاضوں پر، اس کی تعلیمات پر، اس کی شناخت اور وضع پر باصرار ڈٹ جائیں، اور اس سلسلے میں کسی دباؤ کی پرواہ نہ کریں، دنیا مخالف سمت دوڑ رہی ہے، مگر یہ اپنی سمت جارہے ہیں، دیکھنے والے دیوانہ اور سنکی کہہ رہے ہیں، ساری خلقت تو اُدھر جارہی ہے، تم ادھر کہاں جارہے ہو؟ یہ طعنے سنتے رہیں، تحمل کرتے رہیں، الجھنے سے گریز کرتے رہیں، مگر اپنی راہ پر لگے رہیں۔

اس آخری دور میں، اور اجنبیت کے اس ماحول میں یہ دو راہیں ہیں۔ پہلی راہ دنیاوی اعتبار سے آسان ہے، اس راہ میں آدمی خود کو چلتی بھیڑ میں گم کر دیتا ہے، اور دنیا کے اعتبار سے اس بھیڑ کو جو فوائد حاصل ہوتے ہیں، اس میں یہ بھی حصہ دار بنتا ہے، اس میں بظاہر دنیا کا فائدہ ہے، زندگی کی سہولت ہے، جہاں جائے گا، کہیں اجنبیت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا، لیکن اس سہولت کے لیے، اس کو ایک بہت بڑی قربانی دینی پڑتی ہے، اور وہ بھی ناروا، وہ قربانی آخرت کی قربانی ہوتی ہے، جس طریق پر اسلام نے چلنے کی تلقین کی ہے، جب اسے چھوڑا تو آخرت کی راہ چھوڑی، جنت کی راہ چھوڑی،، ایمان میں اضمحلال پیدا ہوا، عبادات میں زوال آیا، طاعات سے برکنار ہوا، کفر والحاد کی

موجودہ طوفانی ہوا میں بھی خطرناک راہ اختیار کرنے والے زیادہ ہیں، دنیا مقصود و معبود بنی ہوئی ہے، اس راہ میں آخرت کی تباہی تو ہے ہی، مسلمانوں کی دنیا بھی کچھ زیادہ بامراد نظر نہیں آتی، کیونکہ جب کہیں سود و زیاں کا معاملہ پڑتا ہے، تو کفر کی طاقتیں، انھیں مسلمان کہہ کر، ان کے ساتھ وہی معاملہ کرتی ہیں، جو مسلمانوں کے حق میں ان کے منصوبے میں داخل ہوتا ہے، متعدد فسادات میں کمزور ایمان والوں نے اپنی شناخت چھوڑی، کفر کی شناخت اختیار کی، مگر نتیجہ وہی رہا کہ سب کے ساتھ وہ بھی ہلاک کردیے گئے، دنیا بھی گئی، آخرت بھی گئی!! ﴿خَسِرَ الدُّنیا و الآخِرَۃَ و ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرانُ الْمُبِیْنُ﴾

دوسری راہ دنیاوی اعتبار سے بہت مشکل ہے، لوگوں کے طنز وطعن ہیں، کوئی ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا، اپنے گھر میں بھی آدمی اجنبی بن جاتا ہے، وہ حال ہوجاتا ہے کہ بات کرے تو کوئی سننے کو تیار نہ ہو، رشتہ چاہے تو کوئی رشتہ کرنے پر آمادہ نہ ہو، دین پر عمل کرنے کا جذبہ، اسے اس کے ماحول سے کاٹ کر رکھ دیتا ہے، اس سے سب خفا ہوتے ہیں، اور وہ سب سے علیحدہ ہوجاتا ہے، یہ حالت انسان کے لیے بہت سنگین ہوتی ہے، بڑے مضبوط ارادے اور بلند حوصلہ کا مالک ہوتا ہے وہ آدمی، جو ان سب مشکلات کو برداشت کر کے خالص ایمان واسلام پر باقی رہے، یہ شخص ایسا ہے، جیسے ہاتھ پر انگارہ رکھے ہوئے ہو:

ہم حوادث میں رہے کوہ و بیاباں کی طرح
اور ہوں گے ترے سانچے میں جو ڈھل جاتے ہیں

مگر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انھیں افراد کی وجہ سے دین کا تحفظ ہوتا ہے، فتنے رفع ہوتے ہیں، اور آخرت میں تو ان کا وہ عالم ہوگا کہ سو سو شہیدوں کا ثواب حاصل کریں گے، اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضا انھیں حاصل ہوگی، مولانا محمد علی جوہرؒ نے بہت خوب کہا ہے کہ:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

فتنوں کے اس دور میں ایسے ہی قلوب کامیاب ہیں، انھیں تلاش کرکے ان کی پناہ میں رہنا چاہئے۔ (حدیثِ دردِ دل، ص:۱۱۲)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قربانی تاریخ، فضائل اور مسائل

مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی۔ ریاض

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن.

قربانی کی تاریخ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کوخواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے بیٹے (اسماعیل علیہ السلام) کو ذبح کررہے ہیں۔ نبی کا خواب سچا ہوا کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کے لئے باپ نے بیٹے کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہیں ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تو فرمانبردار بیٹے اسماعیل علیہ السلام کا جواب تھا: يَآ اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِى اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِيْنَ (سورۃ الصّٰفّٰت ۱۰۲) ابا جان! جو کچھ آپ کو حکم دیا جارہا ہے، اسے کرڈالئے۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ بیٹے کے اس جواب کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جب مکہ مکرمہ سے ذبح کرنے کے لئے لے کر چلے تو شیطان نے منیٰ میں تین جگہوں پر انہیں بہکانے کی کوشش کی، جس پر انہوں نے سات سات کنکریاں اس کو ماریں جس کی وجہ سے وہ زمین میں دھنس گیا۔ آخر کار رضاء الٰہی کی خاطر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل کے ٹکڑے کو منہ کے بل زمین پر لٹادیا، چھری تیز کی، آنکھوں پر پٹی باندھی اور اُس وقت تک چھری اپنے بیٹے کے گلے پر چلاتے رہے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ صدا نہ آگئی۔ وَنَادَيْنَاهُ اَنْ يَّا اِبْرَاهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ (سورۃ الصّٰفّٰت ۱۰۴۔۱۰۵) اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا، ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے ایک مینڈھا بھیج دیا گیا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کردیا۔ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (سورۃ الصّٰفّٰت ۱۰۷) اس واقعہ کے بعد سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جانوروں کی قربانی کرنا خاص عبادت میں شمار ہوگیا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی امت کے لئے بھی ہر

سال قربانی نہ صرف مشروع کی گئی، بلکہ اس کو اسلامی شعار بنایا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع میں حضور اکرم ﷺ کے طریقہ پر جانوروں کی قربانی کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا ان شاء اللہ۔

قربانی کا حکم: تمام فقہاء وعلماء کرام قرآن وسنت کی روشنی میں قربانی کے اسلامی شعار ہونے اور ہر سال قربانی کا خاص اہتمام کرنے پر متفق ہیں، البتہ قربانی کو واجب یا سنت مؤکدہ کا Title دینے میں زمانۂ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ہر صاحب حیثیت پر اس کے وجوب کا فیصلہ فرمایا ہے۔ حضرت امام مالکؒ بھی قربانی کے وجوب کے قائل ہیں، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ایک قول بھی قربانی کے وجوب کا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی قربانی کے واجب ہونے کے قول کو ہی راجح قرار دیا ہے۔ البتہ فقہاء وعلماء کی دوسری جماعت نے بعض دلائل کی روشنی میں قربانی کے سنت مؤکدہ ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے، لیکن عملی اعتبار سے امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ قربانی کا اہتمام کرنا چاہئے اور وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنا غلط ہے خواہ اس کو جو بھی Title دیا جائے۔ "جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل" میں امام احمد بن حنبلؒ کا موقف تحریر ہے کہ اگر کسی شہر کے سارے لوگ قربانی ترک کردیں تو ان سے قتال کیا جائے گا کیونکہ قربانی اسلامی شعار ہے۔۔۔۔ صحابہ وتابعین عظام سے استفادہ کرنے والے حضرت امام ابوحنیفہؒ (۸۰ھ۔۱۵۰ھ) کی قربانی کے وجوب کی رائے احتیاط پر مبنی ہے۔

قربانی کے وجوب کے دلائل: قرآن وسنت میں قربانی کے واجب ہونے کے متعدد دلائل ہیں، یہاں اختصار کی وجہ سے چند دلائل ذکر کئے جارہے ہیں۔

۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ (سورۃ الکوثر ۲) نماز پڑھئے اپنے رب کے لئے اور قربانی کیجئے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کرنے کا حکم (امر) دیا ہے، عربی زبان میں امر کا صیغہ عموماً وجوب کے لئے ہوا کرتا ہے۔ وَانْحَرْ کے متعدد مفہوم مراد لئے گئے ہیں مگر سب سے زیادہ راجح قول قربانی کرنے کا ہی ہے۔ اردو زبان میں تحریر کردہ تراجم وتفاسیر میں قربانی کی ہی معنی تحریر کئے گئے ہیں۔ جس طرح فَصَلِّ لِرَبِّکَ سے نماز عید کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح وَانْحَرْ سے قربانی کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (اعلاء السنن)

۲) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ کَانَ لَہ سَعَۃٌ وَلَمْ یُضَحِّ فَلا یَقْرُبَنَّ مُصَلَّانَا ۔۔ جس شخص میں قربانی کرنے کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو

(ایسا شخص) ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔ (مسند احمد ۲/۳۲۱، ابن ماجہ۔ باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا ؛ حاکم ۲/۳۸۹) عصر قدیم سے عصر حاضر کے جمہور محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے قربانی کی وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے پر سخت وعید کا اعلان کیا ہے اور اس طرح کی وعید عموماً ترک واجب پر ہی ہوتی ہے۔

۳) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنَ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلاةِ فَلْيَذْبَحْ شَاة مَكَانَهَا، وَمَنْ كَانَ لَمْ يَـذْبَـحْ حَتَّى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اِسْمِ اللّٰهِ.. جس شخص نے نماز عید سے قبل قربانی کر لی تو اسے اس کی جگہ دوسری قربانی کرنی ہوگی۔قربانی نماز عید الاضحیٰ کے بعد بسم اللہ پڑھ کر کرنی چاہئے۔ (بخاری. كتاب الاضاحی. باب من ذبح قبل الصلاة اعاد، مسلم. كتاب الاضاحی. باب وقتها) اگر قربانی واجب نہیں ہوتی تو حضور اکرم ﷺ نماز عید الاضحیٰ سے قبل قربانی کرنے کی صورت میں دوسری قربانی کرنے کا حکم نہیں دیتے، باوجودیکہ اُس زمانہ میں عام حضرات کے پاس مال کی فراوانی نہیں تھی۔

۴) نبی اکرم ﷺ نے عرفات کے میدان میں کھڑے ہوکر فرمایا: يَا اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ عَلَى اَهْلِ كُلِّ بَيْتٍ اُضْحِيَةً فِيْ كُلِّ عَامٍ۔۔۔ اے لوگو! ہر سال ہر گھر والے پر قربانی کرنا ضروری ہے۔ (مسند احمد: ۲۱۵/۴، ابوداؤد۔باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی/ترمذی: باب الاضاحی واجبۃ ہی ام لا)

۵) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور اس عرصۂ قیام میں آپ مسلسل قربانی فرماتے تھے۔ (ترمذی ۱/۱۸۲) مدینہ منورہ کے قیام کے دوران رسول اللہ ﷺ سے ایک سال بھی قربانی نہ کرنے کا کوئی ثبوت احادیث میں نہیں ملتا، اس کے برخلاف احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران آپ ﷺ نے ہر سال قربانی کی، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں وارد ہے۔

۶) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے۔ (محلیٰ بالآثار ج ۶ ص ۳۷، کتاب الاضاحی) معلوم ہوا کہ مقیم پر قربانی واجب ہے۔

قرآنِ کریم میں قربانی کا ذکر:

☆ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (سورۃ الکوثر ۲) نماز پڑھیے اپنے رب کے لئے اور قربانی کیجئے۔

☆ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكاً لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ

(سورۃ الحج ۳۴) قربانی کا حکم جو اس امت کے لوگوں کو دیا گیا ہے کوئی نیا حکم نہیں، پہلی امتوں کے بھی ذمہ قربانی کی عبادت لگائی گئی تھی۔۔۔ ہر امت کے لئے ہم نے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے تا کہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔۔۔نسک کے مختلف معنی ہیں، مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے اس سے مراد قربانی لی ہے۔

☆ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ (سورۃ الحج ۶۲) ہم نے ہر امت کے لئے ذبح کرنے کا طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ اس طریقہ پر ذبح کیا کرتے تھے۔

☆ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (سورۃ الانعام ۱۶۲) آپ فرما دیجئے کہ یقیناً میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا و مرنا سب خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے۔

☆ لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ (سورۃ الحج ۳۷) اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ اُن کے خون بلکہ اسے تمہارے دل کی پرہیز گاری پہنچتی ہے۔

﴿وضاحت﴾: قربانی میں اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو قربانی کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا ہے بلکہ جتنے اخلاص اور اللہ سے محبت کے ساتھ قربانی کی جائے گی اتنا ہی اجر وثواب اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرمائے گا اور یہ اصول صرف قربانی کے لئے نہیں بلکہ نماز، روزہ، زکاۃ، حج یعنی ہر عمل کے لئے ہے لہذا ہمیں ریا، شہرت، دکھاوے سے بچ کر خلوص کے ساتھ اللہ کی رضا کیلئے اعمال صالحہ کرنے چاہئیں۔

﴿وضاحت﴾: ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہر زمانے اور ہر امت میں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جانوروں کی قربانی مشروع رہی ہے، اور یہ ایک اہم عبادت ہے اس کی مشروعیت، تاکید، اہمیت اور اس کے اسلامی شعار ہونے پر عصر حاضر کے بھی تمام مکاتب فکر متفق ہیں۔

قربانی کرنے کی فضیلت:

☆ ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کرنے والا اپنے جانور کے بالوں، سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا۔ (اور یہ چیزیں اجر وثواب کا سبب بنیں گی)۔ نیز فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے

نزدیک شرفِ قبولیت حاصل کرلیتا ہے، لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (ترمذی ۱/۱۸۰،،،، ابن ماجہ)

☆ حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ یہ قربانی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہمارے لئے اس میں کیا اجر وثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر بال کے بدلے میں نیکی ملے گی۔ (ابن ماجہ، ترمذی، مسند احمد/ الترغیب والترھیب)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں قربانی کرنے کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو (ایسا شخص) ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔ (مسند احمد ۲/۳۲۱، ابن ماجہ۔ باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا؟ حاکم ۲/۳۸۹)

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور اس عرصۂ قیام میں آپ مسلسل قربانی فرماتے تھے۔ (ترمذی ۱/۱۸۲)

☆ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے فاطمہ! جاؤ۔ اپنی قربانی پر حاضری دو، کیونکہ اس کے خون سے جونہی پہلا قطرہ گرے گا تمہارے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ نیز وہ جانور (قیامت کے دن) اپنے خون اور گوشت کے ساتھ لایا جائے گا۔ اور پھر اسے ستر گنا (بھاری کرکے) تمہارے میزان میں رکھا جائے گا۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا یہ (فضیلت) آل محمد ﷺ کے ساتھ خاص ہے یا آل محمد ﷺ اور تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ فضیلت آل محمد کے لئے تو بطور خاص ہے اور تمام مسلمانوں کے لئے بھی عام ہے۔ (یعنی ہر مسلمان کو بھی قربانی کرنے کے بعد یہ فضیلت حاصل ہوگی) (الترغیب والترہیب)

﴿وضاحت﴾: قربانی کے فضائل میں متعدد احادیث کتب احادیث میں مذکور ہیں، بعض احادیث کی سند میں ضعف بھی ہے مگر قربانی کا حکم قرآن کریم واحادیث صحیحہ سے ثابت ہے، جس پر پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے، لہٰذا اصول حدیث کے مطابق فضائل قربانی میں احادیث ضعیفہ معتبر ہوں گی۔

ان مبارک ایام میں خون بہانے کی فضیلت: حضور اکرم ﷺ بذات خود نماز عید الاضحیٰ سے فراغت کے بعد قربانی فرماتے تھے، نبی اکرم ﷺ کی قربانی کرنے کا ذکر حدیث کی ہر مشہور ومعروف کتاب میں ہے۔ آپ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے گھر والوں اور

امت مسلمہ کے ان احباب کی طرف سے بھی قربانی کرتے تھے جو قربانی نہیں کر سکتے تھے۔ (بخاری ومسلم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، مسند احمد وغیرہ) حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر انہیں قربانی کے ایام میں ۱۰۰ اونٹوں کی قربانی دی، ان میں سے ۶۳ اونٹ نبی اکرم ﷺ نے بذاتِ خود نحر (ذبح) کئے اور باقی ۳۷ اونٹ حضرت علیؓ نے نحر (ذبح) کئے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے عید الاضحیٰ کے دن سینگوں والے، دھبے دار خصی دو مینڈھے ذبح کئے۔ (ابوداود۔ باب مایستحب من الضحایا) غرضیکہ ان ایام میں خون بہانا ایک اہم عبادت ہے۔

قربانی نہ کرنے پر وعید: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ لَه سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا ۔۔ جس شخص میں قربانی کرنے کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو (ایسا شخص) ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔ (مسند احمد ۳۲۱/۲، ابن ماجہ۔ باب الاضاحی واجبہ ھی ام لا؟ حاکم ۳۸۹/۲) عصر قدیم سے عصر حاضر کے جمہور محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

قربانی کا وقت: قربانی کا وقت نماز عید الاضحیٰ سے شروع ہوتا ہے اور ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ نماز عید الاضحیٰ سے قبل قربانی کی صورت میں رسول اللہ ﷺ نے دوسری قربانی کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ حدیث میں گزرا، اس سے قربانی کا ابتدائی وقت معلوم ہوا۔ قربانی کے آخری وقت کی تحدید میں فقہاء وعلماء کے درمیان زمانۂ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ (ایک روایت) نے ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک تحریر کیا ہے جبکہ بعض علماء نے ۱۳ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک وقت تحریر کیا ہے۔ پہلا قول احتیاط پر مبنی ہونے کے ساتھ دلائل کے اعتبار سے بھی قوی ہے کیونکہ کسی بھی حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ یا کسی صحابی نے ۱۳ ذی الحجہ کو قربانی کی ہو، البتہ بعض احادیث وآثار کے مفہوم سے دوسرے قول کی تائید ضروری ہوتی ہے مگر اُن احادیث وآثار کے دوسرے معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں مثلاً رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا: كل فجاج مكه منحر وكل ايام التشريق ذبح (طبرانی وبیہقی)۔ اولاً اس حدیث کی سند میں ضعف ہے، احادیث ضعیفہ فضائل کے حق میں تو معتبر ہیں، لیکن ان سے حکم ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ثانیاً بعض کتب حدیث میں یہ حدیث "وکل ایام التشریق ذبح" کے الفاظ کے بغیر مروی ہے۔

قربانی کا وقت ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ہے، اس کے چند دلائل پیش ہیں۔

☆ نبی اکرم ﷺ نے ابتدائی سالوں میں صحابۂ کرام کے اقتصادی حالات کے پیش نظر قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے منع فرمادیا تھا، بعد میں اس کی اجازت دے دی گئی۔ اگر چوتھے دن قربانی کی جاسکتی ہے تو پھر تین دن سے زیادہ قربانی کا ذخیرہ کرنے سے منع کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ (کتب حدیث میں یہ حدیثیں موجود ہیں)

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایام معلومات' یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) اور اسکے بعد دو دن (۱۱ و ۱۲ ذی الحجہ) ہیں۔ (احکام القرآن للجصاص . باب الایام المعلومات / تفسیر ابن ابی حاتم رازی ج ٦ ص ٢٦١)

☆ مشہور ومعروف تابعی حضرت قتادہؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الذِّبْحُ بَعْدَ النَّحرِ يَوْمَان ۔ قربانی دسویں ذی الحجہ کے بعد صرف دو دن ہے۔ (سنن کبری للبیھقی . باب من قال الاضحی یوم النحر) حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت انسؓ کے علاوہ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرۃؓ، حضرت سعید بن الجبیرؒ اور سعید بن المسیبؒ کے اقوال بھی کتب حدیث میں مذکور ہیں جسمیں وضاحت کے ساتھ تحریر ہے کہ قربانی صرف تین دن ہے۔

﴿وضاحت﴾: امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز عیدالاضحیٰ سے فراغت کے بعد فوری طور پر قربانی کرنا سب سے زیادہ بہتر ہے، بلکہ کچھ کھائے بغیر نماز عیدالاضحیٰ کے لئے جانا اور سب سے پہلے قربانی کا گوشت کھانا عیدالاضحیٰ کی سنن میں سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کا یہی معمول تھا۔ اس وجہ سے ہمیں پہلے ہی دن قربانی کرنی چاہئے، اگر کسی وجہ سے پہلے دن قربانی نہ کرسکتے یا چند قربانیاں کرنی ہیں تو ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ضرور فارغ ہوجانا چاہئے کیونکہ جن بعض علماء نے ۱۳ / ذی الحجہ کو قربانی کی اجازت دی ہے انہوں نے بھی یہی تحریر کیا ہے کہ ۱۲ / ذی الحجہ سے قبل ہی بلکہ ۱۰ / ذی الحجہ کو ہی قربانی کرلینی چاہئے۔

قربانی کے جانور کی عمر: بکرا، بکری، بھیڑ ایک سال کی ہو، بھیڑ اور دنبہ جو ہو تو چھ ماہ کا لیکن دیکھنے میں ایک سال کا معلوم ہو اور گائے، بھینس دو سال کی اور اونٹ پانچ سال کا ہو ان سب جانوروں پر قربانی کرنا جائز ہے۔

قربانی کے جانور میں شرکاء کی تعداد: حضرت عبداللہ بن

عمرؓ نے فرمایا کہ قربانی میں بکرا (بکری، مینڈھا، دنبہ) ایک شخص کی طرف سے ہے۔ (اعلاء السنن۔ باب ان البدنہ عن سبعۃ) حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کا احرام باندھکر نکلے اور آپ ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات (آدمی) شریک ہوجائیں۔ (مسلم۔ باب جواز الاشتراک) حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ کے سال قربانی کی، اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے ۔ (مسلم۔ باب جواز الاشتراک فی الہدی)

قربانی کے جانور کا عیوب سے پاک ہونا: عیب دار جانور (جس کے ایک یا دو سینگ جڑ سے اکھڑ گئے ہوں، اندھا جانور، ایسا کانا جانور جس کا کانا پن واضح ہو، اس قدر لنگڑا جو چل کر قربان گاہ تک نہ پہنچ سکتا ہو، ایسا بیمار جس کی بیماری بالکل ظاہر ہو، وغیرہ وغیرہ) کی قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

بھینس کی قربانی کا حکم: جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ گائے واونٹ کی طرح بھینس پر بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔ گائے واونٹ کی طرح بھینس کی قربانی میں بھی سات حضرات شریک ہوسکتے ہیں۔

خود قربانی کرنا افضل ہے: نبی اکرم ﷺ اپنی قربانی خود کیا کرتے تھے، اس وجہ سے قربانی کرنے والے کا خود ذبح کرنا یا کم از کم قربانی میں ساتھ لگنا بہتر ہے، جیسا کہ حدیث میں گزرا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو قربانی پر حاضر رہنے کو فرمایا۔

قربانی کا گوشت: قربانی کے گوشت کو آپ خود بھی کھاسکتے ہیں، رشتہ داروں کو بھی کھلا سکتے ہیں اور غرباء ومساکین کو بھی دے سکتے ہیں۔ علماء کرام نے بعض آثار کی وجہ سے تحریر کیا ہے کہ اگر گوشت کے تین حصے کرلئے جائیں تو بہتر ہے۔ ایک حصہ اپنے لئے، دوسرا حصہ رشتہ داروں کے لئے اور تیسرا حصہ غرباء ومساکین کے لئے، لیکن اس طرح تین حصے کرنے ضروری نہیں ہیں۔

میت کی جانب سے قربانی: جمہور علماء امت نے تحریر کیا ہے کہ میت کی جانب سے بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ اپنی طرف سے قربانی کرنے کے علاوہ امت کے افراد کی طرف سے بھی قربانی کیا کرتے تھے، اس قربانی کو آپ ﷺ زندہ افراد کے لئے خاص نہیں کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ نے دو قربانیاں کی اور فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ

نے مجھے قربانی کرنے کی وصیت فرمائی تھی اور اسی لئے میں آپ ﷺ کی طرف سے بھی قربانی کرتا ہوں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

قربانی کرنے والے کے لئے مستحب عمل: ☆ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوجائے، اور تم میں سے جو قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ (مسلم) اس حدیث اور دیگر احادیث کی روشنی میں' قربانی کرنے والوں کے لئے مستحب ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک جسم کے کسی حصے کے بال اور ناخن نہ کاٹیں۔

ایک شبہ کا ازالہ: مغربی تہذیب سے متاثر ہوکر بعض حضرات نے ایک نیا فتنہ شروع کردیا ہے کہ جانوروں کے خون بہانے کے بجائے صدقہ وخیرات کرکے لوگوں کی مدد کی جائے۔ اسمیں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اسلام نے زکوۃ کے علاوہ صدقہ وخیرات کے ذریعہ غریبوں کی مدد کی بہت ترغیب دی ہے مگر قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عظیم الشان کارنامہ کی یادگار ہے جس میں انہوں نے اپنے لخت جگر کو ذبح کرنے کے لئے لٹادیا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بلا چوں وچرا حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرکے ذبح ہونے کے لئے اپنی گردن پیش کردی تھی۔ مگر اللہ تعالی نے اپنا فضل فرما کر جنت سے دنبہ بھیج دیا، اِس عظیم الشان کارنامہ پر عمل قربانی کرکے ہی ہوسکتا ہے محض صدقہ وخیرات سے اِس عمل کی یاد تازہ نہیں ہوسکتی۔ نیز ۱۴۰۰ سال قبل نبی اکرم ﷺ نے اس امر کو واضح کردیا:

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عید کے دن قربانی کا جانور (خریدنے) کے لئے پیسے خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے یہاں اور چیزوں میں خرچ کرنے سے زیادہ افضل ہے۔ (طبرانی، دارقطنی)

قربانی کا مقصد محض غریبوں کی مدد کرنا نہیں ہے جو صدقہ وخیرات سے پورا ہوجائے بلکہ قربانی میں مقصود جانور کا خون بہانا ہے، یہ عبادت اسی خاص طریقہ سے ادا ہوگی، محض صدقہ وخیرات کرنے سے یہ عبادت ادا نہ ہوگی۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں غربت دور حاضر کی نسبت بہت زیادہ تھی، اگر جانور ذبح کرنا مستقل عبادت نہ ہوتی تو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ جانور ذبح کرنے کے بجائے غریبوں کی مدد کرتے مگر تاریخ میں ایسا ایک واقعہ بھی نہیں ملتا۔

قربانی سے کیا سبق حاصل کریں؟

(۱) جانور کی قربانی کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عظیم الشان عمل کو یاد کریں کہ دونوں اللہ کے حکم پر سب سے محبوب چیز کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو گئے، لہذا ہم بھی احکام الٰہی پر عمل کرنے کے لئے اپنی جان و مال و وقت کی قربانی دیں۔

(۲) قربانی کی اصل روح یہ ہے کہ مسلمان اللہ کی محبت میں اپنی تمام نفسانی خواہشات کو قربان کر دے۔ لہذا ہمیں من چاہی زندگی چھوڑ کر رب چاہی زندگی گزارنی چاہئے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں صرف یہی ایک عظیم واقعہ نہیں بلکہ انہوں نے پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں

گزاری، جو حکم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملا فوراً اس پر عمل کیا۔ جان، مال، ماں باپ، وطن اور لخت جگر غرض سب کچھ اللہ کی رضا میں قربان کر دیا، ہمیں بھی اپنے اندر یہی جذبہ پیدا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا جو حکم بھی سامنے آئے اس پر ہم خوش و خرم عمل کریں۔

☆☆☆☆☆

صبح و شام کو پڑھی جانے والی دعائیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ ہمیشہ صبح و شام کو یہ دعائیں پڑھتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف)

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ الْعَافِيَةَ فِيْ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِيْ وَمَالِيْ.

اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِيْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِي.

اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِي وَمِنْ فَوْقِيْ وَأَعُوْذُ بِعَظَمَتِکَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زندگی کے متعلق اسلام کا نظریہ

حضرت مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی خیرآبادی/استاذ مدرسہ تحفیظ القرآن

کسی شاعر نے دنیاوی زندگی کی بہت جامع تعریف کی ہے، شاعر زندگی کی حقیقت کی ترجمانی اپنے بلیغ شعر میں یوں کرتا ہے:

اے شمع! تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گذار یا اسے روکر گذار دے

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک طبعی زندگی عطا کی ہے اور اس کو اختیار دیا ہے کہ خواہ اسے خیر وطاعت میں گذارے یا سرکشی ونافرمانی میں بسر کرے، ایک دن وہ اچھی یا بری زندگی کے اثرات وثمرات ضرور دیکھے گا اور اسی کے اعتبار سے اس کی اصلی اور ابدی زندگی شروع ہوگی۔ ﴿فَمَن يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيراً يَّرَهٗ، ومَن يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَراً يَّرَهٗ﴾ [الزلزال] جو شخص بھی (خواہ مرد ہو یا عورت) ایک ذرہ کے برابر بھلائی کرے گا تو اس کو دیکھے گا اور جو شخص ایک ذرہ کے برابر برائی کرے گا تو اسے دیکھے گا۔

اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور اپنے صحیفوں وکتابوں کے ذریعہ خیر وشر کی راہیں بھی بتلا دی ہیں اور خیر کی زندگی کے اصول وضوابط بھی بتا دیئے ہیں کہ کون سے اعمال خیر رب العالمین کی اطاعت وعبادت کہلائیں گے جن کی بجا آوری دخول جنت اور رضائے رب کا موجب ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ آخرت کو سدھارنے والی زندگی کو برباد کرنے والے کون سے اعمال ہیں اور ان اعمال کی ترغیب دینے والے اللہ کے باغی اور انسان کے کھلے دشمن شیاطین کہلاتے ہیں یہ ابلیس کے کارندے ہیں جو انسان وجنات کی شکل میں سرگرم ہیں؛ لہذا بار بار ان سے بچنے اور چوکنا رہنے کی تاکید فرمائی ہے، کہیں ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [سورۃ یوسف الرقم: ٥] کہیں فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ

﴿كَافَّةً وَّلاتَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [سورة البقرة الرقم:۲۰۸] اے ایمان والو! تم سلامتی (والے دین اسلام) میں پوری طرح داخل ہوجاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی مت کرو، بیشک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

اسلام نے اپنے متبعین کو پوری طرح سے دنیاوی زندگی کے فریب سے اور شیاطین کی راہ پر گامزن ہونے سے بچانے کی کوشش کی ہے؛ اس لیے کہ انسان کی اصل زندگی آخرت میں شروع ہوگی، یہ دنیا محض آخرت کی زندگی کو سنوارنے اور بنانے کے لیے دارالعمل ہے، جس طرح ایک تاجر اور کاروباری انسان اپنی تجارت اور کاروبار کے لیے دوسرے شہروں اور ملکوں کا سفر کرتا ہے تو وہ کسی نہ کسی ہوٹل، سرائے یا مسافر خانے میں عارضی قیام کرتا ہے، وہ ہوٹل فائیو اسٹار ہو، زندگی کی تمام سہولیات سے آراستہ و پیراستہ ہو، مگر قیام کرنے والا یہ جانتا ہے کہ یہ راحتیں، لذتیں اور آسائشیں عارضی ہیں، میرا اصلی ٹھکانا میرا گھر اور میرا وطن ہے، لہذا اس کی عقل اس مزین قیام گاہ کے حسن و جمال میں غرق ہوکر رہ جانے کو قبول نہیں کرتی اور اس کو چھوڑنے پر اس کو کوئی رنج و غم نہیں ہوتا، بس عارضی تفریح تھی، وقتی راحت تھی، گذرنی تھی گذر گئی۔

یہی حال اس دنیا کا ہے، عارضی و وقتی ٹھکانا، تفریح کی جگہ، جہاں کچھ اچھے لمحات گذارے جاتے ہیں ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ﴾ [سورة العنكبوت الرقم: ٦٤] دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل تماشا ہے، اصل گھر تو آخرت والا گھر ہے۔ کتنے نادان اور فریب خوردہ ہیں وہ لوگ جو اس عارضی زندگی کو گذارنے کے لیے عارضی و فانی ٹھکانے کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی رعنائیوں میں گم ہوکر اسی کو بنانے اور سنوارنے میں اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو ختم کر دیتے ہیں، ان کو شب و روز کے گذرنے کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ ایک ایک لمحہ خالق کائنات کی نافرمانی اور جانی دشمن شیطان کی تابع داری میں گذر رہا ہے، پھر اچانک وقت موعود آجاتا ہے اور قبر کا بھیانک و تاریک قید خانہ ان کا مقدر بن جاتا ہے، وہاں جاکر اپنی حرماں نصیبی و بربادی کا علم ہوتا ہے جو بے فائدہ ہے۔ ﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ [سورة التكاثر] مال و دولت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی ہوس نے تم کو (فکر آخرت سے) غافل کر دیا ہے، یہاں تک کہ (اس بے فکری میں) قبر تک پہنچ جاتے ہو، ہرگز نہیں تم بہت جلد جان لوگے، پھر کہتے ہیں تم بہت جلد حقیقت جان لوگے۔

قرآن مجید نے دنیاوی زندگی پر ریجھنے والوں کو جھنجھوڑا ہے، تنبیہ کی ہے کہ آخرت کی فکر کرو، اس عارضی زندگی کو اعمال صالحہ سے سوارت کرلو، ورنہ دنیا میں پڑ کر غارت ہوجاؤ گے۔ ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالآخِرَةُ خَيْرٌ وَّأَبْقَىٰ إِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُوْلَىٰ صُحُفِ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسَىٰ﴾ [سورة الأعلىٰ] بلکہ تم دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت زیادہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے، یہ بات پہلے صحیفوں میں بھی بتائی گئی ہے جیسے ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام پر نازل کردہ صحیفے اور اب قرآن میں یاد دلائی جارہی ہے۔

زندگی کے اصل مقصد اور تخلیق انسانی کی صحیح غرض وغایت کو قرآن وحدیث میں متعدد اسلوب وپیرایہ میں مثالیں دے کر تاکید کے ساتھ بتایا گیا ہے؛ تاکہ ایک مسلمان خواہ کسی بھی حال میں رہے یا کسی بھی عہد وزمانے میں پایا جائے، اس کا ذہن ودماغ اور اس کی عقل وفہم آخرت کی اصلی وابدی زندگی کو بنانے اور سنوارنے میں لگی رہے، وہ دنیا کی لذتوں اور راحتوں سے بھرپور فائدہ اٹھائے، کاروبار دنیا میں مصروف بھی رہے؛ لیکن اس کی فکر آخرت سے متعلق ہو۔

اسلام نے دنیاوی زندگی کو خوش گوار بنانے اور دنیا میں قدرت کے پیدا کردہ وسائل سے مستفید ہونے اور مال ودولت کمانے سے نہ منع کیا ہے اور نہ ہی اس کو برا جانا ہے؛ کیوں کہ متاع دنیا اللہ کا انعام ہے، اس انعام کی قدر کرنا اور طیبات سے لطف اندوز ہونا بھی اللہ کی اطاعت اور اس کے انعام کی قدر کرنا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا ممنوع قرار دیتا تو انھیں پیدا ہی نہیں کرتا، یا خاص اپنے مومن بندوں پر بندش لگاتا تو سب سے پہلے اپنے مقرب ترین بندے رسولوں اور نبیوں پر عائد فرماتا؛ مگر یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ اپنے برگزیدہ رسولوں کو مخاطب فرماتے ہوئے حکم دیتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً﴾ [سورة المؤمنون الرقم: ٥١] اے جماعت مرسلین! جو اچھی اور پاکیزہ چیزیں ہیں انھیں کھاؤ۔ جب انبیاء ورسل کو حکم ہے تو پھر عام لوگوں پر کیسے پابندی ہوسکتی ہے! لہٰذا فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ [سورة البقرة الرقم: ١٧٢]

دنیا کی یہ زندگی نعم الٰہی سے گریز کر کے گذارنا اللہ کو ناپسند ہے، ایک دفعہ کسی مصلحت کے تحت اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے لیے شہد کا استعمال حرام کرلیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے سرزنش کے انداز میں فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ [سورة التحريم] اے نبی! جس

چیز کو اللہ نے آپ کے واسطے حلال کیا ہے اس کو کیوں حرام کر رہے ہیں۔ یہ حکم آنے کے بعد آپ ﷺ نے اپنی قسم توڑی اور کفارۂ یمین ادا کیا اور شہد کا پھر سے استعمال کرنے لگے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر زندگی کا دو دور گذرا ہے، ایک ابتدائی دور آزمائش جس میں کسمپرسی، فاقہ کشی غالب تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دور ابتلا میں بھی اپنی زندگی کو اپنے خالق و مالک کی بندگی و فرماں برداری میں گذار کر دوسروں کے لیے مثال قائم کر دی، تاریخ و سیرت کی کتابوں میں صحابہ کی اس زندگی کے ہزاروں واقعات درج ہیں کہ بھوک کی شدت سے بے ہوش ہو جاتے تھے، غزوۂ خندق میں پیٹ پر پتھر باندھ کر جہاد کیا، درختوں کی چھالوں اور پتوں کو چبا کر اقتصادی ناکہ بندی کے جاں گسل تین سال صبر و استقامت سے گذارے، ہفتوں ہفتوں ان کے گھروں میں چولہے نہیں جلتے تھے، غزوۂ تبوک میں عسرت و تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ خود اللہ تعالیٰ نے غزوۂ عسرت فرمایا، فقر و فاقہ کا یہ دور درحقیقت ان کے ایمان و یقین اور صبر واستقامت کا خدائی امتحان تھا، اس کے بعد جب فتوحات کا دور آیا تو جس شان کی زندگی گذاری ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مسجد نبوی میں سونے، چاندی کے انبار لگے ہوتے تھے مگر آخرت کی تیاری میں ایسا مست تھے کہ ان پر نظر بھی نہیں ڈالتے تھے کہ مبادا دنیا کی محبت نہ پیدا ہو جائے، ایک ایک صحابی کے پاس بڑے بڑے پھل دار باغات، کھیتیاں اور وسیع تجارت تھی، ہزاروں غلام کام کرتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو دولت و ثروت میں مشہور ہی ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تجارت اتنی وسیع و کامیاب تھی کہ ایک ہزار سے زیادہ اس میں غلام لگے تھے، حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا ایک باغ تھا جس میں چھ سو کھجور کے پھل دار درخت تھے، جس کو محض اس بات پر راہِ خدا میں صدقہ کر دیا کہ نماز میں باغ کا تصور تھوڑی دیر کے لیے آ گیا اور اللہ کی طرف سے دھیان بٹ گیا تھا اور ان کی دولت کا یہ حال تھا کہ جب وفات پائی تو کئی ٹن سونا ترکہ میں چھوڑا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی دولت کتنی رہی ہوگی جب کہ چار بیویوں کے حصہ میں ترکہ کا آٹھواں حصہ اسّی اسّی ہزار دینار تھا، اور سونے کے بڑے بڑے لٹھ کو کلہاڑے سے کاٹا گیا تھا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خوش حالی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس کوفہ میں سیکڑوں کمروں کا بڑا سا محل تھا اور مہمانوں کو کھلانے کے لیے روزانہ ایک بکرا ذبح کیا جاتا تھا۔

یہ چند مثالیں اس لیے ہیں کہ پتہ چل جائے کہ اللہ نے دنیا کی نعمت حاصل کرنے اور ان سے مستفید ہونے سے ہرگز نہیں روکا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ناشکری کو ناپسند فرمایا ہے اور کہا ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ [ابراهيم الرقم: ۷] اگر تم ہمارا شکر ادا کروگے تو اور زیادہ دیں گے اور اگر ناشکری کروگے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فقر سے پناہ مانگی ہے جو کفر تک پہنچا دے، آپ ﷺ دعا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ. [صحيح ابن حبان الرقم: ۱۰۲۸] یہاں تک کہ اگر کوئی صحابی اپنا سارا مال راہ خدا میں دینا بھی چاہتا تھا تو منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنی اولاد کو کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ کر جانے کے بجائے خوش حال چھوڑ کر جاؤ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بہت مال دار تھے، ایک دفعہ بیمار ہوئے تو سارا مال صدقہ کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''صرف تہائی مال صدقہ کرو''۔[صحيح البخاري الرقم: ٥٦٦٨]

اس لئے کہ مال زندگی کی ضرورت ہے، ذریعہ معاش ہے، اور فتنہ ایسے مال کو بتایا گیا ہے جو بخل کا باعث ہو اور اللہ کا باغی بنادے، وہ مال جس کا حق ادا کیا جائے اور اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے، وبال نہیں بلکہ رحمت ونعمت ہے اور اللہ کا وہ رزق ہے جس کے بارے میں بتایا ہے کہ متقین وصالحین اس کو اللہ کے لیے خرچ کرتے ہیں، خود بھی کھاتے ہیں اور بندگان خدا کو بھی کھلاتے ہیں۔ ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ [البقرة الرقم:۳] اور ہم نے جو رزق ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

زمانۂ حال میں مال وزر کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، وسائل زندگی کی کثرت و بہتات اور مادہ پرستی کے رجحانات نے مال کی ضرورت کا احساس ہر کس وناکس کو کرادیا ہے جو بے تحاشا حصول زر کی جانب دوڑ رہا ہے، حرص وہوس نے ایسا غلبہ جمالیا ہے کہ حلال وحرام کی تمیز بھی ختم ہوتی جارہی ہے، خاص کر مسلمانوں میں یہ وبا عام ہوگئی ہے کہ دولت آئے چاہے جیسے بھی ہو، کیوں کہ مال ہی خوش گوار زندگی کا ضامن بن چکا ہے اور مال داروں کی نقالی اور پیروی میں سب ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی فکر میں ہیں، جس کے نتیجہ میں رشوت خوری، لوٹ مار، قتل وغارت گری، گھپلہ بازی اور فراڈ جیسے نہ جانے کتنے زاویے بن گئے ہیں اور وعدہ خلافی، بدعہدی، کذب بیانی مال وزر کے حصول کا مؤثر اور کامیاب ذریعہ بن گئے

ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مال کی اس ضرورت کو اپنے بلیغ کلام میں فرمایا ہے، وہ پیشین گوئی ہمارے اس عہد پر پوری طرح صادق آرہی ہے: **لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لاَيَنْفَعُ فِيهِ إِلَّا الدِّيْنَارُ وَالدِّرْهَمُ.** [مشکوۃ الرقم: ۲۷۸٤] لوگوں پر ایسا زمانہ ضرور آئے گا جس میں دینار ودرہم ہی نفع بخش ہوگا، جب کہ آپ ﷺ نے دنیا کی فراوانی سے خوف کا اظہار فرمایا ہے اور مال کو آزمائش بتایا ہے، بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''خدا کی قسم میں تم پر فقر سے خوف نہیں کھاتا، لیکن مجھے خوف ہے کہ تم پر دنیا پھیلا دی جائے گی (یعنی دنیا پرستی کے وسائل وذرائع تم کو حاصل ہوجائیں گے) جیسا کہ گذشتہ قوموں کو دولت دنیا سے نوازا گیا، تو تم دنیا کے حصول میں تنافس کرنے لگو جیسا کہ ان قوموں نے تنافس کیا، تم کو بھی ان ہی کی طرح دنیا ہلاک کردے جیسا کہ ان قوموں کو ہلاک کردیا''۔

اور ترمذی شریف کی روایت ہے: **إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ.** ہر امت کا ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ یہ دونوں حدیثیں ان مسلمانوں کے لیے پیغام عبرت ہیں جو مال کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، ہر وقت اسی سوچ میں غرق، اسی کے لیے جوڑ توڑ، دوڑ دھوپ اور دنیا ہی کے لیے جینے مرنے والے لوگ ایسے ہی کاروباریوں، تاجروں، مال داروں کو عقل منداور دوربین جانتے ہیں اور ان کے مال کو حسرت وحسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

جب کہ ایک عاقل انسان وہ ہے جو زندگی کی حقیقت کو سمجھے اور دنیا وآخرت کی زندگی کے فرق کو جانے، ورنہ شمع کی طرح اس کی زندگی بھی وقت کی تپش میں پگھل کر ختم ہوجائے گی اور پھر اس کا افسوس کچھ کام نہیں آئے گا۔

انسان تیری عمر طبیعی ہے کچھ برس
بغاوت میں کر بسر یا اطاعت میں کر بسر

پھر اس طبیعی عمر کو اسلام کے نظام کے تحت کیوں نہ گذارے جس نے مسلمانوں کے لیے حیات طیبہ کی ضمانت لی ہے۔

﴿**مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَكَرٍ أَوْأُنْثىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ**﴾[النحل الرقم:۹۷]

جس نے بھی مرد وعورت میں اچھا عمل کیا اور وہ مومن ہے تو ہم اس کو خوش گوار و پاکیزہ زندگی سے نوازیں گے اور ان کے اچھے اعمال کا پورا ثواب دیں گے۔

صبح خیزی کے ثمرات وبرکات

مولانا شفیع اللہ اعظمی قاسمی/مقیم حال دوبئی

اللہ تعالیٰ نے کائنات کا جو بھی نظام متعین فرمایا، وہ سب کا سب حق اور درست ہے اور وہ نظام، فطرت انسانی کے عین موافق ہے اور اس نظام کائنات کی اصل اور بنیاد صبح وشام کا آنا جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر اس کی اہمیت کے پیش نظر قسم بھی اٹھائی: ﴿وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ قسم ہے وقت فجر کی اور دس راتوں کی۔ دوسری جگہ ہے: ﴿وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ﴾ اور قسم ہے صبح کی جب وہ اپنے آغاز میں ہو۔ اسلام چونکہ فطری دین ہے؛ اس لیے خداوند قدوس نے اس کے تمام جمالیاتی عنصر کو بخوبی واضح اور متعین فرما دیا، ساتھ ہی ساتھ ایک معتدل نظام زندگی مرتب فرما کر مروج کر دیا کہ نظامہائے زندگی کا کوئی بھی گوشہ افراط وتفریط کا شکار نہ ہونے پائے، حاکمانہ اور حکیمانہ انداز میں کچھ یوں جہت زندگی کی تعیین فرمائی کہ ﴿وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتاً وَّجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاساً وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشاً﴾ ہم نے تمہاری نیند کو قاطع بنایا اور رات کو لباس، دن کو حصول معاش کا ذریعہ بنایا۔

چونکہ صبح وشام میں خیرات وبرکات کا ایک جہاں پوشیدہ ہے، رات آرام وسکون بخشتی ہے تو صبح کا نور سرور عطا کرتا ہے، انسان نیند سے بیدار ہو کر چستی اور پھرتیلے پن کا احساس کرتا ہے، دل فرحت وشادمانی کی لذت سے مالا مال اور دماغ اپنی پوری توانائی بکھیرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ ہمارے آقا سرمایہ دنیا ودین نے اس میں برکت کی دعا فرمائی ہو اور ترغیب بھی دی ہو۔ سنن اربعہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُوْرِهَا. اے اللہ! میری امت کو صبح کے سویرے میں برکت عطا فرما۔ دوسری جگہ ترغیبی انداز میں اختیار فرمایا، جیسا کہ معجم اوسط میں ہے: بُوْرِكَ لِأُمَّتِي فِي بُكُوْرِهَا. میری امت کو اس کی صبح کے سویرے میں برکت دی گئی ہے۔ اور آپ ﷺ خود بھی پوری زندگی اسی پر عمل پیرا رہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت صخر بن وداعہ

فرماتے ہیں کہ آپ جب بھی لشکر بھیجتے تھے تو صبح سویرے بھیجتے۔ خود حضرت صخر بن وداعہ صبح سویرے تجارتی افراد روانہ فرمانے کی وجہ سے بہت زیادہ مال ودولت سے سرفراز ہوئے۔ اسی لیے صبح خیزی کا عمل بہت ہی کارآمد وقت ہے، اللہ تعالیٰ اس میں طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس کے مابین رزق کی تقسیم فرماتا ہے، چنانچہ شعب الایمان میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور میں سورہی تھی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: يَا بُنَيَّةُ! قُومِي اِشْهَدِيْ رِزْقَ رَبِّكِ وَلاتَكُوْنِي مِنَ الْغَافِلِيْنَ؛ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقْسِمُ أَرْزَاقَ النَّاسِ مَابَيْنَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ إِلىٰ طُلُوْعِ الشَّمْسِ. اے میری بیٹی! اٹھو اپنے رب کے رزق کی تقسیم کے وقت حاضر رہو؛ کیوں کہ اللہ عز وجل طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب کے مابین لوگوں کی روزی تقسیم فرماتا ہے۔

صبح سویرے کا یہ وقت خداوند قدوس کے نزدیک بہت ہی مطلوب ہے، اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی دعا کا ضامن ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْراً كَثِيْراً وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّأَصِيْلاً، هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْماً﴾ اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو، صبح وشام تسبیح بیان کیا کرو، وہی وہ ذات ہے جو تم پر رحمتیں نازل کرتا ہے اور فرشتے تمہارے لیے دعا کرتے ہیں، تاکہ اللہ تمہیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکالے اور وہ مومن پر بہت ہی مہربان ہے۔ کیوں کہ صبح کا وقت ہی فرشتوں کے تبادلے کا وقت ہے، اسی میں بندے کے نامہ اعمال خدا کے حضور پیش کئے جاتے ہیں، قرآن مجید میں واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے: ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْداً﴾ صبح کو قرآن پڑھنے کا وقت فرشتوں کی حاضری کا وقت ہے۔

قرآن نے جزا وسزا کا قانون بیان کیا کہ جیسا عمل ویسا بدلہ، لیکن صرف اس کو نفس جزا سزا تک محدود نہیں رکھا، بلکہ وقت کے اندر بھی مماثلت قائم فرمادیا، قرآن کہتا ہے: ﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيّاً﴾ جنت میں مومن کو صبح وشام رزق عطا کیا جائے گا۔

ایک مومن کی سب سے بڑی خوش قسمتی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو، لیکن سب سے مزے کی بات یہ ہے کہ دیدار الٰہی بھی ہوگا تو صبح وشام میں ہی ہوگا، گویا اللہ نے اپنے دیدار کا جو وقت خاص رکھا وہ ان ہی لوگوں کے لیے ہے جو صبح وشام دربار خداوندی میں اپنے

سرِ نیاز خم کردیتے ہیں۔حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے ایک روایت میں فرمایا کہ

كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لاتُضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهٖ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لاتُغْلَبُوْا عَلٰى صَلٰوةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا. [متفق علیہ]

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور وہ رات چاندنی رات تھی، آپ نے چاند کی طرف دیکھا کہ تم لوگ عنقریب اپنے رب کا دیدار کروگے تمہیں اس کے دیدار میں کوئی دقت نہیں ہوگی، جیسے یہ چاند، لہٰذا اگر تم طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب کے بعد کی نماز ادا کرنے پر قدرت رکھتے ہو تو ضرور ادا کرو۔

آج کے حالات پر نظر کریں تو راتوں کو دیر تک جاگنا، شور شرابہ کرنا، پارٹی کرنا یا پارٹیوں میں جانا، موج مستی کرنا، دوستوں کے ساتھ دیر رات وقت گذاری کرنا، کچھ نہیں تو انٹرنیٹ کے ذریعہ موبائل یا لیپ ٹاپ پر لایعنی امور میں اپنی راتوں کا بیشتر حصہ صرف کرنا ہمارا شیوہ بن چکا ہے، ہمارا نظام زندگی خدا کے عطا کردہ نظام زندگی سے متصادم ہے، قرآن وحدیث کے بیان کردہ قوانین کی ہم خلاف ورزی میں خوش وخرم ہیں، لیکن ذرا دنیا کے ماہرین طب وماہرین نفسیات کی تحقیقات پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ وہ بھی خدائی فرمان کے آگے سر تسلیم خم کررہے ہیں، انھیں بھی تشویش ہے کہ ہمارا معاشرہ صبح دیر میں سوکر اٹھنے کی وجہ سے ان فوائد سے محروم ہوا جارہا ہے جو صبح اٹھنے پر حاصل ہوتے۔

ہمارا ذہن دیر میں اٹھنے کی وجہ سے نشیط وچست نہیں رہ پاتا، ہمارا جسم بیماریوں کی آماجگاہ بنتا جارہا ہے، تمام وجہوں میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم دیر سے سوکر اٹھتے ہیں، آج ہمیں تمام سامان عیش ولطف حاصل ہیں، لیکن پھر بھی غم وحزن کی منحوس گھڑیاں ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتی ہیں، جسم بھر نیند لینے کے باوجود سکون کی لذت سے محروم ہیں، ماہرین کے مطابق یہ وقت ہمارے جسم کی تعمیر وترقی اور اس کی مرمت کا ہوتا ہے، اس وقت میں ہمیں آکسیجن سے بھرپور تازہ ہوا میسر آتی ہے، جو ہمارے پھیپھڑوں اور دماغی خلیوں کو تازگی بخشتی ہے، ہمارے نفسیاتی نظام کو اعتدال پر رکھتی ہے، صبح سویرے اٹھنے کی برکت سے نظام وڈسپلن کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، قوت مدافعت غالب رہتی ہے، جس سے بڑی بڑی بیماریوں کا شکار نہیں ہوپاتے، وٹامنز، ہارمونز اور نظام انہضام کا اعتدال ہماری کائنات جسم کو سنبھالے رکھتا ہے، صبح خیزی ایک ایسا عمل ہے جس سے ہماری تخلیقی صلاحیت روز بروز بڑھتی رہتی ہے،

(بقیہ ص:۱۳۰ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریک آزادی میں ''علماء دیوبند'' کا حصہ

ضیاءالحق خیرآبادی، استاذ مدرسہ تحفیظ القرآن، سکھٹی، مبارکپور اعظم گڈھ
E:MAIL:zeyaulhaquekbd@gmail.com

وطن عزیز کی آزادی کو ستر سال ہورہے ہیں، اس عرصہ میں ملک کی تاریخ کو اس قدر مسخ کردیا گیا ہے کہ حقیقت کا سراغ لگانا کچھ آسان نہیں۔ آزادی کے بعد ہی سے ایک گروہ مسلسل سرگرم عمل ہے کہ تحریک آزادی میں مسلمانوں کی نمایاں قربانیوں، سرفروشیوں اور سرگرمیوں کو تاریخ کے صفحات سے کھرچ کر مٹادیا جائے، اور اس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم مولانا ابوالکلام آزاد سے تو کسی قدر واقف ہیں، اور نام کی حد تک مولانا محمد علی جوہر، خان عبدالغفار خاں اور رفیع احمد قدوائی سے بھی واقفیت ہوسکتی ہے، لیکن ان کے علاوہ تحریک آزادی کے دوسرے مجاہدین ورہنماؤں کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں، چہ جائیکہ ان کے کارنامے ہمارے سامنے ہوں۔ اگر آج ہم سے مولانا حسرت موہانی (جنھوں نے سب سے پہلے مکمل آزادی کی تجویز پیش کی تھی) مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا داؤد غزنوی، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، چودھری افضل حق، سید عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ کے بارے میں پوچھا جائے تو چند مخصوص لوگ ہوں گے جو ان سے واقفیت رکھتے ہوں گے، جبکہ ان سے ہر ایک نے وطن عزیز کی آزادی کے لئے سالہا سال جیلوں میں گزاردیئے اور ہر طرح کی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کیں مولانا عبید اللہ سندھی نے تو محض ملک کی آزادی کیلئے چوبیس سال جلاوطنی کی زندگی گزاردی۔

یہ بات ہمارے لئے کس قدر افسوسناک بلکہ شرمناک ہے کہ ہم اپنے ان مخلص رہنماؤں اور قائدین کو بھول بیٹھے جو اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے انگریز جیسی ظالم وجابر حکومت سے ٹکرا

گئے، جس کے حدودِ سلطنت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا، اور اسے ملک بدر کر کے ہی دم لیا۔ ہماری ان حضرات سے ناواقفیت اور برادرانِ وطن کی بدترین عصبیت، یہ تاریخ ہند کا بہت بڑا المیہ ہے اور ہمارے لئے ایک عظیم لمحۂ فکریہ! اگر ہماری غفلت اور خود فراموشی کا یہی حال رہا تو ہماری اگلی نسلیں یہی سمجھیں گی کہ ملک کی آزادی اور تعمیر و ترقی میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے اور وہ خود بخود اپنے آپ کو تیسرے درجہ کا شہری سمجھنے لگیں گی، اور اسلام دشمن تحریکوں کا مقصد بھی یہی ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جو قوم اپنے ماضی سے کٹ جاتی ہے بحیثیت قوم اس کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔

اس پس منظر کو سامنے رکھ کر اس مضمون کا مطالعہ کیا جائے، اس میں صرف علماء دیوبند کی خدمات اور قربانیوں کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے، اسی کو سامنے رکھ کر اس کا دائرہ اور بڑھایا جا سکتا ہے۔

سولہویں صدی عیسوی میں انگریزوں نے ہندوستان آنا شروع کیا اور جہانگیر کے عہد حکومت میں ۱۶۱۳ء میں سورت (گجرات) میں تجارتی مرکز قائم کرنے کی اجازت حاصل کرلی، یہ مرکز ایسٹ انڈیا کمپنی نے قائم کیا، جس کا ہیڈ کوارٹر لندن میں تھا، کمپنی نے رفتہ رفتہ مکر وفریب اور شاطرانہ وعیارانہ چالوں سے وہاں حکومت قائم کرلی اور اس کا دائرۂ کار اور اثر ورسوخ بڑھتا ہی رہا۔ ۱۷۵۷ء میں نواب سراج الدولہ نے پلاسی کی لڑائی میں انگریزوں سے جم کر مقابلہ کیا مگر اس کے وزیر میر جعفر نے غداری کی، جس کی وجہ سے نواب کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد میسور میں حیدر علی اور اس کے شیر دل فرزند ٹیپو سلطان نے انگریزوں کا زور توڑنے کی بے انتہا کوشش کی، مگر وہ اس سیلاب پر بند نہ لگا سکے، ٹیپو سلطان انگریزوں سے لڑتے ہوئے ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو شہید ہو گئے، سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں کا مقابلہ کرنے والا کوئی قابل ذکر حکمراں باقی نہ رہا، ملک کے بیشتر حصوں پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ ادھر دہلی میں اورنگ زیب کی آنکھیں بند ہوتے ہی مغلیہ سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں، اس کے جانشین حد درجہ نااہل ثابت ہوئے، ۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے دہلی کو فتح کرلیا، مغلیہ حکومت سمٹ کر لال قلعہ تک محدود ہو کر رہ گئی، اور بادشاہ کی حیثیت ایک وظیفہ خوار کی سی ہو کر رہ گئی۔ یہی وہ دور تھا جب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نامور فرزند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیا، شاہ صاحب کے بھتیجے مولانا اسمٰعیل شہید اور ان کے داماد مولانا عبد الحی صاحب نے اپنے شیخ ومرشد حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی معیت وسرپرستی میں مسلح جد وجہد کا آغاز کیا، مگر یہ حضرات کامیاب نہ ہو سکے، ان کی شہادت کے بعد انگریزوں کا تسلط واقتدار بڑھتا ہی چلا گیا، یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء کی وہ

تاریخی جنگ ہوئی جس میں شکست نے انگریزوں کے پیر یہاں مکمل طور پر جما دیئے۔

اکابر علماء دیوبند نے اس جنگ میں اپنے پیرومرشد سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی قیادت میں بھرپور حصہ لیا۔ پہلے حضرت حاجی صاحب اور ان کے رفقائے کرام کا جہاد وحریت کے سلسلہ میں تبادلۂ خیال ہوا، مولانا شیخ محمد تھانوی نے بے سروسامانی کا ذکر فرما کر جہاد وحریت کی مخالفت کی، تو حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے جذبۂ جہاد سے سرشار ہوکر فرمایا کہ ''کیا ہم اصحابِ بدر سے بھی زیادہ بے سروسامان ہیں'' یہ سن کر حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ الحمد اللہ انشراح ہوگیا، اور جہاد کی تیاری شروع کردی۔ حضرت حاجی صاحب امیر المومنین، مولانا نانوتوی سپہ سالار اور حضرت گنگوہی قاضی مقرر ہوئے، اسی طرح قصبہ تھانہ بھون دارالاسلام قرار پایا۔

اس جنگ میں علمائے دیوبند نے بنفس نفیس شرکت کی اور شاملی کے میدان میں جم کر انگریزوں کا مقابلہ کیا اور تحصیل فتح کرلی، مگر حضرت حافظ ضامن شہید صاحب کی شہادت کے بعد پانسہ پلٹ گیا، ادھر انگریزوں کے لئے کمک بھی آگئی، چنانچہ انگریزوں نے تحصیل پر دوبارہ قبضہ کرلیا، پھر تھانہ بھون کا رخ کیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اس تحریک کی ناکامی کے بعد جب انگریز پوری طرح غالب آگئے تو انھوں نے وحشت و بربریت کا ننگا ناچ ناچا کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، صرف دہلی شہر میں ہزاروں علماء کو پھانسی دی گئی، دہلی سے پشاور تک درختوں کا ایک سلسلہ تھا جس پر پھانسی کے پھندے لگے ہوئے تھے، زندہ علماء کو سوروں کی کھال میں بند کرکے جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیا گیا، غرض ایسے ایسے مظالم علماء کرام پر کئے گئے کہ خود ظلم و بربریت کو پسینہ آگیا۔

اس تحریک کی ناکامی کے بعد ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا چراغ مکمل طور پر گل ہوگیا، لیکن مایوسی کی اس ظلمت وتاریکی میں بھی قوم کے باہمت افراد نے ہمت نہیں ہاری۔ ''زندہ قومیں جب زوال سے دوچار ہوتی ہیں تو وہ آسانی سے زمانہ کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالا کرتیں، اس کشمکش میں اکثر ان میں غیر معمولی فکر ونظر اور ہمت وارادے والے افراد پیدا ہوجاتے ہیں، جو جان توڑ کوشش کرتے ہیں کہ زوال کی روک تھام کریں اور قوم کی تقدیر بدل دیں۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ انھیں غیر معمولی فکر ونظر والے افراد میں سے تھے، جو ایک محاذ پر شکست کھا کر مایوس نہیں بیٹھے بلکہ انھوں نے ایک دوسرے محاذ پر جنگ چھیڑ دی اور اپنی شکست کو فتح سے ہمکنار کردیا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے جہاد میں ناکامی کے بعد مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے مشورے سے ہی شاہ ولی اللہ کے

علمی ورثہ کو لے کر دارالعلوم دیوبند قائم کیا گیا، دارالعلوم دیوبند کن مقاصد کے تحت قائم کیا گیا؟ کیا اس کا مقصد صرف درس وتدریس اور تعلیم وتعلم تھا، اس کے متعلق دارالعلوم ہی کے اولین طالب علم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی زبانی سنئے:

> کیا حضرت الاستاذ (مولانا نانوتویؒ) نے اس مدرسہ کو درس وتدریس، تعلیم وتعلم کیلئے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی ناکامی کے بعد یہ ارادہ کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے، تاکہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔
>
> (احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن، ص:۱۷/ سوانح قاسمی ج:۲، ص:۲۲۶)

مولانا حامد الانصاری غازی نے صد سالہ یادگار کے ص:۳۶ پر یہ بات نقل کی ہے:

> مولانا محمد قاسم صاحب کا قول تھا کہ دیوبند آزادی کی چھاونی ہے جس پر تعلیم کا پردہ ڈال دیا گیا ہے، مولانا کہتے ہیں کہ ہمارے جسم غلام سہی، مگر ہماری روح آزاد رہنی چاہئے۔

اسی طرح حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں:

> حضرت والا (مولانا نانوتویؒ) نے ۱۸۵۷ء کی شکست کے بعد محسوس کیا کہ اب تلوار کے مقابلہ کا وقت نہیں رہا، تو آپ لوہے کی تلوار میان میں کر لیتے اور تعلیمی لائن کے ہتھیار میان سے باہر نکال کر میدان میں آجاتے ہیں، گویا شاملی کا جہاد ابھی ختم نہیں ہوا، صرف رخ بدلا ہے۔
>
> (آزاد ہند کا خاموش رہنما، ص:۷)

ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دارالعلوم ایک مکتب فکر سے زیادہ ایک تحریک ہے، دارالعلوم کے فضلاء نے اپنی تمام تر طاقت صرف کر کے، بے پناہ جانی ومالی قربانیاں دے کر انگریزی حکومت سے پنجہ آزمائی کی اور اسے ہندوستان سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ ۱۷۹۲ء میں مربی دارالعلوم حضرت نانوتویؒ کا انتقال ہوا۔ ان کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مدرسہ کے سرپرست بنے، آپ کے دور سرپرستی میں مدرسہ کا دائرۂ کار وسیع ہوا، ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) میں آپ کی وفات پر مدرسہ کا پہلا دور ختم ہو گیا۔

حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے معتمد شاگرد اور دارالعلوم کے اولین طالب علم حضرت شیخ الہند کی صدارت میں مدرسہ کا دوسرا دور شروع ہوا۔ آپ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی روداد اپنے استاذ

حضرت نانوتویؒ سے سنتے رہتے تھے، آپ نے مسلمانوں کی تباہی و بربادی اور انگریزوں کی درندگی وبہیمیت کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا، اس لئے انگریزوں کے تئیں آپ کے جذبۂ نفرت وعداوت کا اندازہ لگانا کچھ دشوار نہیں، اس کا اندازہ یوپی کے گورنر سر جیمس اسپنٹس کی اس تحریر سے لگایا جا سکتا ہے:

''اگر اس شخص کو جلا کر راکھ کر دیا جائے تو وہ خاک بھی اس کوچہ سے نہیں اڑے گی جس میں کوئی انگریز ہوگا۔'' (سوانح قاسمی، ج:۲، ص:۸۴ حاشیہ)

''اگر اس شخص کی بوٹی بوٹی کر دی جائے تو ہر بوٹی سے انگریزوں کے خلاف عداوت ٹپکے گی''

حضرت شیخ الہندؒ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جمعیۃ الانصار کے نام سے ایک تنظیم قائم کی اور قدیم فضلاء دیوبند کو اس میں جمع کرنا شروع کیا، اس طرح دیوبندی نظام کے تعلیم یافتہ حضرات کی ساری قوت ایک حد تک منظّم ہوگئی۔ اس کے بعد آپ نے وہ عظیم تحریک شروع کی جو تاریخ میں ''ریشمی رومال'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی بنیاد اس تخیل پر رکھی کہ سرحدی پٹھانوں، کابل کی حکومت اور ترکی خلافت کی امداد سے ہندوستان کو برطانوی اقتدار سے نجات دلائی جائے اور ملک کے اندر جگہ جگہ بغاوت کر کے اس کے قدم اکھاڑ دیئے جائیں۔

اس اسکیم کی تکمیل کے لئے مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا برکت اللہ بھوپالی، راجہ مہندر پرتاپ جیسے لوگوں کو مختلف ممالک میں بھیجا اور اندرون ملک اہم مقامات پر اسلحے اور اشخاص تیار فرمائے، اسی وقت مولانا ابوالکلام نے ''الہلال'' کے ذریعہ اپنی چونکا دینے والی صدائے حق سے قوم کے ایک بڑے طبقے کو جو اپنے اپنے حلقہ میں خوابِ ناز میں مست تھا، یکا یک بیدار کر دیا، یہ آوازۂ حق جدید دانشگاہوں اور قدیم مدرسوں وخانقاہوں میں یکساں طور پر سنا گیا، اس انقلابی آواز نے پورے ملک میں آگ لگا دی، اور حکیم اجمل خاں، خان عبدالغفار خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری ایسے حضرات بجان ودل حضرت شیخ الہند کے ساتھ تھے، بلکہ ڈاکٹر انصاری تو باقاعدہ حضرت سے بیعت تھے، پھر حضرت شیخ الہند نے دیوبند سے مدینہ منورہ کا سفر کیا اور وہاں خلافت ترکیہ کے ذمہ داران کو تیار کیا، یہی پہلی عالمی جنگ کا زمانہ تھا، ادھر کابل میں مولانا سندھی راہ ہموار کر رہے تھے، اس تحریک کی طاقتور ترین شخصیت مولانا سندھی کی تھی، اس میں وہ اس قدر دخیل تھے کہ انگریزوں کی تحقیقاتی کمیٹی ''رولٹ ایکٹ'' نے انھیں کو تحریک کا بانی قرار دیا۔ مولانا نے کابل میں ایک عارضی حکومت قائم کی جس میں ترک اور جرمن بھی شامل تھے، راجہ مہندر پرتاپ صدر، مولانا برکت اللہ بھوپالی وزیر اعظم اور مولانا

سندھی وزیر داخلہ مقرر ہوئے، مولانا سندھی نے اپنی تحریر کا نقشہ ریشمی رومال پر بنا کر نقشۂ جنگ سے آگاہ کرنا چاہا تھا کہ وہ ریشمی رومال پکڑ لئے گئے اور پوری تحریک طشت از بام ہوگئی۔ حضرت شیخ الہند مدینہ سے گرفتار کر کے مالٹا میں قید کر دیئے گئے، اسی وقت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ نے گرفتاری کا وارنٹ نہ ہونے کے باوجود استاذ محترم کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو گرفتاری کیلئے پیش کر دیا۔ پورے ملک میں انگریزوں نے تحریک کے کارکنوں کی گرفتاریاں شروع کر دیں اور تحریک کی کمر توڑ کر رکھ دی، اس کے باوجود اس نے ہندوستان کی غلامی کے خلاف پورے برصغیر ہی میں نہیں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں بیداری کی ایک لہر دوڑا دی، اور مجاہدین کی ایک بے مثال جماعت پیدا کر دی۔ اس تحریک میں حضرت شیخ الہند کے ہمراہ جن علمائے دیوبند نے نمایاں طور پر حصہ لیا ان میں مولانا سندھی و مولانا مدنی کا ذکر تو گزر چکا، ان کے علاوہ مولانا عزیر گل پشاوری، مولانا محمد میاں منصور انصاری، مولانا سہول بھاگلپوری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا فضل ربی وغیرہ تھے، یہ تحریک اگرچہ بعض اسباب وعوامل کی وجہ سے ناکام ہوگئی مگر اس سے حضرت شیخ کے تدبر اور سیاسی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔

اس مقام پر جمعیۃ علماء ہند کا تذکرہ ضروری ہے جو درحقیقت جمعیۃ علماء دیوبند ہی تھی، اس لئے کہ اس میں اکثریت علماء دیوبند کی ہی تھی ۱۹۱۹ء میں مفتی کفایت اللہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری (مولانا موصوف کا شمار اکابرین علماء اہلحدیث میں ہوتا ہے، آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے) مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد جیسے اساطین نے اس کی بنیاد رکھی۔ اس کا پہلا اجلاس ۲۸/ دسمبر ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں زیر صدارت مولانا عبدالباری فرنگی محلی منعقد ہوا۔ اسی دوران مارچ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند مالٹا سے رہا ہو کر ہندوستان پہونچے، یہاں آتے ہی آپ نے اپنے معتمد تلامذہ و رفقاء کو لے کر ایک نئی سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا، خلافت کمیٹی کے لئے ترک موالات والے فتوے کو مولانا ابوالمحاسن سجاد نے جمعیۃ کے متفقہ فیصلے کی حیثیت سے پانچ سو علماء کی دستخط کے ساتھ پیش کیا۔ یہاں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ خلافت کمیٹی کی سیاسی کامیابی ترک موالات کے ریزولیشن سے شروع ہوئی، اور خلافت کمیٹی تحریک شیخ الہند کی کوکھ سے پیدا ہوئی، اور خلافت تحریک سے انڈین نیشنل کانگریس کے تن مردہ میں جان آئی۔

ترک موالات کی تجویز ایسی خطرناک تجویز تھی جس سے حکومت لرز اٹھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہر کام میں حکومت سے عدم تعاون کیا جائے۔ اس کے خاص اجزاء چار بائیکاٹ تھے۔ (۱) سرکاری

سندوں اور خطابات کو چھوڑ دینا۔ (۲) سرکاری تعلیمی اداروں سے ہر طرح کا قطع تعلق۔ (۳) نہ کونسل میں جانا اور نہ اس سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا۔ (۴) سرکاری عدالتوں سے قطع تعلق۔

اسی زمانہ میں مسلم یونیورسٹی کا طلبہ نے بائیکاٹ کیا اور دوسری مسلم یونیورسٹی قائم کرنی چاہی، حضرت شیخ الہند اپنی تمام تر علالت اور ضعف وناتوانی کے باوجود صدارت کے لئے علی گڈھ تشریف لے گئے اور یونیورسٹی کی بنیاد رکھی، جو بعد میں دہلی منتقل ہوکر ''جامعہ ملیہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسارتِ مالٹا سے واپسی کے بعد ہی سے مختلف امراض وعوارض نے آپ کو گھیر رکھا تھا، اس سفر کے بعد مرض بڑھتا گیا یہاں تک کہ ۳۰؍نومبر ۱۹۲۰ء کو تحریک ولی اللٰہی کے اس عظیم قائد ورہنما نے جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ رحمه الله رحمةً واسعةً

حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد کاروانِ آزادی کی قیادت شیخ الہند کے عزیز ترین تلمیذ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے ہاتھوں میں آئی۔ آپ کی پوری زندگی جہد مسلسل اور مجاہدہ وعزیمت سے عبارت تھی۔ ۱۹۱۴ء سے آپ کا سیاسی سفر شروع ہوا، جمعیۃ علماء ہند جو اپنے قیام کے روزِ اول سے انگریزوں کے خلاف سرگرم ہوگئی تھی، اسی کے پلیٹ فارم سے آپ نے سیاسی جدوجہد کا آغاز فرمایا۔ مالٹا سے واپسی کے کچھ ہی عرصہ بعد کراچی کا وہ تاریخی مقدمہ پیش آیا جس میں آپ کو دو سال کی قید بامشقت سنائی گئی۔ آپ نے خلافت کانفرنس میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ گورنمنٹ برطانیہ کی فوج میں خدمت کرنا یا کسی کو بھرتی کرانا یا کسی قسم کی اعانت کرنا حرام ہے۔ یہ تجویز پاس ہوکر کتابی شکل میں شائع ہوگئی، اس پر آپ کو گرفتار کرکے کراچی کے خالق دینا ہال میں مقدمہ کے لئے پیش کیا گیا، آپ نے اس میں جو تاریخی بیان دیا وہ ہندوستان کی علمی، ادبی اور سیاسی تاریخ میں مولانا آزاد کے ''قول فیصل'' کی طرح ایک عظیم مقام رکھتا ہے، مگر اس مختصر مقالے میں اس کی گنجائش نہیں ہے کہ اسے پیش کیا جائے، جسے دیکھنا ہو حافظ عبد الرشید کی معرکۃ الآرا کتاب ''بیس بڑے مسلمان'' ص: ۴۴۸ تا ۴۸۰ کا مطالعہ کرے، (یہ کتاب علماء دیوبند کے احوال وسوانح کے متعلق ایک قیمتی دستاویز ہے، جو بڑی سائز کے ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے اور مکتبہ رشیدیہ لاہور سے شائع ہوئی ہے۔) ۱۹۲۳ء میں آپ قید سے رہا ہوئے اور دسمبر ۱۹۲۳ء کے جمعیۃ علماء ہند کے کوکناڈا اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے ہندوستان بلکہ پورے ایشیا کی مکمل آزادی کا مطالبہ کیا، کانگریس نے مکمل آزادی کا مطالبہ اس کے چھ سال بعد ۱۹۲۹ء میں اپنے لاہور کے اجلاس میں کیا جبکہ حضرت مدنی

نے کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ مطالبہ چھ سال پہلے ہی کر دیا تھا، یہ الگ بات ہے کہ آج جب سیاسی تاریخ لکھی جاتی ہے تو بڑے شدومد سے یہ لکھا جاتا ہے کہ کانگریس نے ۱۹۲۹ء میں مکمل آزادی کی قرارداد پیش کی اور مکمل آزادی کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ (بیس بڑے مسلمان، ص:۴۸۳)

اس کے بعد جمعیۃ علماء کے اکابرین مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ نے مارچ ۱۹۲۶ء کے جمعیۃ کے اجلاس کلکتہ میں کامل آزادی کا رزولیوشن پاس کیا۔ ۱۹۳۰ء میں جمعیۃ کا سالانہ اجلاس قصبہ امروہہ میں ہوا، اسی میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے تحریک آزادی میں شرکت اور کانگریس سے تعاون کی تجویز پیش کی اور انگریزوں کی اس کوشش کو ناکام بنادیا کہ جمعیۃ آزادی کی جنگ میں کانگریس کا ساتھ نہ دے، چنانچہ اس کا شکریہ پنڈت موتی لال نہرو نے ادا کیا۔ جمعیۃ کے اس فیصلے سے ۱۴؍ ہزار مسلمان جیل گئے اور پشاور قصہ خوانی بازار میں سیکڑوں نوجوانوں نے انگریزوں کی گولیوں سے جام شہادت نوش کیا۔ ۱۹۳۲ء میں جب سول نافرمانی تحریک شروع ہوئی جمعیۃ کے یہ اکابرین اس میں پیش پیش تھے، جمعیۃ نے اپنا جماعتی نظام تحلیل کر کے صدر وسکریٹری کی جگہ ایک ڈکٹیٹر منتخب کیا، اس طرح تقریباً دس ڈکٹیٹر منتخب کئے گئے، جب ایک گرفتار ہوجاتا تو فوراً دوسرا اس کی جگہ لے لیتا۔ اس میں حضرت مدنی، مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا سیّد محمد میاں وغیرہ یکے بعد دیگرے گرفتار ہوئے۔ جمعیۃ نے اس مرکز کا نام ''ادارۂ حربیہ'' رکھا، یہیں سے رضا کاروں کے جتھے جاتے اور سول نافرمانی کر کے گرفتار ہوتے تھے، ان کے کمانڈر مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور کمانڈر ان چیف مولانا ابوالمحاسن سجاد تھے۔ ۱۹۳۹ء میں جمعیۃ علماء ہند نے متفقہ طور پر فوج بھرتی کی مخالفت کی اس موقع پر مولانا سید محمد میاں کی تصنیف ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' کو ضبط کیا گیا۔ ۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑ و تحریک شروع ہوئی، جس میں اکابرین دیوبند نے بھرپور حصہ لیا اور اس کا حق ادا کر دیا، اس میں نمایاں علمائے کرام پسِ دیوارِ زنداں پہونچادئے گئے، جن میں چند ایک نام یہ ہیں: شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا سید محمد میاں، مولانا احمد سعید دہلوی وغیرہ

حضرت مدنی کی طرح علماء دیوبند میں جن لوگوں نے ہندوستان کی سیاسی فضا پر اپنے گہرے اور انمٹ نقوش چھوڑے ہیں ان میں مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی ذات خاص طور پر قابل ذکر ہے، حضرت مفتی صاحب کی علمی حیثیت ان کی سیاست پر غالب تھی،

اس وجہ سے آپ کی سیاسی حیثیت جس قدر نمایاں ہونی چاہئے نہیں ہوسکی، آپ کا سب سے نمایاں وصف آپ کی غیر معمولی سیاسی بصیرت اور فہم وتدبر ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ اہم ترین سیاسی معاملات میں آپ سے رائے لیتے تھے، ایک بار حضرت شیخ الہند نے اپنے رفقاء سے فرمایا کہ بے شک تم لوگ سیاستداں ہو مگر مولوی کفایت اللہ کا دماغ سیاست ساز ہے۔ آپ کی سیاسی فہم وبصیرت اس قدر مسلّم تھی کہ گاندھی جیسا انسان جب کانگریس ورکنگ کمیٹی میں کسی مسئلہ میں الجھتا تو پھر حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں پہونچتا اور آپ کا ناخن گرہ کشا ان الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھاتا، کانگریس اور جمعیۃ علماء ہند کی اکثر تجاویز آپ ہی کے قلم سے ہوتی تھیں۔

دوسری شخصیت جس نے استخلاصِ وطن اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے اپنا سب کچھ تج دیا وہ مولانا حفظ الرحمٰن کی ذات ستودہ صفات تھی، آپ نے اس راہ میں کیا کچھ قربانیاں پیش کیں اور کتنے مصائب وشدائد اس راہ میں برداشت کئے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری خلیفہ وجانشیں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نے ایک مجلس میں فرمایا کہ: ''تقسیم ہند کے وقت فسادات کے زمانہ میں دہلی کے اندر مسلمانوں کو بچانے کے سلسلہ میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے جو خدمات انجام دی ہیں، میں اس کی ایک رات کے بدلے پوری عمر کے اذکار واشغال نثار کرنے کو تیار ہوں۔''

یہ تو تحریک آزادی کا ایک پہلو ہے۔ اس کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ انگریزوں نے بالاکوٹ اور شاملی کے تجربات سے یہ سمجھ لیا تھا کہ جب تک مسلمانوں میں جذبۂ جہاد اور اتحاد واتفاق باقی ہے، انھیں زیر نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ اس کے لئے دو محاذ کھولے گئے، ایک جہاد کے خلاف، دوسرا مجاہدین کے خلاف۔ جہاد کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی بنا کر لایا گیا، اس نے آتے ہی جہاد کی منسوخی کا اعلان کیا، اس کے سدباب کے لئے علماء دیوبند کی ایک جماعت علامہ انور شاہ کشمیری کی قیادت میں اٹھ کھڑی ہوئی، جس نے اس فتنہ کے آگے بند لگادیا۔ ان میں نمایاں خدمات سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری مجلس احرار اسلام، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا بدر عالم میرٹھی اور مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی ہیں۔ دوسری طرف ایک صاحب عشق رسول کا حسین عنوان لے کر نمودار ہوئے، اور ان پاک طینت مجاہدین کے خلاف تکفیر کی بوچھار کردی، اور شاہ اسمٰعیل شہید سے لے کر حضرت شیخ الہند تک سب کو کافر بنا ڈالا، اس کی روک تھام کے لئے مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا

سید حسین احمد مدنی، مولانا مرتضی حسن چاند پوری، مولانا ابوالوفا شاہ جہاں پوری اور مولانا محمد منظور نعمانی جیسے حضرات میدان میں آئے اور نمایاں خدمات انجام دیں۔

غرض علماء کی ان جانفشانیوں کے سامنے انگریز ٹھہر نہ سکے اور انھیں ہندوستان چھوڑنا ہی پڑا اور ۱۹۴۷ء میں اگست کی پندرہ تاریخ کو ہندوستان آزاد ہوگیا، اور یہ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کی ستائیسویں تاریخ تھی۔ لیکن اس آزادی کا سب سے المناک پہلو ملک کی تقسیم تھی، اگرچہ یہ تقسیم مسلمانوں کے حق میں سخت مضر تھی مگر جو واقعہ حقیقت بن چکا ہو، اس سے صرفِ نظر ممکن نہیں، اس لئے اس کا مختصر تذکرہ بھی ضروری ہے۔

جب کاروانِ آزادی منزل کے بالکل قریب پہونچ گیا تو کچھ کٹر پنتھی اسلام دشمن طاقتوں کے ناپاک ارادوں کو بھانپ کر مسلم لیگ نے ایک علیٰحدہ مسلم ریاست کا مطالبہ کیا، اس مطالبہ کو عوام کی ایک بڑی جماعت تک علماء دیوبند ہی نے پہونچایا۔ اگر مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ نے اتنی سرگرمی اور پرجوش طریقہ پر اس تحریک کی حمایت نہ کی ہوتی تو مسٹر جناح کا یہ خواب اتنی آسانی سے شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔

یہ ہے ''علماء دیوبند کے تحریک آزادی میں کردار'' کا ایک نہایت سرسری جائزہ! اور یہ مختصر سا مقالہ اس سے زیادہ ضخامت کا متحمل بھی نہیں ہے۔ خلاصۂ تحریر یہ ہے کہ انگریزوں نے منصوبہ اور پلان بنایا تھا کہ ہندوستان کو دوسرا اندلس بنا دیا جائے، یہ اللہ کا فضل وکرم اور ان بوریہ نشین علماء کرام کی محنتوں اور جدوجہد کا ثمرہ ہے کہ ہندوستان اندلس بننے سے بچ گیا۔ اس کے لئے انھوں نے ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں، چکیاں پیسیں، جیل کی صعوبتیں برداشت کیں، ڈنڈے کھائے، کالے پانی کی سزا ہوئی۔ ان سب کے باوجود اسلام کی بقا اور سربلندی کے لئے ہمیشہ کفن بردوش انگریزوں کے سامنے سینہ سپر رہے، یہاں تک انگریزوں نے یہاں سے نکل جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ اللہ ان انفاس قدسیہ کی مساعی کو قبول فرمائے۔ رحمہم اللہ رحمةً واسعةً

اس سلسلہ میں بیس بڑے مسلمان، بیس مردان حق (مرتبہ: حافظ عبدالرشید ارشد) علماء ہند کا شاندار ماضی، ماہنامہ الرشید والجمعیة کے دارالعلوم نمبر، سیرت شیخ الاسلام، سوانح قاسمی، حیات شیخ الہند، اسیران مالٹا اور تحریک شیخ الہند وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

☆☆☆☆☆